کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

سالِ آخر نمبر

ردا ڈائجسٹ

DECEMBER
2011

ماڈل: مدیحہ
میک اپ: روز بیوٹی پالر
فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

دسمبر 2011

جلد نمبر 16 شمارہ نمبر 12

قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

500 روپے

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

34535726

مستقل سلسلے





لیجیے جناب سردیوں کا موسم آن پہنچا۔ پھر وہی گرم لحاف اور کافیوں کا دور چلے گا۔ زندگی پھر رواں دواں ہوئی۔ سورج کے الٹ پھیر نے ہمیں پھر وقت کی دہلیز پر لا کھڑا کیا۔ سرد ہوائیں کہیں سرسراتے ہوئے موسموں کے وہ جھونکے کراچی کی سردیوں کا اپنا ایک انداز ہے۔ موسم تو کوئی بھی ہو برستے ہوئے بادلوں کی طرح اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ زندگی اپنی رفتار پھر پلٹ کر لے آئی ہے۔ دسمبر کا سورج جب طلوع ہو رہا ہوگا یقیناً یہ ردا آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ یوں لگ رہا ہے یہ کل کی بات ہے کہ میں قلم تھامے گرم لحاف سے اٹھی ہوں میز پر صفحات پھڑپھڑا رہے ہیں، پچھلی محبتوں کے لمحے آواز دے رہے ہیں، مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ محبت اگلوں میں ہوتی ہے پچھلوں میں نہیں، ٹھہرے ہوئے لفظوں کی بازگشت دلوں میں منجمد ہوتی ہے۔ سرد راتوں میں اترنے والی برف جو میری مٹھی سے پھسل کر کبھی زمین پر گری تھی، محبت یا چاہ کا وہ ایک لمحہ کوند کر جب جاں سے نکل جائے تو جسم کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ بصارت اور سماعت دونوں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ زندگی کے سفر پر جانے والے کبھی پلٹ کر نہیں آتے۔ یہ ملال، یہ دکھ دسمبر کی طویل راتوں میں دل میں آ بستا ہے جب یہ طویل راتیں طویل لگتی ہیں ان کو مختصر کرنا اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ کتابیں اور رسائل انسان کے سدا کے دوست ہیں۔ اس سے بڑا ساتھی دنیا میں کوئی بھی نہیں۔ دکھ سکھ کہنے کیلئے۔ بہت ساری کہانیاں ہیں، کہانی تو ایک ہے۔ کہانی لکھنے والے نا جانے کتنے قلمکار ہوں گے سب رنگ اور موسم ان بارہ مہینوں کے دن آپ کی طویل محبتوں کا سفر ہے۔ اس سفر میں آپ ردا پڑھنے والے ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ ابھی تک وہ سفر وہ ساتھ اتنا مختصر نہیں ہے کہ آنکھ سے اوجھل ہو جائے۔ دسمبر کی سرد راتوں کی طرح ہماری سانسوں میں آ بسا ہے اسی لیے میں ان طویل راتوں کے نام اپنے چاہنے اور پڑھنے والوں کے نام اپنے سرد موسموں کا احساس اپنی نظم کی صورت میں کر رہی ہوں۔ سردیوں میں اپنا خیال رکھئے۔ مجھے گلابی لحافوں میں سونا بچپن سے پسند تھا۔ آج بھی پسند ہے۔ یہ موسم سب سے زیادہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ آپ بھی انجوائے کیجیے اور نئے آنے والے کل کیلئے ہماری دہلیز پر جب سورج اترے یعنی سالِ نو نمبر کیلئے لکھ کر بھیجیے، مجھے انتظار رہے گا۔ دسمبر آیا تو آپ نے جنوری کیلئے کیا کیا؟ ردا کے ساتھ رہیے۔ اپنا خیال رکھئے، نئے لکھنے والے رابطہ رکھیں۔

(آپی)

میرے بچپن کی گڑیا

سرد موسموں کی گلابی راتوں میں

گھر کے طاقوں میں جلتے ہوئے چراغ

انہی طاقتوں میں رکھی ہوئی
میرے بچپن کی گڑیا

کھنکتے لمحوں کا ادھار لے کر

یوں لگتا ہے آواز دیتی ہے

محبت سے مجھے وہ تھام لیتی ہے

سبھی راتوں کی پہیلیاں

گرم لحافوں میں چھپے وہ

رنگ موسم کی کہانیاں

آواز دیتی ہیں

میری ماں کے ہاتھوں سے بنائی ہوئی

وہ کپڑے کی گڑیا بہت یاد آتی ہے

اس کے رنگین کپڑے ابھی تک یاد ہیں مجھ کو

یوں لگتا ہے سرد راتوں میں

وہ میرے ساتھ ہوتی
ہے

مجھے یاد آئی میرے بچپن کی وہ گڑیا

پلٹ کر دیکھتی ہوں تو کتابوں کے
ڈھیر میں

نظر آتی ہے میرے بچپن کی گڑیا

میرے ساتھ رہتی ہے

میرے عکس میں ڈھلتی ہے

میرے بچپن کی گڑیا

صالحہ محمود

صالحہ محمود

ردائے شب

وضو کی فضیلت

ایمان باللہ کے بعد پہلی چیز جو بندے پر فرض ہے وہ طہارت ہے۔ طہارت کی دو قسمیں ہیں، ظاہری طہارت اور باطنی طہارت۔ جس طرح ظاہری طہارت کے بغیر نماز جائز نہیں، اسی طرح باطنی طہارت کے بغیر معرفت ناممکن ہے۔

جو بندہ ظاہری طہارت سے رہتا ہے، ملائکہ اسے دوست رکھتے ہیں اور باطنی طہارت کے ساتھ یعنی توحید پر قائم رہتا ہے، اسے اللہ رب العزت دوست رکھتا ہے۔ شافع محشر حبیب کبریا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں اور طہارت کے ساتھ رہنے والوں کو''۔

وضو ہمیں ظاہری اور باطنی طہارت کے ساتھ پاکیزہ بنا دیتا ہے یہ ہمارے جسم کی ہی نہیں بلکہ ہماری روح کی طمانیت کا باعث بھی بنتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ قبرستان تشریف لائے، پھر آپؐ نے فرمایا، ''سلام ہے اے مومن جماعت کے افراد اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ میں آرزو رکھتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں''۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟ اے اللہ کے رسول ﷺ، آپؐ نے فرمایا۔ ''تم میرے صحابی ہو اور میرے بھائی وہ ہیں، جو ابھی نہیں آئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کس طرح پہچان لیں گے ان لوگوں کو، اپنی امت میں سے جو ابھی نہیں آئے۔ آپؐ نے فرمایا، خبر دو کہ اگر ایک شخص کے گھوڑے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں نہایت سیاہ گھوڑوں کے درمیان، کیا وہ انہیں نہیں پہچان لے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، کیوں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''پس وہ وضو کے اثر سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے آئیں گے اور میں ان کا استقبال کرنے والا ہوں، حوض کوثر پر''۔ (صحیح مسلم)

سبحان اللہ وضو ایک امتی کے لئے کتنے بڑے درجات کا باعث ہے، یہ ایسا انداز عبادت ہے جو ہر لحاظ سے ایک مسلمان کے لئے اپنے معبود کے قرب کا ذریعہ ہے۔ وضو نہ صرف جسمانی و روحانی طہارت بخشتا ہے، بلکہ یہ نیکیوں کو بڑھاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص وضو کے اوپر وضو کرے، اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں''۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت رحمت دو عالم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بلا کر پوچھا'' ''اے بلالؓ مجھے تم اپنا کوئی عمل بتاؤ، جس پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہو۔ کیونکہ میں نے اپنے آگے جنت میں تمہارے جوتوں کی چاپ سنی ہے''۔

حضرت بلالؓ نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ ﷺ میں نے ایسا عمل تو کوئی نہیں کیا، البتہ رات دن میں

میرا کوئی وضو ایسا نہیں ہے، جس کے بعد میں نے نماز نہ پڑھی ہو''۔

شفیع المذنبین رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا، پھر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ'' کہا تو اس کے واسطے بہشت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

اللہ طیب (پاک) ہے اور پاک لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے ''اللہ نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی ڈالے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک صاف رکھے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے، تاکہ تم شکر گزاری کرو''۔ (سورہ المائدہ)

وضو کے اس قدر فضائل ہیں کہ جن کو جاننے کے بعد ہمیں یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ عمل کرنے میں تو نہایت آسان ہے جس میں کوئی مشقت نہیں لگتی، لیکن اس کی فضیلت اور درجات اللہ تعالیٰ کے یہاں نہایت بلند ہیں اور یہ عمل ہمیں ظاہری و باطنی پاکیزگی عطا کرتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پاک صاف رہنے اور شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سب سے زیادہ عظمت والی آیت

حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ''اے ابوالمنذر (یہ حضرت ابی بن کعبؓ کی کنیت ہے) کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس قرآن کریم میں سے کون سی آیت سب سے عظمت والی ہے؟ میں نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ خوب جانتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا، اے ابوالمنذر! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس اللہ کی کتاب میں سے کون سی آیت سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے جواب دیا آیت الکرسی سب سے زیادہ عظمتوں والی آیت ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ اے ابوالمنذر! تمہیں علم مبارک ہو۔ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوۃ 185) اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات میں آیت الکرسی سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے، اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید ذات وصفات اور عظمت و رفعت کا بیان ہے۔

دین میں کامیابی کی ایک عجیب مثال

اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار دین پر رکھا ہے۔ جس طرح شہد کی مٹھاس کو شہد سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور پھول کی خوشبو کو پھول سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح کامیابی کو دین سے الگ کرنے کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ دین کیا ہے؟ جس کام کے کرنے کا اللہ اور رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اس کو کرنا اور جس کام کے کرنے سے منع کیا ہے اس کو نہ کرنا دین ہے۔ حالات کے بننے اور بگڑنے کا دارومدار اعمال کے بننے اور بگڑنے پر ہے اور اعمال کے بننے اور بگڑنے کا دارومدار ایمان کے بننے بگڑنے پر ہے ایمان بگڑنے گا اعمال بگڑیں گے اور ایمان بگڑیں گے اللہ تعالیٰ حالات کو بگاڑ دے گا اس لئے مسلمان اپنی حالت بدل لیں اللہ تعالیٰ حالات کو بدل دے گا۔

☆☆☆☆☆

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 6

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے



وہ یونیورسٹی میں ذیشان کا سامنا تک کرنے سے گریز کررہی تھی' جہاں ذیشان اس سے بات کرنے آگے آتا وہ انجان بن کے نکل جاتی' وہ ایسی کوئی بھی بات کر کے اپنے لئے اور حرما کیلئے مسئلہ کھڑا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ شہران کی طرف سے تو دل اتنا بدگمان ہوگیا تھا اسے رونا آئے جارہا تھا' اندر اندر اسے چاہ رہی تھی مگر اس کا وہ روپ دیکھ کر اس کا دل کرچی کرچی ہوگیا تھا۔

محبت کو وہ اندر سینچ رہی تھی اس کی تمام خامیوں' سرد مہری اور اپنے ابو کی مخالفت کے باوجود وہ اسے اپنے دل میں جگہ دے چکی تھی مگر اس دن شہران کا انداز اتنا گرا ہوا تھا وہ یقین نہیں کرپارہی تھی' وہ تو اسے اچھی سوچ میں رکھ رہی تھی۔

ٹھیک کہا تھا ابو نے جیسا باپ ویسا بیٹا اور پھر یہ ذیشان احمد بھی تو اُسی کا بھائی ہے' اس کی فطرت کا کیا پتہ وہ بھی کوئی نیچ حرکت کربیٹھا تو وہ تو عزت سے جائیں گی اور عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

''لیل ماہ! آخر آپ مجھے اگنور کر کے کیوں جارہی ہیں' پلیز بات تو کیجئے''۔ ذیشان نے اسے کوریڈور میں جالیا جو کلاس لے کر نکل رہی تھی۔

''پلیز...... میرا راستہ مت روکئے' میں آپ کو نہیں جانتی''۔ بلیک پرنٹڈ شلوار دوپٹہ پر پلین شرٹ میں وہ خاصی سنجیدہ اور روکھی لگ رہی تھی۔ ذیشان نے حسرت بھری نگاہوں سے اس کے اجنبی لہجے پر چونک کر دیکھا ورنہ وہ تو ہمیشہ ہنستی مسکراتی ملتی تھی۔

''لیل ماہ! ایسی مجھ سے کیا غلطی ہوگئی ہے جو آپ ایسا سلوک کررہی ہیں''۔

''پلیز ذیشان احمد! مجھے بخش دیں' مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی اور پلیز آئندہ میرا راستہ روکنے کی حرکت مت کیجئے گا''۔ شہادت کی انگلی اٹھا کر آنکھوں میں غصہ' ناگواری لئے اسے وارننگ دینے لگی۔ ذیشان کی سماعت اور بصارت یقین نہیں کررہی تھیں وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''لیل ماہ! میرا قصور تو بتایئے؟''

''قصور آپ کا یہ ہے کہ آپ اس شخص کے بیٹے ہیں......'' آگے بولنے سے خود کو روک لیا۔ اندر کا انتشار دانت پیس کے روکا اور دھپ دھپ کرتی آگے بڑھ گئی۔

ذیشان کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔ وہ تو حیران تھا کل تک اسے رشتہ بھیجنے تک کا کہہ رہی تھی' ایک دم سے اچانک ہوا کیا تھا جو اس کے تیور ہی چینج تھے۔

ایک لیل ماہ ہی تو تھی جو حرما کی خیریت سے آگاہ کرتی تھی' وہ اتنا رنجور اور دلگرفتہ ہوا کہ ستون سے ٹیک لگا کے کھڑا ہوگیا' وہ تو خود انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔

لیل ماہ لب کچلتی ہوئی دور جا کے اسے ترحم بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی' وہ کب ایسا کرنا چاہتی تھی مگر شہران کے ہٹ دھرم رویئے نے لیل ماہ کے دل ودماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا' وہ ذیشان کی کوئی بات بھی سننے کو تیار نہیں تھی۔

پورا وقت اس کا یونیورسٹی میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ لائبہ اس کے ایسے موڈ سے پریشان ہوجاتی تھی جو ذرا سی دیر میں اداس ہوجاتا تھا۔

''تم اتنی بور کیوں ہوتی جارہی ہو؟'' یونیورسٹی آف ہوتے ہی دونوں روانہ ہوگئی تھیں۔ پوائنٹ میں انتشار تھا مگر گھر جلدی پہنچنے کی وجہ سے لیل ماہ نے رش کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

''آپی کی شادی ہونے والی ہے میرا کہیں دل نہیں لگ رہا' دل کرتا ہے پڑھائی بھی چھوڑ دوں''۔

''یہ تو تمہاری بے وقوفی ہوگی پڑھائی چھوڑ کے تو تم بالکل ہی پاگل ہوجاؤ گی' میرے پاس ٹیوشن پڑھانے آجاؤ جبکہ انکل نے بھی اجازت دے دی''۔

''وہ بھی دل نہیں کرتا''۔ وہ اصل بات اسے ابھی تک نہیں بتارہی تھی۔ پھر ذیشان احمد اور شہران کی چھوٹی بہن لائبہ کے پاس ٹیوشن پڑھتی تھی' اسے شہران کے گھر کے ہر فرد سے نفرت ہوگئی تھی۔

''میں آج زبردستی لینے آؤں گی جب ہی تم ٹھیک بھی ہوگی''۔ دونوں کا مطلوبہ اسٹاپ آگیا تھا جہاں سے پھر وہ اپنی بس وغیرہ لیتی تھیں۔ لیل ماہ نے کچھ نہیں کہا تھا' وہ چپ چاپ اس کے ساتھ بس اسٹاپ پر کھڑی ہوگئی۔ تین بجے بھی ٹریفک کا انتشار ہوتا تھا روڈ کراس کرنے والوں کو وقت پیش آتی تھی۔

یلو کیب آ کے رکی' لیل ماہ کی ناگوار تنقیدی خونخوار نگاہوں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے والے کو گھورا اور نخوت سے منہ پھیر لیا۔ نیوی بلیو شرٹ پر گرے پینٹ میں ہلکی بڑھی شیو میں وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی بارعب اور ہٹیلا لگ رہا تھا۔

''آجاؤ لائبہ! میں آپ لوگوں کو ڈراپ کردیتا ہوں''۔

''بدتمیز' اجڈ جان بوجھ کر اس ٹائم آیا ہے اسے پتہ ہے ہم بس کا انتظار کرتے ہیں''۔ لیل ماہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی ناگواری کا اظہار کیے چہرہ گھمائے دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کو دیکھنے میں محو ہوگئی۔ وہ اس پر نگاہ تک ڈالنا عبث سمجھتی تھی' کل تک اسے دل میں بسائے ہوئے تھی اور آج اتنی نفرت تھی۔

''لائبہ! تمہیں جانا ہے تو چلی جاؤ' میں ایرے غیرے کے ساتھ جانا پسند بھی نہیں کرتی''۔ اپنے اندر کا غصہ سخت الفاظ سے نکالا' شہران نے سائیڈ مرر سے اس کا جلتا سلگتا چہرہ بغور دیکھا۔

''لیل ماہ! کیا مطلب ہے؟'' لائبہ کو اس کی بات بری لگی۔

''مطلب کیا پوچھتی ہو تمہاری ان سے رشتے داری ہے' ہماری ایسی نہیں ہے' تم چلی جاؤ''۔ اسے اپنے رویہ کا احساس ہوا تو کچھ نرم بنایا۔

''محترمہ! رشتے داری کی بات تو آپ فضول کررہی ہیں وہ تو ہو جاتی ہے کسی بھی طرح''۔ شہران نے پھر تپایا۔ لائبہ حیران پریشان تھی' اکیلی تو وہ بھی نہیں جائے گی اور لیل ماہ کی اکڑ وہ سب سمجھتی تھی۔

''لیل ماہ! چلو پلیز انکل کو تھوڑی پتہ چلے گا' شہران بھائی گلی کے باہر ہی اتار دیں گے''۔ وہ آہستگی سے اس کے کان میں گویا ہوئی۔

''لائبہ! تم ایسی بات کررہی ہو' جانتی بھی ہو''۔ وہ برہم ہوئی۔

''لائبہ! لوگوں کو زیادہ ہی اہمیت جتانے کا شوق ہوتا ہے' تم آجاؤ انہیں یہیں کھڑا رہنے دو''۔ وہ بھی جیسے لیل ماہ کو اہمیت نہیں دینا چاہتا تھا۔

''سنئے مسٹر! اپنی حد میں رہئے' فضول کی نکتہ چینی وہ بھی اپنی ذات پر میں برداشت نہیں کرتی ہوں''۔ اس کے تو پتنگے لگ گئے۔

''اونہہ...... آئے بڑے عزت دار لوگ''۔ اس نے ہنکار کے زیر لب کہہ کر تمسخر اڑایا۔

''فضول کا یہاں اگر تماشا بنایا تو سوچ لیجئے گا آپ کیلئے بہت برا ہوگا''۔ لیل ماہ تو غصہ سے بکھرے جارہی تھی۔

''لیل ماہ! کیا ہوگیا ہے تمہیں؟'' لائبہ گھبرا گئی۔

''کیا برا ہوگا ذرا میں بھی دیکھتا ہوں''۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کے باہر نکلا۔ لوگوں کی فہمائشی نگاہیں اٹھیں، لیل ماہ وحشت زدہ سی رہ گئی مگر خود میں اعتماد پھر بھی سموئے رکھا۔

''شہران بھائی! آپ جائیے''۔ وہ تو بات بگڑتے دیکھ کر متوحش زدہ رہ گئی۔

لیل ماہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی' شہران تو لگتا تھا ڈر وخوف سب کو پیچھے چھوڑ چکا تھا۔

''کیا کرلوگی مجھے بتانا ذرا؟'' وہ غرایا۔

''سنیئے سر!'' لیل ماہ دوڑتی ہوئی گئی' اسے پولیس کی موبائل نظر آ گئی تھی۔ شہران اور لائبہ نے اس کا تعاقب کیا' شہران تو نارمل تھا مگر لائبہ ڈر گئی۔

''یہ شخص مسلسل مجھے تنگ کر رہا ہے بدمعاشوں کی طرح''۔ لیل ماہ نے اس کی شکایت کردی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے بھائی؟'' پولیس والے نے شہران کے بازو پر ہاتھ مارا۔

''لیل ماہ! کیا پاگلوں والی حرکت کر رہی ہو''۔ لائبہ حواس باختہ ہوگئی۔

''میں نے ٹھیک کیا ہے''۔

شہران کی آنکھوں میں تو اور ہی بدلے کے آثار نظر آ رہے تھے' لائبہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''دیکھیے سر! یہ میرا بھائی ہے اور یہ لڑکی اس کی بیوی ہے''۔

''لائبہ!'' لیل ماہ حلق کے بل چیخی۔

''پلیز...... آپ جائیے ہماری آپس میں کچھ لڑائی ہوگئی تھی''۔ لائبہ یقین دلانے لگی جبکہ شہران خاموشی سے سب دیکھ رہا تھا۔

''لڑکی! ضرور کوئی گڑبڑ ہے' مجھے بے وقوف بناتی ہو''۔

''سنبھال کے مسٹر! جب میں کہہ رہی ہوں تو یقین نہیں' اگر آپ کو کچھ کھانے کا موقع نہیں مل رہا ہے تو بولیے''۔ لائبہ نے صاف طنز کیا۔

''لیل ماہ! کیا تماشا بنایا ہے تم نے؟''

''تماشا تم دونوں نے بنایا ہے' دفع ہو جاؤ تم بھی''۔ بس آتے ہی وہ اسے کیے بغیر سوار ہوگئی۔

سارے راستے دل اس کا اتنا ملول ہو رہا تھا' چہرہ بھی ست گیا تھا مگر گھر میں داخل ہونے سے پہلے خود کو نارمل بھی کرنا تھا' وہ جلدی جلدی گلی میں داخل ہوئی' شہران کو کونے پر اپنی کیب سے ٹیک لگائے دیکھ کر وہ اچھل گئی۔

''ابھی جو تم نے تماشا کیا تھا یاد رکھنا یہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا' تمہارے والد صاحب تک یہ خبر بھی پہنچنے والی ہے''۔

''مجھے دھمکی دیتے ہو''۔ وہ دانت پیسنے لگی۔

''میں دھمکی نہیں دیتا عمل کرتا ہوں' چاہے انجام کچھ بھی ہو''۔

''تم بے حس' بدتمیز' اجڈ اور جنگلی انسان ہو''۔

''محترمہ! زبان سنبھال لو ورنہ گالیاں دینا مجھے بھی آتی ہیں' تمہارے گھر کے سامنے تمہارا ہاتھ پکڑ کے دکھا سکتا ہوں''۔ شہران نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ لیل ماہ کی تو سٹی گم ہوگئی' اگر کوئی بھی اپنے گھر سے نکل آیا تو کتنی سبکی ہوگی۔

''کیا کر رہے ہو' چھوڑو''۔ اس کی آواز کانپنے کے ساتھ لرزنے لگی۔

''کیوں کیا ہوا' ڈر گئیں''۔ وہ مسکرایا۔

''ہر شریف آدمی تم جیسے لوگوں سے ڈرتا ہے''۔ اپنی کلائی چھڑائی اور آگے چلنے لگی' شہران نے بازو سے پکڑ لیا۔

''تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟'' اسے تو لیل ماہ کے نخرے آگ لگانے لگے۔

''کیا بدتمیزی ہے' کیوں بار بار مجھے ہاتھ لگاتے ہو''۔

''اس طرح کا مجھے نہ کوئی شوق ہے اور نہ ہی میں سوچتا ہوں' ہاتھ لگانے کے لئے حقوق پہلے لوں گا''۔ وہ اتنا ہی بے باک بھی تھا۔ لیل ماہ جھینپ کے رہ گئی' اس کے منہ لگ کے اپنی شامت نہیں بلانا چاہتی تھی خاموشی سے چلی گئی۔ لائبہ پر الگ غصہ آ رہا تھا پتہ نہیں اس پولیس والے نے کیسے چھوڑا ہوگا جو یہ اِدھر نظر بھی آ رہا تھا۔

''شہران احمد! مجھے تم سے شدید نفرت ہے' اللہ کرے تم مر جاؤ''۔ وہ کبھی کسی کو بددعائیں دیتی تھی مگر آج دل بہت پریشان تھا۔ اپنی عزت' اس گھر کی عزت کی اسے بہت فکر تھی۔

☆

آفس تو وہ گئی ہی نہیں تھی کیونکہ آج زویا سے ملنا تھا' ابھی تک بھی تفصیلی طور پر ملاقات نہیں ہوئی تھی' فون پر بات چیت ہو جاتی تھی۔

''مجھے لگتا ہے تیرے حمدان کو دیکھنے آنا پڑے گا''۔ زویا نے مسکرا کے معنی خیزی سے اسے چھیڑا۔

''بہت مغرور انسان ہے زویا! وہ بات بھی ایسا لگتا ہے احسان کر کے کر رہا ہے''۔

''تو منہ کیوں لگاتی ہے' کیا ضرورت تھی اس کے عشق میں گرفتار ہونے کی''۔

''عشق اور محبت کبھی سوچ سمجھ کے تو نہیں ہوتے''۔ جوس کے وہ سپ لے رہی تھی۔

''ہوں...... یہ بھی ہے''۔ اس نے تائید کی۔

''تیمور تو مجھے نہیں لگتا تجھے اس کے پاس ٹکنے دے''۔

''مجھے صرف تیمور سے ہی ڈر ہے اور ڈیڈی نے اگر تیمور سے میرا رشتہ کر دیا تو میں تو مر جاؤں گی''۔ وہ فکرمند تھی۔

''انکل تمہاری پسند کو اہمیت دینگے یا اپنے بھتیجے کو''۔ وہ اس کے اداس ہوتے پر گویا ہوئی۔

''ڈیڈی مجھے پتہ ہے چچی جان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ جائیں گے' وہ اپنے بھائی کی محبت میں مجھے قربان کر دیں گے''۔

''اریشماء! تم انکل کی اکلوتی اولاد ہو' تمہیں اپنے حق اور پسند کا پورا اختیار ہے''۔ زویا کو سن کے اور زیادہ اس کی فکر ہوئی کیونکہ اریشماء سنجیدہ مزاج کی تھی۔

''زویا! میں حق تو جب ہی استعمال کروں جب مجھے حمدان بھی تو رسپانس دے' وہ تو اتنا روکھا اور بے نیاز ہے' کیسے میں اسے راضی کروں''۔ وہ بےزاری ہوگئی۔

''تم حمدان سے بات کرو''۔

''بالکل نہیں...... میں اور اس سے بات...... زویا! تمہیں نہیں پتا کتنا وہ غصہ میں رہتا ہے' کام کی بات کے علاوہ دوسری باتیں کرنا پسند نہیں کرتا''۔

''ہوں...... پھر بھی اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تم اس میں دلچسپی رکھتی ہو''۔ اریشماء کے سنجیدہ چہرے کو دیکھنے لگی جو

حمدان کی شخصیت کے سحر میں اتنی کھو گئی تھی‘ اس سے لگتا تھا دستبردار کبھی نہیں ہوگی۔

’’مجھے تو خود بھی اندازہ نہیں تھا میں حمدان کی شخصیت میں ڈوب جاؤں گی۔ زویا! وہ سب سے الگ ہے‘ اس کی نگاہوں میں اس کی باتوں میں احترام ہے‘ مجھے اس کے قریب ہونے پر بھی کبھی ڈر نہیں لگا مگر تیمور کو دیکھ کر مجھے خوف آتا ہے‘‘۔

’’کتنی بار حمدان کے قریب گئی ہو‘‘۔ زویا کے لہجے میں معنی خیزی اور شرارت تھی۔

’’فضول مت بولو‘‘۔ وہ جھینپ گئی۔

’’تم ہی تو کہہ رہی ہو مجھے اس کے قریب ہونے پر کبھی ڈر نہیں لگا‘ چلو اچھا ہے مستقبل میں بھی ڈر نہیں لگے گا‘‘۔

زویا کو چھیڑنے کا موقع ملا‘ اریشماء نے چتون تیکھے کیے اور اسے گھورا جو مسکرا رہی تھی۔

’’بہت بدتمیز ہو تم‘‘۔

’’اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے‘ ایک دن محبت تو قریب آئے گی‘ بولو تمہیں خوشی نہیں ہوگی‘‘۔ زویا نے پھر مسکرا کے چھیڑا۔

’’اتنا مشکل شخص ہے وہ‘ پتہ نہیں محبت اور عشق کو سمجھتا بھی ہے یا نہیں‘‘۔ اریشماء کو یہی بات اور افسردہ اور غمگین کرتی تھی۔

’’کہتے ہیں سنجیدہ آدمی کو جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ پھر پیچھے نہیں ہٹتا ہے‘ بس کیوپڈ کا انتظار ہوتا ہے کب اثر کرتا ہے‘‘۔ وہ اپنا تجربہ ایسے بتانے لگی جیسے بہت کچھ سنجیدہ لوگوں کے بارے میں معلومات جمع کر رکھی ہو۔

’’تم دیکھنا ایک دن تمہارے عشق میں مبتلا ہو جائے گا‘‘۔

’’اچھا اچھا بس کرو‘ بہت ہو گیا‘‘۔ اریشماء نے موضوع بدلا۔

’’کیوں تو نہیں چاہتی کہ وہ تجھ سے عشق کرے‘‘؟

’’زویا! بس کرو‘ تم نے ابھی حمدان کو دیکھا نہیں ہے اور مجھے لگتا بھی نہیں کہ وہ ایسے مرض میں مبتلا ہو‘‘۔ وہ جھٹ اس کی نفی کرنے لگی۔

’’خیر یہ تو جذبوں پر ڈپینڈ کرتا ہے تمہارے پاس محبت و پیار ہے‘ اس کے پاس بے نیازی اور سرد مہری ہے مگر کب تک؟ ایک دن تو تمہیں مان ہی جائے گا‘‘۔ وہ اسے تسلی دینے کے ساتھ ہمت بھی بندھانے لگی کہ وہ پیچھے نہیں ہٹے۔

’’کسی دن بھی دیکھنے آؤں گی حمدان احمد کو کہ کیسا ہے؟‘‘ زویا کو اسے دیکھنے کا اشتیاق بھی ہو رہا تھا کیونکہ اریشماء نے ذکر ہی اتنا کیا تھا۔

’’نارمل انسان ہے‘‘۔

’’میں تو مان ہی نہیں سکتی کہ وہ نارمل انسان ہے‘‘۔ زویا کو آج اسے تنگ کرنے میں بہت مزہ آ رہا تھا۔

’’تم کہنا کیا چاہتی ہو؟‘‘ اس نے چتون تیکھے کیے‘ زویا ہنسنے لگی۔

’’ارے میں تو پوچھ رہی ہوں ہے کیسا؟ یقیناً ہینڈسم تو ہوگا ہی‘‘۔

’’ہوں...... کچھ ایسا ہی ہے مگر ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہے‘ جہاں ہنسنا چاہیے وہاں بھی نہیں ہنستا‘‘۔ ٹرے اریشماء نے کھسکائی‘ اسی وقت سیل کی بیپ ہوئی‘ چونک گئی۔

’’اوہ...... حمدان کی کال ہے‘‘۔ اشارہ کر کے کان سے سیل لگا لیا‘ زویا بغور دیکھنے اور سننے لگی۔

’’آپ ہیں کہاں؟ صبح سے پورے آفس میں تیمور نے ہنگامہ کیا ہوا ہے‘‘۔ وہ چھوٹتے ہی خاصا برہم ہو رہا تھا۔

’’میں نے آپ کو بتایا تو تھا مجھے اپنی فرینڈ کے ہاں جانا ہے‘‘۔ اریشماء نے زویا کو پیچھے کیا جو سیل سے کان لگا کے بیٹھ گئی کہ کیا بول رہا ہے۔

’’جو بھی ہے آپ ابھی آفس آئیے ورنہ میں آفس چھوڑ کے چلا جاؤں گا‘‘۔ یہ کہہ کر کال ڈسکنیکٹ ہو گئی۔

’’مجھے جانا ہوگا وہ تیمور لگ رہا ہے کچھ گڑبڑ مچا رہا ہے‘‘۔ وہ فوراً ہی الرٹ ہو کر کھڑی ہو گئی۔

’’تو اتنی ڈر ڈر کے بات کیوں کر رہی تھی‘‘۔

’’تجھے نہیں پتہ محتاط ہو کر بات کرنی پڑتی ہے‘‘۔ وہ بیگ اٹھا کر کمرے سے نکلنے لگی۔ زویا بھی اس کی تقلید میں نکلی۔

’’سن جلدی دوسرا چکر بھی لگا لینا‘‘۔

’’اب تم آنا‘‘۔ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ ہلا کے رخصت ہو گئی تھیں۔ تیمور کی بھی کال اس کے سیل پر آ رہی تھی مگر اسے غصہ آ رہا تھا تیمور کیوں اتنا عمل دخل اس کے آفس میں دکھاتا ہے۔



’’امی! آپ کب جائیں گی بھائی کا پرپوزل لے کے؟‘‘ وہ کچن کی چوکھٹ پر دونوں ہاتھ جمائے کھڑا ہوا تھا۔

’’ذیشان نے منع کیا ہے کہ کوئی پرپوزل نہیں جائے گا‘‘۔ انہوں نے پتیلی کا ڈھکن لگایا اور اس کا ہاتھ ہٹا کے کچن سے نکل گئیں۔

’’ایسے کیسے نہیں جائے گا پرپوزل‘ پھر میں خود لے جاؤں گا‘‘۔ اسے تو جیسے ضد سوار ہو گئی تھی۔

’’شہران! کیوں اس عمر میں میرے سر پر خاک ڈلوائے گا‘‘۔ وہ تو اس پر برسنے لگیں۔

’’کیا برائی ہے جو آپ پرپوزل لے جانے سے منع کر رہی ہیں؟‘‘

’’ذیشان کی مرضی نہیں تو کیوں لے کے جاؤں؟ آرام سے بیٹھ زیادہ فضول کی باتوں میں مت پڑ‘‘۔

’’ٹھیک ہے پھر مجھے ہی کرنا ہے‘‘۔

’’تم ہوش میں تو ہو‘‘۔ ذیشان یونیورسٹی سے آ کر اپنے کپڑے چینج کر رہا تھا اس کی آواز کانوں میں پڑی تو کمرے سے باہر آیا۔

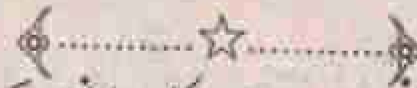
’’شہران! میں نے تمہیں کتنا سمجھایا ہے تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا‘ مجھے شادی وادی کچھ نہیں کرنی اور اس گھر میں تو بالکل نہیں‘‘۔

’’مت کیجیے‘ پھر میرا پرپوزل لے کر جائیں گی اسد مرزا کی بیٹی کیلئے‘‘۔ اسے تو دھماکے کرنے کی عادت تھی‘ ہر مشکل بات کو وہ کتنی آسانی سے کہہ دیتا تھا۔ ذیشان تو متحیر سا ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھنے لگا جس کے چہرے پر تناؤ کے ساتھ اطمینان بھی تھا۔ حمیرا بیگم نے اپنا سر تاسف سے پیٹ لیا۔

’’کمانے کے نہ دھمانے کے‘ شادی کروا دو اس کی‘‘۔

''امی! میں کماتا بھی ہوں اور ٹھیک ٹھاک''۔ وہ برامان کے گویا ہوا۔
''آرام سے بیٹھو' زیادہ فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ ذیشان نے اسے نرم سے لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی تاکہ وہ دوبارہ بھڑک نہ اٹھے۔
''میں آرام سے تو بالکل بیٹھوں گا ہی نہیں''۔ وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھا۔ ذیشان کے دل پر تو گھونسے پڑے۔ حرما کے لئے شہران نے کیسے کہہ دیا۔
''شہران! تم بات کو تو سمجھو' کیوں ضد باندھ رہے ہو' تم جانتے ہو کسی صورت بھی وہ اپنی کسی بھی بیٹی کا رشتہ ہمارے گھر میں نہیں کریں گے''۔
''اس کی اتنی موٹی عقل ہے' بات کو سمجھ ہی نہیں رہا ہے''۔ حمیرا بیگم تو اس کے لڑنے مرنے اور ہر ایک سے جھگڑا مول لینے کی عادت سے بہت نالاں تھیں۔ ضدی طبیعت کا وہ بچپن سے ہی تھا' کچھ گھر کے حالات نے اسے خودسر اور بدتمیز بنا دیا تھا' کسی کا لحاظ اس نے جیسے کرنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ جبکہ ذیشان اتنا ہی سنجیدہ اور ٹھنڈے مزاج کا تھا' ہر بات کو تہہ تک جا کے سوچتا تھا' اس میں ضد اور غصہ بھی نہیں تھا' گھر میں بڑا بن کے ہی رہ رہا تھا۔
''میں نے آپ کو کہہ دیا ہے اگر پرپوزل آپ لے کے جا رہی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں خود ہی کافی ہوں''۔
''شہران!'' ذیشان دھاڑا۔
''بھائی! آپ مجھے جانتے ہیں ضد پر سے میں ہٹا نہیں کرتا' جو ٹھان لیا تو ہو گا کیونکہ ہم بھی گرے پڑے تو ہیں نہیں جو انہوں نے ہماری عزت دو کوڑی کی بنا کے رکھی ہوئی ہے' انہیں بھی تو پتہ چلے گا کیسا لگتا ہے جب ان کی بیٹی یہاں ہو گی''۔
''حد ہوتی ہے بے حسی کی''۔ وہ بے زار ہو گیا تھا۔
''بے حسی ان میں ہے ہم میں نہیں''۔ وہ صوفے پر لمبی ٹانگیں کر کے بیٹھا۔
''شہران! میرے بھائی تم یہ بھی تو سوچو ان کی بیٹیوں کے لئے مسئلہ ہو گا' وہ ان پر شک کریں گے' ان کے گھر میں ہماری وجہ سے ہنگامہ ہو گا' وہ دونوں بہنیں بہت الگ مزاج کی ہیں معصوم سی' میں نہیں چاہتا کہ وہ اپنے گھر والوں کی نظروں میں گریں''۔ ذیشان نے اسے نئے سرے سے سمجھانا شروع کیا' بات کو سامنے رکھ کر شاید اس کی الٹی کھوپڑی میں آ جائے۔
''آپ یہ بتایئے پسند کرنا گناہ ہے؟''
''یہ میں نے کب کہا پسند کرنا گناہ ہے مگر حالات و واقعات کو دیکھ کر ہی قدم اٹھانا چاہیے۔ میرا پرپوزل اگر چلا بھی گیا تو وہ ایکسیپٹ تو کریں گے نہیں اُلٹا اپنی دونوں بیٹیوں کو گھر بٹھا لیں گے' انہیں غلط سمجھیں گے''۔
''یہی تو میں چاہتا ہوں انہیں بھی احساس ہو کہ ان کے گھر میں بھی کیا کچھ چل رہا ہے' وہ بہت عزت دار اور شریف بن کے گھومتے ہیں ناں''۔ اس پر تو بس ضد سوار تھی۔
''ان معصوموں کا کیا قصور ہے جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ میں نے ان کی بیٹی پر اپنی پسند ظاہر کی ہو یا اس نے کی ہو' کیوں بے چاریوں کو بدنام کروا رہے ہو''۔ ذیشان نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔
''میں بدنام نہیں کروا رہا ہوں' بس رشتہ ہی تو بھیج رہا ہوں''۔

''میں نے کیا کہا مجھے شادی ہی نہیں کرنی ہے''۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر قطعیت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔
''مگر مجھے کرنی ہے شادی''۔
''تمہیں کرنی ہے تو کہیں اور بولو' وہاں امی رشتہ لے کے جائیں گی' یہ لائبہ کیسی ہے؟'' وہ اسے کسی طرح بھی بہلا کے باتوں میں لینا چاہ رہا تھا۔
''لائبہ...... کیا ہو گیا ہے بھائی! میں نے اسے ہمیشہ اس نظر سے کبھی نہیں دیکھا' وہ شیبا اور بسمہ کی طرح ہے میرے لئے''۔ وہ بیٹھے سے کھڑا ہو گیا۔
''پھر حنا''۔
''پلیز بھائی! یہ آپ کیا مجھے بچہ سمجھ کے بہلا رہے ہیں' میں نے جب کہہ دیا تو کہہ دیا' آپ کی شادی ہو گی اس گھر کی بیٹی سے یا پھر میری''۔ وہ یہ کہہ کر رکا نہیں دھپ دھپ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔
''بہت مشکل ہے اسے سمجھانا''۔ حمیرا بیگم کا تو بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا۔ وہ تو گھر میں محمد احمد نہیں تھے وہ بھی اگر شہران کے ساتھ شروع ہو جاتے تو بات مزید بگڑ ہی جاتی۔
''یہ تو بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے''۔ وہ تذبذب کا شکار تھا' حرما بھی یونیورسٹی نہیں آ رہی تھی پھر لیل ماہ کا رویہ بھی وہ اپنے ساتھ دیکھ چکا تھا' وہ اس سے بات کرنا تو درکنار دیکھنے تک کی روادار نہیں تھی۔
آخر بات کیا ہوئی تھی اس سے کہاں غلطی ہوئی تھی کہ وہ اس سے بدظن' کھنچی کھنچی اور کڑوی لگ رہی تھی۔ شہران کی ضد نے الگ ذہن ماؤف کر دیا تھا۔ اسے علم تھا اسد مرزا اپنی عزت کے لئے تو کبھی بھی رشتہ نہیں کریں گے بلکہ بے عزت ہی کریں گے۔



دوسرے دن وہ خاصا جھنجھلایا ہوا تھا۔ آفس جانے کا بالکل دل نہیں کر رہا تھا' پورا دن تیمور سے اس کی جملے بازی چلتی رہی تھی' اوپر سے روحیل سکندر بھی آفس نہیں آئے تھے' مجبوراً اسے اریشماء کو کال کرنی پڑی حالانکہ وہ کرنا نہیں چاہ رہا تھا مگر تیمور کی باتیں حد سے زیادہ گراں گزرنے لگیں تو اس نے مجبوراً یہ سب کیا۔
وہ جیسے ہی سیدھا ہوا عدین کو کھڑے دیکھا' وہ گڑبڑا بھی گیا' ہاتھ اپنا فوراً پیچھے کر لیا۔
''کیا ہوا ہے تم ادھر کیوں کھڑے ہو؟'' حمدان کو حیرانگی بھی ہوئی' اٹھ کر بیٹھا' عدین نے فوراً دوسرے ہاتھ سے سیل پینٹ کی پیچھے کی پاکٹ میں رکھ لیا۔
''وہ مجھے امی نے بھیجا تھا' آپ اٹھے نہیں آج آفس وغیرہ نہیں جانا''۔ اس نے شوخی سے مسکرا کے اسے دیکھا۔
''ہوں موڈ نہیں ہو رہا ہے''۔ وہ پھر بھی بیڈ سے اٹھا۔
عدین بھی مڑا کیونکہ اسے قوی امید تھی حمدان اپنا سیل ضرور تلاش کرے گا اور عدین کو آج ہی تو موقع ملا تھا اس کا سیل اٹھانے کا' کب سے موقع کی تلاش میں تھا کہ اریشماء کا نمبر کسی طرح بھی لے لے۔
حمدان سائیڈ ٹیبل پر سیل تلاش کرنے لگا وہ فوراً نکل گیا۔ ڈرائنگ روم میں جا کر فون بک نکال کے اریشماء کا نمبر نکالا۔ شکر تھا اسی نام سے سیو تھا' جھٹ اپنے سیل میں نمبر سیو کیا اور سیل مصباح کے ہاتھ میں تھما دیا۔
''یہ مجھے کیوں دے رہے ہو؟'' وہ اس کیلئے ناشتہ تیار کر کے کچن سے ٹرے لے کر آئی تھی۔
''اس لئے کہ اگر ان کے کمرے میں رکھنے گیا تو میں پکڑا جاؤں گا' تم بولنا کہ آپ کا سیل ڈرائنگ روم میں پڑا تھا''۔ وہ ٹرے لے کے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"ارے حمدان نہیں اٹھ رہا"۔ امی واش روم سے نکلی تھیں۔

"مصباح! میرا سیل دیکھا ہے"۔ حمدان ملگجے سے اسکائی بلیو قمیض شلوار میں ملبوس پریشان حال چلا آیا۔

"وہ بھائی جان! یہ رہا' ڈرائنگ روم میں صوفے پر پڑا تھا"۔ مصباح کو جھوٹ بولتے ہوئے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ عدین ناشتہ کرنے میں خود کو منہمک ظاہر کر رہا تھا۔

وہ عموماً نو بجے یونیورسٹی کے لئے نکل جاتا تھا۔ حمدان اس سے بھی پہلے آفس جاتا تھا مگر آج دونوں صبح کے ٹائم کافی عرصے کے بعد یوں آمنے سامنے تھے۔

"حمدان! کیا بات ہے بیٹا آفس نہیں جانا؟" امی کو تشویش بھی ہوئی۔ کل رات بھی وہ آفس سے خاصی دیر سے آیا تھا۔

"امی! آج بہت تھکن ہو رہی ہے دل نہیں کر رہا"۔ اس نے اپنی گردن کو ایکسر سائز کی طرح ادھر ادھر گھمایا۔ عدین فوراً ہی نکل گیا' آج اس نے اریشماء کا نمبر حاصل کر لیا تھا' وہ بہت خوش تھا۔

حمدان ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا۔

"تم فون کر دو کہ نہیں آ سکتے"۔ امی کو پتہ تھا اریشماء کو اس کی غیر حاضری ذرا بھی برداشت نہیں ہو گی' وہ یا تو فون کرتی رہے گی یا پھر خبر لینے گھر آ جائے گی۔

"ہوں کر دوں گا"۔ اس نے انہیں تو مطمئن کر دیا مگر اس کا ارادہ نہیں تھا آج کوئی بھی فون کرنے کا۔ اسے اریشماء پر بھی غصہ تھا' ساری ذمہ داری ڈال کے خود اتنے آرام سے ہو گئی تھی اور تیمور کو فیس کرنے کے لئے اسے چھوڑ دیا تھا۔

سیل کی بیپ ہوئی اس نے دیکھا اریشماء کی کال تھی۔ ریسیو ہی نہیں کی بلکہ سیل سائلنٹ پر کر دیا ورنہ امی اور مصباح بولتی رہتیں کہ فون ریسیو کیوں نہیں کر رہے ہو۔

ناشتہ وغیرہ کر کے وہ فریش ہو کر نکل گیا۔ بہت دنوں سے خود کو آفس اور گھر میں مقید کر لیا تھا' آج اس کا رخ اپنے آفس کی طرف ہو گیا جہاں وہ اور ابو مل کر ایک ساتھ آتے جاتے تھے۔ کتنا شوق تھا اسے اپنا نیا آفس ڈیزائن کرنے کا مگر قدرت نے موقع ہی نہیں دیا اور سب کچھ پانی کی طرح بہتا رہا۔ حمدان کو آج تک یہ نہیں پتہ چل سکا ان کا لاکھوں کا بزنس کیسے ڈوب گیا۔ ابو اپنی بیماری میں ایسے الجھے اور انہوں نے بھی کبھی حمدان کو یہ بتانے کی کوشش ہی نہیں کی کہ ان کے ساتھ کیا کرائسس تھے۔ کتنے آرام اور عیش کے دن تھے' اسے دس سال پہلے کی زندگی یاد آ گئی' کوئی فکر اور پریشانی نہیں تھی' کبھی ابو نے کمی ہی کسی چیز کی نہیں ہونے دی تھی۔

کب سے وہ عمارت کے باہر کھڑا تھا گاڑیوں کا شوروم چمچما رہا تھا۔ کل تک سب کچھ ان کا تھا اور آج سب کچھ پرایا تھا' کل تک وہ اس عمارت کے اندر کس شان سے آتا تھا اور ابو نے بھی اسے آرکیٹیکچر کی تعلیم دلوائی تھی کیونکہ اس کا انٹرسٹ ہی اس میں تھا۔ گاڑیوں کے شوروم کا ابو کو شوق تھا مگر اس نے سوچا ہوا تھا اپنا آفس خود ڈیزائن کرے گا۔

بائیک سائیڈ پر کھڑی کیے ہیلمٹ ہاتھ میں لئے کب سے خیالوں میں گم تھا۔ سیل کی وائبریٹ پر اس نے سیل پاکٹ سے نکالا' اریشماء کی کال تھی اس نے کاٹ دی کیونکہ کل کا بدلہ بھی تو لینا تھا' آج نہیں گیا تو اسے پریشانی لاحق ہو گی کہ کہیں آفس تو نہیں چھوڑ دیا۔

بائیک اس نے اسٹارٹ کی اور بے سمت مسافر کی طرح دوڑانے لگا' جیسے اپنی منزل کی کچھ خبر نہ ہو۔ آج ابو اتنی شدت سے یاد آ رہے تھے' دل میں اداسی اور کبیدگی بڑھ گئی تھی۔ گھر کے حالات جب سے اس نے جاب شروع کی تھی بہتر ہو گئے تھے مگر وہ کچھ پہلے جیسے تو نہ تھے۔ اسے مصباح کی شادی کی بھی فکر تھی' چاہتا تھا جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جائے مگر اس کی اکلوتی بہن کیلئے اس کے پاس تو ابھی تک اتنا بھی جمع نہیں ہوا تھا کہ اپنی بہن کو شہزادیوں کی طرح رخصت کرتا۔

اریشماء کی 25 کے قریب کال آ چکی تھیں' اس نے سیل کو پھر دیکھا ہی نہیں تھا۔ مغرب کے وقت وہ گھر پہنچا تو حیرت زدہ رہ گیا' وہ گھر میں موجود تھی۔ پنک پرنٹڈ جارجٹ کے کھلے پائنچوں کا ٹراؤزر اور دوپٹہ' پنک پلین کالر کی شرٹ میں اپنے شولڈر کٹ بالوں کو کیچر میں مقید کیے ڈرائنگ روم میں موجود تھی۔

حمدان نے سر کے اشارے سے سلام کیا۔ اریشماء تو جیسے بھری بیٹھی تھی۔

"کیوں میری کال پک نہیں کی؟" وہ اس پر چڑھ دوڑی' امی اور مصباح مسکرانے لگیں۔

"بزی تھا"۔ اسے ان دونوں کے سامنے اریشماء کا کھلا انداز گراں گزرا۔

"سیل کس لئے ہے' بزی تھے آپ بتا تو سکتے تھے"۔

"میں مناسب نہیں سمجھتا"۔ نروٹھے پن اور بدلحاظی کی حد کر دیتا تھا۔

"کیوں مناسب نہیں سمجھتے' سارا کام آپ کے ہاتھ میں ہے وہ کون بتاتا"۔ امی اور مصباح دونوں کو بات کرنے کا موقع دے کر نکل گئیں۔

"آپ کل مصروف تھیں' میں نے ایسا کچھ کہا کہ میں آفس نہیں سنبھال سکتا آپ آ کر سنبھالیں' آج میرا موڈ نہیں تھا"۔ وہ پوری ناراضگی دکھا رہا تھا۔

"آپ کو اتنا غصہ کس بات پر ہے؟"

"مجھے غصہ نہیں ہے مگر میں تیمور کی موجودگی میں کوئی کام نہیں کر سکتا"۔ حمدان نے اصل وجہ سے آگاہ کیا۔

"تیمور کی عادت ہے' آپ سے میں کتنی بار کہہ چکی ہوں اس کی بکواس پر اتنا اثر مت لیا کریں"۔ وہ اس کے سامنے آ گئی جو نگاہ دوسری سمت کیے اپنے چہرے پر تناؤ لئے بات کر رہا تھا۔

"وہ آپ کا کزن جو کچھ کر رہا ہے میں سب برداشت نہیں کر سکتا"۔

"میں کون سا برداشت کرنا چاہتی ہوں' صرف ڈیڈی کی وجہ سے چپ ہوں"۔ وہ بھی اپنی مجبوری بتانے لگی۔

"اینی ویز جو بھی ہے اگر آپ وہاں موجود ہوا کریں تو میں کام کروں گا ورنہ نہیں"۔

مصباح اور امی اندر دونوں کو باتیں کرتے ہوئے سن اور دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے اپنی فرینڈ سے ضروری ملنا تھا"۔

"ملنا ملانا آپ رات میں رکھا کریں' جو آفس کا ٹائم ہے وہاں موجود رہا کریں"۔ اس کے لہجے میں درشتی اور اکڑ بھی تھی۔ اریشماء حیرانی سے اسے دیکھے گئی جو اپنے رویہ میں ذرا بھی لچک نہیں رکھتا تھا' اول روز سے سب سے ناراض تھا۔

"یعنی آپ کو میری عادت ہو گئی ہے"۔ وہ مسکرا کے اسے چھیڑنے لگی۔

"جی نہیں ایسا کچھ نہیں ہے' میرا مطلب صرف یہی ہے کہ وہاں رہ کر آپ کو بھی پتہ چلے کہ آپ کا کزن کیا کرتا پھر رہا ہے"۔ وہ ذرا بھی اریشماء کو خوش فہمی میں رکھنا نہیں چاہتا تھا' وہ سمجھتا تھا اریشماء اس میں

دلچسپی لیتی ہے۔

''میں سب جانتی ہوں''۔ وہ خجل ہوگئی۔

''ایک بات کہوں اگر اجازت ہو تو؟'' حمدان اس کی نرم اور مہین سی آواز پر اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''پلیز آئندہ یوں بغیر انفارم کیے غیر حاضر مت ہوئیے گا کیونکہ میں بہت پریشان ہو جاتی ہوں''۔ حمدان نے لب بھینچ کے سر ہلایا' اسی وقت ڈور بیل ہوئی جو اس نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔

''اوہو آج آپ بھی موجود ہیں''۔ عدین ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا ہوا داخل ہوا۔ اریشماء نے مسکرا کے اسے دیکھا' حمدان صوفے پر بیٹھ گیا جبکہ وہ جانے کیلئے تیاری کرنے لگی۔

''اور سنایئے کیسا چل رہا ہے آپ کا آفس''۔

''آفس تو وہیں کھڑا ہے البتہ میں اب چلتی ہوں''۔ وہ بیگ شولڈر سے لٹکا کے کھڑی ہوئی۔

حمدان نے اسے یوں اچانک سے اٹھنے پر فہمائشی نگاہوں سے دیکھا۔ خود سے روک کے اسے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''کہاں...... بیٹھئے آپ کیا صرف بھائی جان سے ملنے آتی ہیں''۔

''نن نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں''۔ اریشماء نے جھینپ کے حمدان پر نگاہ ڈالی وہ بھی اسی کی جانب متوجہ تھا۔

''پھر چپ کر کے بیٹھئے' کھانا کھائے بغیر یہاں سے ہلنے تک نہیں دوں گا آپ کو''۔ عدین نے اس کا بیگ لیا اور اندر لے کر رکھ دیا' وہ بولنا چاہتی تھی مگر آواز نے ساتھ نہیں دیا۔

''عدین اچھا نہیں لگتا ہے میں ہر دفعہ کھا کر ہی جاتی ہوں''۔ وہ شرمندگی اور جھجک سے گویا ہوئی۔

''ہاں روز آتی رہتی ہیں ناں آپ جو کھا کر جاتی ہیں''۔ اسے اریشماء کی مبالغہ آرائی پر اعتراض ہوا۔

مصباح اور امی کے سامنے بھی اس کی ایک نہیں چلی۔ حمدان کھانا کھا کر اپنے روم میں چلا گیا' وہ جانے کب تک رہی اسے خبر نہیں ہوئی۔

''سچ کہہ رہی ہیں ناں آپ کو میں کال یا میسج کروں اعتراض تو نہیں ہوگا''۔ وہ اسے آج نیچے تک چھوڑنے آیا تھا' حمدان اپنے روم سے نکلا ہی نہیں تھا۔

''ارے لڑکے! سچ کہہ رہی ہوں نہیں ہوگا''۔ اسے شوخ سا عدین اس پر اس کا خلوص محبت اور متاثر کر گیا۔

''پھر آج سے ہم دونوں بہن بھائی''۔ اریشماء نے ہی خوش ہو کر کہا۔

''صرف آپ اور میں' بھائی جان کو اس صف میں شامل تو نہیں کیا؟'' مسکرا کے معنی خیزی سے گویا ہوا۔ اریشماء گاڑی کا پیچھے کا ڈور کھول کے بیٹھ رہی تھی جھینپ سی گئی۔

''میں صرف تمہاری اور اپنی بات کر رہی ہوں' تمہارے بھائی کی نہیں''۔ وہ اس کی گہری بات سمجھ گئی تھی۔

''او کے اللہ حافظ''۔ اس نے ہاتھ ہلایا۔ اسی وقت حمدان کو عدین کی پشت پر دیکھ کر حیران ہوئی۔

ڈرائیور کو دیکھ کے حمدان کی تسلی ہوگئی تھی ورنہ وہ سمجھا تھا شاید پھر خود گاڑی ڈرائیو کر کے آئی ہے۔

''خیریت بھائی؟'' عدین کو اسے چھیڑنے میں مزہ بھی آتا تھا۔

''ہاں خیریت ہے' وہ مجھے یہ کہنا تھا......'' وہ قدرے توقف کے لئے رکا کیونکہ عدین نے آنکھیں جو اس پر ٹکائیں ہوئی تھیں۔ اریشماء کو اس لمحے ہنسی آ گئی کیونکہ حمدان حواس باختہ جو لگ رہا تھا۔

''اب بول بھی دیں''۔ عدین کو زیادہ بے چینی تھی۔

''آئندہ اتنی رات کو یوں تنہا نہیں نکلئے گا''۔ یہ کہہ کر وہ رکا نہیں مڑ گیا۔ اریشماء کی آنکھیں حیرت و انبساط سے پھیل گئیں یعنی اسے اتنی فکر تھی کہ اس کیلئے یوں نیچے اتر کے آیا تھا۔

اریشماء بھی جلدی سے عدین کو ہاتھ ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

آج پہلی بار اسے حمدان کی آنکھوں میں اپنے لئے اسے کچھ لگا تھا' اس کے لہجے میں بھی اپنائیت تھی' پورا راستہ وہ سوچتی رہی تھی۔ محبت تو یوں ہی ہوتی چلی جاتی ہے' یہ تو بے سمت چلتی ہے اور اسے پوری امید تھی حمدان کو بھی ایک دن اس سے محبت ہو ہی جائے گی' ساتھ رہ کے تو انسیت ہوتی ہے اور پھر وہ انسیت محبت میں کب بدلتی ہے۔

لب مسکرانے لگے تھے حمدان کی اتنی توجہ پر ہی اس کا دل دھڑک رہا تھا' اس کی نظر میں کچھ ایسا ہے جو سامنے والے کو مسمرائز کر دیتا ہے' یہ اریشماء نے پہلی ہی ملاقات میں اندازہ لگا لیا تھا۔



''لائبہ باجی! بھائی آج کل بہت ناراض رہتے ہیں' ہر وقت بھائی جان سے تو کبھی امی سے لڑتے رہتے ہیں''۔ بسمہ نے اسے معصومیت سے بتایا۔ لیل ماہ کے بھی کان کھڑے ہوگئے دو دن سے وہ ٹیوشن پڑھانے لائبہ کے ہاں آنے لگی تھی' وہ بھی زبردستی بڑی مشکل سے ورنہ تو اس دن سے وہ سخت ناراض تھی۔

''شہران بھائی کو ضرور دیر سے گھر آنے پر ڈانٹ پڑتی ہوگی''۔ لائبہ نے دیگر بچوں کو اشارے سے اپنے کاموں میں مصروف ہونے کو کہا جو بسمہ کی بات سننے لگے تھے۔

''پتہ نہیں' مجھے تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا ہے''۔

''تم زیادہ بڑوں کی باتوں پر دھیان مت دیا کرو''۔ لائبہ نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

لیل ماہ کی پرسوچ نگاہیں بسمہ پر تھیں' وہ ضرورت سے زیادہ ذہین بچی تھی حالانکہ اس کا دل نہیں کرتا تھا صرف شہران کی حرکتوں کی وجہ سے بسمہ سے بات بھی کرے مگر وہ بچی خود اتنی معصوم اور تمیز دار تھی لیل ماہ اسے اگنور نہیں کر سکی۔

''میں کب دھیان دیتی ہوں' بھائی بولتے ہی اتنی زور سے ہیں''۔

''تمہارے بھائی کا دماغ تو ٹھیک ہے جو اتنی زور سے بولتے ہیں''۔ لیل ماہ کو اس کا ذکر ناگوار گزرا۔

''لیل ماہ باجی! ایسے تو نہیں بولئے میرے اتنے اچھے بھائی کو''۔ وہ برا مان گئی۔ لیل ماہ خفیف سی ہوگئی۔ اس کے اتنے اچھے بھائی کو تو وہ جانتی تھی کتنا اچھا ہے' سر راہ لڑکیوں کو گھیر کے دھمکیاں دیتا ہے' وہ شہران سے بہت بدظن ہوگئی تھی۔

بسمہ پورا ٹائم اپنے بھائی کی باتیں کرتی رہتی تھی وہ سنتی رہتی تھی۔

محبت کے پھول کھلے ہی تھے کہ اسے نوچ ڈالا۔ شہران نے ایسا اپنا امیج خراب کر دیا تھا لیل ماہ کو دکھ و ملال گھیرے رہتا تھا۔ راتوں کو بے چین ہو کر بیٹھ جاتی' کبھی حرما کو دیکھتی تو اس پر بھی ترس آتا' ابھی تو ان دونوں کی محبت پروان نہیں چڑھی تھی کہ اسے اپنے قدم روکنے پڑ گئے۔

''میں نے کہا کہ تمہارے بھائی برے ہیں''۔ وہ جھٹ بولی۔

''آپ کو نہیں پتہ میرے دونوں بھائی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں''۔

''اچھا اب تم اپنا کام کرو' بہت باتیں کرتی ہو''۔ لیل ماہ نے اسے ٹوکا' وہ منہ بسور کے کام میں لگ گئی۔

''تم اتنی سیریس کیوں لیتی ہو ہر بات کو؟'' لائبہ نے اس کے کان میں سرگوشی میں کہا ورنہ سارے بچے پھر ان دونوں کی باتوں پر متوجہ ہو سکتے تھے۔

''مجھے اس انسان کا ذکر تک آگ لگاتا ہے جنگلی' وحشی' سمجھتا کیا ہے خود کو''۔ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

''اچھا بس پھر اپنا موڈ خراب کر لوگی''۔ لائبہ نے موضوع ہی بدلا۔

''حرما باجی کی ڈیٹ کب تک فکس ہوگی؟''

''شاید عید تک ہو جائے''۔ وہ بچوں پر نگاہ جمائے ہوئے تھی بسمہ کے کان ان دونوں کی باتوں پر بھی لگے تھے۔

''لیل ماہ باجی! آپ کی بڑی باجی کی شادی ہو رہی ہے''۔

''ہوں''۔ وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''آپ کی بڑی باجی کو میں نے بہت کم دیکھا ہے''۔ وہ اپنے شولڈر کٹ بالوں کو پیچھے کرنے لگی۔ لیل ماہ نے پھر ماتھے پر ناگواری کی لکیریں لئے نو سالہ بسمہ کو دیکھا جو بڑی دلچسپی سے اس سے مخاطب ہوتی تھی۔

''تم بولتی بہت ہو''۔ پھر ٹوکا۔

''باجی یہی تو پوچھا ہے آپ کی بڑی باجی کی شادی ہو رہی ہے''۔ وہ منہ بنانے لگی۔ لائبہ نے بسمہ کی پشت پر تھپکی دی کہ وہ اپنا کام کرے مگر وہ منہ بنا کے بیٹھ گئی۔

''ہمارے بھائی جان کی بھی شادی ہوگی''۔

''لائبہ! میں چلتی ہوں کل سے پلیز مجھے مت بلانا' سر میں درد ہونے لگا ہے''۔ لیل ماہ اپنا سرمئی پرنٹڈ آنچل سنبھال کے کھڑی ہوگئی۔

''لیل ماہ باجی! مجھے پتہ ہے میری وجہ سے بول رہی ہیں' میں جو اتنا بولتی ہوں''۔ بسمہ حد سے زیادہ ذہین بچی تھی' اسے بھی لوگوں کے چہرے پڑھنے آتے تھے جب ہی لیل ماہ کی ناگواری سمجھ گئی۔

''ارے ایسی بات نہیں ہے''۔ لیل ماہ جز بز ہوگئی' ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی رکھی۔

''یہی بات ہے آپ کو میرا بولنا برا لگتا ہے' میں اپنے بھائیوں کی باتیں کرتی ہوں وہ آپ کو بری لگتی ہیں''۔

''ارے بسمہ! کیا کہہ رہی ہو' سچ میں ایسا کچھ نہیں ہے''۔ لیل ماہ کو اپنے رویئے کی بدصورتی کا احساس ہو گیا کیونکہ بسمہ نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

''میں روز یونیورسٹی سے آ کر تھک جاتی ہوں' پھر مجھے پڑھانے کا ایسا شوق نہیں ہے اس لئے بول رہی تھی''۔ اس نے بسمہ کو یقین دلایا۔ اتنے میں حنا' لائبہ اور اس کیلئے چائے لے آئی تھی جو لیل ماہ کو پھر پینی پڑی۔

''آپ کی تو شکل تک دیکھنے کو نہیں ملتی''۔ حنا نے گویا شکوہ کیا۔

''پڑھائی پھر گھر کی مصروفیت کچھ کرنے نہیں دیتی' تم کون سا آتی ہو''۔ لیل ماہ نے الٹا شکوہ کیا۔

''میں تو پھر بھی آتی رہتی ہوں''۔ وہ چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گئی تھی۔

''پھپھو! آپ کو دادی جان بلا رہی ہیں' حرما پھپھو کی سسرال سے مہمان آئے ہیں''۔ دعا نے تفصیل بھی دی۔

''اوہ...... مجھے اب چلنا ہوگا''۔ چائے ختم کی اور کپ تپائی پر رکھ کر وہ آنچل برابر کرتی تیزی سے نکل گئی۔ گلی میں دیکھا وہ کونے پر کھڑا اپنی یلو کیب کو صاف کر رہا تھا۔ لیل ماہ نے نخوت سے منہ پھیر لیا۔ شہران کی گہری نگاہوں نے اس کا اس وقت تک جائزہ لیا جب تک گیٹ نہیں کھل گیا۔

''بدمعاش' آوارہ' نظر باز کہیں کا''۔ دل ہی دل میں اسے گالیاں دیتی رہی تھی' جب بھی نگاہ پڑتی لیل ماہ کا خون کھولنے لگتا تھا۔



''یہ آپ کر کیا رہی ہیں اتنی دیر سے؟ سب ڈیلیٹ کر دیا''۔ وہ اس پر برہم ہو رہا تھا جبکہ اریشماء کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ لائٹ سی گرین اے لائن شرٹ اور لیمن کلر ٹراؤزر پر پرنٹڈ میچنگ کا دوپٹہ شانوں پر ڈالے چیئر پر بیٹھی تھی اور وہ نیوی بلیو شرٹ پر گرے پینٹ میں ملبوس نہایت سوبر اور گریس فل سا حمدان غضبناک ہو رہا تھا۔

''وہ میں تو کلک کر رہی تھی''۔

''حد کرتی ہیں ساری محنت پر پانی پھیر دیا' اٹھئے یہاں سے''۔ اس لمحے وہ کوئی اکھڑ قسم کا باس لگ رہا تھا جو اپنی ایمپلائی پر خفا ہو رہا تھا۔

اریشماء اتنی تیزی سے اٹھی کہ اس کا پاؤں لڑکھڑایا اور وہ حمدان کے سینے سے جا لگی' اب تو اس کی حالت اور متغیر ہوگئی' دونوں ہاتھوں سے اسے تھاما تھا۔

''اف''۔ ہاتھ پکڑ کر سائیڈ پر کھڑا کر دیا۔ اریشماء کا تو سارا خون چہرے پر سمٹ کر آ گیا تھا۔ چیئر پر وہ دھڑ سے بیٹھا تھا۔ اریشماء کا آنچل اس کی بیک پر اٹک گیا' وہ کھینچنے لگی مگر ڈر اور جھجک کی وجہ سے منہ سے بول بھی نہیں رہی تھی۔

''اب کہاں تلاش کروں؟''

''پلیز...... دوپٹہ چھوڑیں گے آپ''۔ ساری ہمتیں مجتمع کر کے مخاطب کر ہی لیا۔ اس نے نگاہ پھیری اور آگے ہو کر دوپٹہ پیچھے اچھالا' وہ سنبھل کے کھڑی ہوگئی۔

''آپ کمپیوٹر چلانا کیا بھول چکی ہیں''۔ وہ کی بورڈ پر بڑی مہارت اور تیزی سے ہاتھ چلا رہا تھا۔

اریشماء اس کی سحر انگیز شخصیت میں اتنا کھو جاتی تھی کہ سیدھا کام بھی الٹا کرنے لگی تھی' یہ حرکت وہ کچھ دنوں سے کر رہی تھی۔

''اب ایسی تو کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ براماں کے گویا ہوئی۔

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے سب ڈیلیٹ مار دیا آپ نے''۔

''دوبارہ سرچ کرو''۔

''وہ کر رہا ہوں''۔ نگاہ مانیٹر پر تھی۔

اریشماء کی نظر اس کی فراخ پیشانی پر تھی جو صرف اپنے کام سے کام رکھتا' ادھر ادھر دیکھنا تو جیسے اس کے لئے معیوب ہو۔

"اسلام آباد کے پروجیکٹ پر اب کیا کرنا ہے؟" وہ پوچھنے لگا۔

"ڈیڈی نے کچھ نہیں بتایا"۔ وہ اس کی پشت پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔

"سر نے تو مجھ پر ڈال دیا ہے یا پھر تیمور سے کہا ہے اور میں تیمور سے کسی بھی قسم کی کوئی گفتگو اس پروجیکٹ پر نہیں کروں گا"۔ ہاتھ مار کی بورڈ پر۔

"آپ اپنی مرضی سے کیجیے یہ آفس میرا ہے تیمور کا نہیں"۔ وہ بھی جتانے لگی۔

"مگر جس طرح کی تیمور کی باتیں ہیں مجھے تو لگتا ہے انہی کا ہے یا ہو جائے گا"۔ حمدان کے لب و لہجے میں طنز اور استہزا تھا۔

"اسی وجہ سے میں آپ سے صرف ہیلپ تو چاہ رہی تھی"۔ اسے پھر اپنی بات دہرانے کا موقع مل گیا۔

"ہیلپ......" حمدان نے چونک کے اس کے صبیح اور ملاحت سے بھرپور چہرے کو تاچاہتے ہوئے بھی بغور دیکھا۔

"تیمور کی شخصیت آپ کے سامنے کھل کر آ تو چکی ہے وہ کیا چاہتا ہے یہ آپ نے بھی اندازہ لگا لیا ہے [illegible] سے دور ہو کر کھڑی ہوئی، حمدان کا پرسوچ انداز اسے چونکا گیا۔

"سوری میم...... یہ آپ کا فیملی میٹر ہے میں کوئی ہیلپ نہیں کر سکتا"۔ وہ قطعیت بھرے انداز میں معذرت کرنے لگا۔

"ہمیشہ کے لئے تو آپ سے نہیں کہہ رہی ہوں، صرف وقتی ساتھ تو دے سکتے ہیں ناں"۔ لہجے میں حسرت و یاس اور افسردگی تھی۔ حمدان لب بھینچ کے رہ گیا مگر اپنی توجہ کمپیوٹر پر مبذول کر لی کیونکہ وہ اریشماء کو ذرا بھی احساس دینا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کی اہمیت سمجھتا ہے۔

"وقتی ساتھ بھی ٹھیک نہیں رہتا ہے اور پھر آپ اپنے لیول کا بندہ ڈھونڈیے، جو ہمیشہ کیلئے آپ کا ساتھ دے"۔ رکھائی اور بے نیازی اس نے اپنی شخصیت کا جیسے حصہ بنا لی تھی۔

"لیول کا بندہ جو ہے اسی سے ہی مخاطب ہوں"۔ اریشماء کی نگاہ جھک گئی تھی۔

"یہ تو آپ کہہ رہی ہیں ورنہ حقیقت یہ نہیں ہے"۔

"حمدان! میں صرف کچھ عرصے کیلئے آپ سے مدد چاہتی ہوں"۔ وہ ملتجی لہجے میں گویا ہوئی۔

"سوری میم......! میں آپ سے پہلے بھی معذرت کر چکا ہوں"۔

"اگر کوئی ڈوب رہا ہو تو آپ کیا اسے سہارا دے کر باہر نہیں نکال سکتے"۔ وہ جذباتی طور پر اسے باتوں میں لینے کی کوشش کرنے لگی۔

"جو خود ڈوبا ہوا ہو وہ کیا کسی کو باہر نکال سکتا ہے"۔

"آپ ہمیشہ ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کرتے ہیں"۔ اریشماء کو غصہ آ گیا۔

"ایک بات کہوں، تیمور اتنا برا بندہ نہیں ہے، ذرا سی توجہ سے سدھر سکتا ہے، آپ ایک کوشش تو کیجیے"۔ حمدان نے بات ہی الٹ کر دی۔

"شٹ اپ...... آپ کون ہوتے ہیں مجھے یہ بات کہنے والے، زندگی میری ہے اور میں جسے ٹھیک سمجھوں گی اسی پر کوشش کرنا بھی چاہوں گی"۔ اسے برا لگا اور غصہ بھی آنے لگا۔ حمدان لب بھینچ کے رہ گیا مگر چہرے کے تاثرات نارمل ہی رکھے۔

"جانتے بوجھتے آپ مجھے ایسی بات کہہ رہے ہیں"۔

"میں نے جو مناسب سمجھا ہے وہ بات کی ہے اور یہ بری بات بھی نہیں ہے"۔ وہ ابھی بھی اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا۔

"تیمور کو آپ بھی برا جانتے ہیں پھر بھی ایسی بات کی"۔

"میں تیمور کو برا نہیں جانتا البتہ وہ آپ لوگوں کے بزنس میں اپنا عمل دخل ڈالتا ہے وہ مجھے ناگوار گزرتا ہے"۔ اس نے تصحیح کی۔

"مجھے بھی تو یہی ناگوار گزرتا ہے وہ تو گھر میں بھی میرے ساتھ ایسے ہی کرتا ہے"۔ اریشماء کی آواز مایوسی سے نرم پڑ گئی۔ حمدان نے اپنی نگاہ چرا لی کیونکہ وہ جو اسے بغور دیکھ رہی تھی اور وہ اس کی آنکھوں میں موجود جذبوں کو جانتا تھا اور وہ جان کے بھی انجان بن کے رہنا چاہ رہا تھا۔

اریشماء کا دل ایکدم ہی اداس ہو گیا، آنکھوں میں نمی بھی آ گئی مگر وہ چھپا کے رکھی، اسی وقت کوئی دروازہ کھول کے اندر آیا۔

"اوہ تو تو یہاں ہے میری حالت خراب ہو گئی ہے اوپر آ کے"۔ زویا کی غیر متوقع آمد پر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ حمدان نے بھی رخ موڑ کے دیکھا، خالی چیئر پر بیٹھ کے وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی پھر جو اس کی کنڈیشن تھی اریشماء سے مخفی نہ تھی۔

"جلدی کر میرے لئے جوس منگوا میرا دل بیٹھ رہا ہے"۔ زویا نے اپنا دوپٹہ شانوں پر پھیلایا۔

حمدان حیرانی سے بے تکلف سی زویا کو دیکھنے لگا۔ اریشماء ابھی تک ساکت ہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تجھے؟" وہ پھر چیخی۔ حمدان نے انٹرکام پر جوس کا کہہ دیا تھا۔ وہ اریشماء کی حالت سمجھ رہا تھا کچھ دیر پہلے کی باتوں نے اس کا دل و دماغ جو ہلایا ہوا تھا، اسے بہت بڑا شاک لگا تھا۔

"کک کچھ نہیں"۔ وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کے رہ گئی۔ حمدان کی گہری نگاہ نے اس کا جائزہ لیا، وہ بت بنی ہوئی تھی۔

"پھر بیٹھ نا"۔ زویا تو لگتا تھا یہاں سے اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھی اور اریشماء، حمدان کے روم میں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔

"ایسا کرو میرے روم میں چلو"۔

"بالکل نہیں، میری کنڈیشن بالکل ایسی نہیں ہے کہ یہاں سے ہل کے جا سکوں"۔ زویا سمجھ تو گئی تھی سامنے جو روکھا پھیکا سا بندہ ہے ضرور حمدان ہی ہوگا، اسی کے اشتیاق میں تو آفس تک چلی آئی۔

"ریحان واپسی میں مجھے لینے آ جائیں گے، صرف آدھا گھنٹہ ہے"۔

اتنے میں جوس آ گیا تھا جو حمدان نے پیون کو اشارے سے ٹیبل پر رکھنے کو کہا۔ اریشماء کو حمدان کی موجودگی میں باتیں کرنا بھی ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

"میں کچھ دیر میں آتا ہوں ہال کا چکر لگا کے"۔ حمدان خود ہی پھر روم سے نکل گیا، وہ شاید اریشماء کی جھجک سمجھ گیا تھا۔

"بندہ تو ڈیشنگ ہے تیری پسند کی داد دینی پڑے گی"۔ زویا نے ستائشی لہجے میں سراہا، اریشماء جھینپ کے رہ گئی۔

(جاری ہے)

ایمان علی

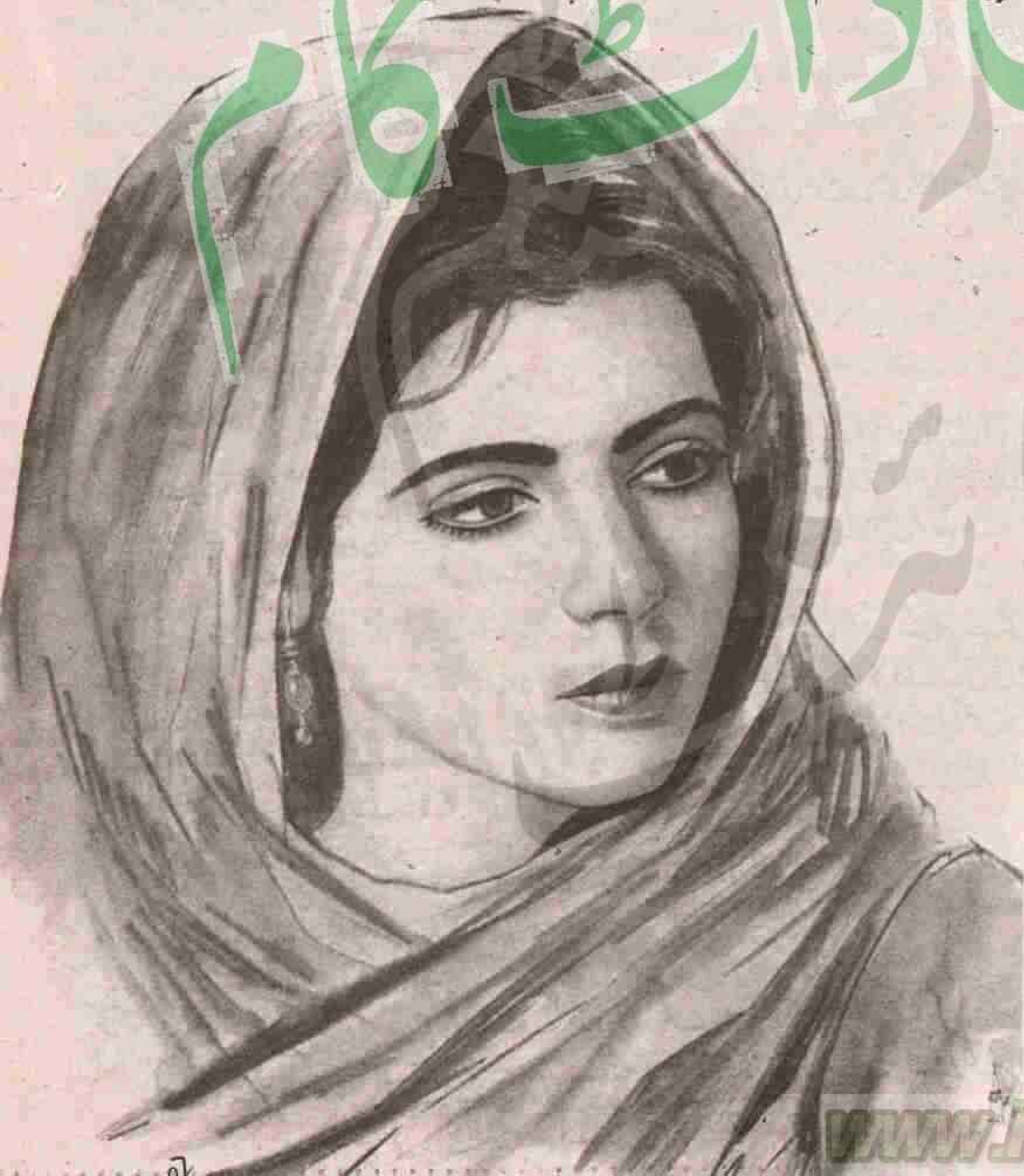
مکمل ناول

بیٹیاں سندھ کی

نہ جانے کتنی بار اس نے خط پڑھا تھا اور ہر بار خط پڑھتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر بلک اٹھی تھی اس کے کپکپاتے لب، لرزتا جسم اس کی کیفیت کو آشکار کر رہے تھے اس نے ہاتھ میں تھامے خط پر ایک بار پھر نظر کی تو نگاہیں خط کی تحریر پر پھسل گئی۔



''پیاری سنعیہ! امید کرتی ہوں کہ تم خوش ہوگی، میں جانتی ہوں تم حیران ہوگی کہ اتنے عرصے کے بعد میرا خط، میری خبر یوں اچانک، میرا کہیں کھو جانا، میں جانتی ہوں کہ تم نے ان 3 سالوں میں مجھے بہت تلاش کیا ہوگا، بہت راتیں مجھے یاد کر کے روئی ہوگی، لوگوں کے لئے یہ 3 سال اتنے اہم نہ ہوں گے لیکن ہمارے لئے تو تھے، میں بظاہر زندہ ہوں مگر کون جانے کہ عشال مرتضٰی 3 سالوں سے اندر سے مری ہوئی ہے کہ بس ایک ہی ٹھوکر سے ٹوٹ جاؤں، تمہیں یاد ہے، سنعیہ فاروق! کہ میں عشال مرتضٰی شاہ بخاری کراچی یونیورسٹی کی ٹاپ کردہ گرل آج کیسے ٹوٹ پڑی ہوں کہ دکھ، غم، آنسو میرے ساتھی بن گئے ہیں، میں تمہیں ان گزرے 3 سال کی کتھا کیسے بیان کروں کہ میرا قلم آج بھی وہ سب یاد کر کے میرے ہاتھوں میں کانپ رہا ہے، تم تعجب میں ہوگی کہ میں یوں یکدم کہاں گم ہوگئی تو میں گم نہیں ہوئی تھی، ادا سائیں کی ڈیتھ کے 5 دن بعد بابا سائیں کے بندے مجھے زبردستی گھسیٹتے بابا جان کے پاس حویلی لے گئے، ابھی میں اس اچانک دھچکے سے سنبھل نہ پائی تھی کہ وہاں ایک نئے انکشاف نے غم کے مارے مجھے ساکت کر دیا تھا کہ میری پھولوں جیسی معصوم بہن عشنا کی شادی قرآن پاک سے کرائی گئی کہ اس کا کوئی جوڑ نہیں اور کل کلاں کو یہ بھی



کہیں میری طرح ... میری سیدھی سادی معصوم ماں بابا سائیں کے قدموں سے لپٹ گئی کہ۔

"شاہ سائیں ایسا ظلم مت کریں آپ ہی کا خون ہے"۔ مگر ان کو اپنے خون پر رحم نہ آیا کہ انہیں اپنی روایات اور پنچائت کے فیصلے عزیز تھے' اس لمحے تمہارا کبھی کا کہا گیا جملہ میرے کانوں سے ٹکرایا کہ۔

"تمہارے گھر کے سید مردوں کے دل پتھر کے ہیں"۔ ہاں واقعی آج میں نے اعتراف کرلیا کہ واقعی میرے گھر کے سید مردوں کے دل پتھر سے بنے ہوئے ہیں' میرے پڑھے لکھے بڑے بھائی میرے ماں کا پلو جب اپنے قدموں سے روند کر چلے گئے تب مجھے اداسائیں بہت یاد آئے وہ ہوتے تو...... کیا لکھوں' کیا کہوں سنعیہ فاروق! کہ لفظ ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے نکلتے جارہے ہیں' بس اتنا کہوں گی کہ اسے کہنا کہ وہ عشال مرتضیٰ کے خواب دیکھنا چھوڑ دے کہ اس پتھر حویلی میں عشال مرتضیٰ کا بھی کوئی فیصلہ ہو کر عشال مرتضیٰ کو ختم کر دے گا' اور ہاں یہ میرا پہلا اور آخری خط ہے جو میں چپکے چپکے لکھ رہی ہوں' گلشن کو بتادیا ہے وہ کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچادے گی' خدا حافظ تمہاری عشال مرتضیٰ۔

"یہ میرا آخری خط ہے۔"

سنعیہ اختتامی کلمات پڑھ کر پھر سے سسک سسک کر رو دی۔

☆

رات کو جب فاروق اسٹڈی روم سے فارغ ہو کر بستر تک آیا تو سنعیہ کو گہری سوچوں میں مبتلا ہو کر چھت کی طرف بدستور گھورتے پایا۔

"سنعیہ"۔ فاروق نے اسے پکارا۔

"ہوں......" وہ اس کی آواز پر چونکی۔

فاروق نے اس کی سوجھی اور متورم آنکھوں کو بغور دیکھا جو کسی انہونی کا غماز تھیں۔

"سنعیہ! کیا بات ہے' کوئی پریشانی ہے کیا؟ میری جان! میں جب سے آفس سے آیا ہوں تمہیں آبدیدہ پایا ہے' تمہاری یہ نم آنکھیں' یہ نم آلود لہجہ...... میں نے تم سے نہیں پوچھا کیوں کہ مجھے پتہ ہے کہ تم خود ہی شیئر کرلوگی' اب بتاؤ کیا بات ہے......؟" فاروق نے اپنے ہاتھ میں اس کے ہاتھ تھامے جیسے وہ اسے اپنا سہارا اپیش کررہا ہو۔

"فا...... فاروق! وہ...... وہ......" اتنا کہہ کر وہ یکلخت رونے لگی۔

"سنعیہ پلیز! روتے نہیں شاباش مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے"۔ فاروق نے اسے اپنے بانہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا۔ سنعیہ نے آہستگی سے حصار سے خود کو چھڑوایا اور دراز سے عشال مرتضیٰ کا خط فاروق کی طرف بڑھایا۔ فاروق نے اچنبھے سے خط تھاما تو سہی مگر سوالیہ نگاہیں سنعیہ پر ہی مرکوز تھیں' جیسے پوچھ رہا ہو کہ خط کس کا ہے۔

"یہ عشال کا خط ہے صبح ملا تھا"۔ اس نے اپنے بھیگے رخسار چھتے کہا مگر آنسو تھے کہ تواتر پلکوں کی باڑ توڑ کر اپنے عکس رخسار پر بناتے جارہے تھے۔

"عشال کا خط آج یوں 3 سال بعد......" فاروق متحیر رہ گیا' وہ سنعیہ کی فرینڈ عشال مرتضیٰ کو جانتا ضرور تھا' فاروق نے جلدی جلدی خط پڑھا اور پڑھ کر وہ بھی افسردہ ہو گیا۔

"اتنے پڑھے لکھے مردوں میں اب بھی اتنی جاہلیت کہ اپنی بیٹیوں کو زندہ قید میں دھکیلتے ہیں' ان کے ارمانوں کا گلہ گھونٹتے ہیں' اف میرے اللہ......" پھر کچھ توقف کے بعد وہ خط دراز میں ڈالتے ہوئے سنعیہ کو دلاسے دینے لگا۔

"ریلیکس میری جان! بے شک اللہ ان سے حساب لے گا کہ بے شک وہ ذات انصاف پسند ہے"۔ وہ فاروق

کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند کہ خود کو سنبھالنے لگی کافی دیر کے بعد اچانک سنعیہ کو کچھ یاد آیا تو خاموشی توڑتے ہوئے فاروق کو آواز دی۔

"فاروق! وہ میثم......" بات آدھ میں کاٹ کر وہ فاروق کو تکنے لگی تو وہ اس کی آواز میں چھپے اس کے خدشوں کو سمجھ گیا۔

"ہاں...... میں اس کو خود آرام سے بتادوں گا' صبح آفس میں ہی اس سے بات کرلوں گا اوکے' اب تم سوجاؤ شاباش"۔ اس نے اسے پیار سے پچکارتے بیڈ پر لیٹایا اور روم کی لائٹ بند کردی تو اس نے دوسری جانب کروٹ لے کر پھر سے فاروق سے چھپا کر آنسوؤں کو دعوت دے دی' اس نے آنکھیں موندیں تو آنکھوں کے دریچے تلے بیتے دنوں اور ماضی کے لمحوں کی آمد جاری ہوگئی۔

☆

اس کی کلاس ختم ہوئی تو وہ کلاس سے باہر نکل کر لائبریری کی جانب قدم بڑھانے لگی کیوں کہ اگلہ پیریڈ اس کا آف تھا' لائبریری میں اس وقت عجیب سماں بندھا ہوا تھا' کچھ اسٹوڈنٹس آپس میں سر ملائے کھسر پھسر میں مصروف دکھائی دے رہے تھے' کچھ پڑھاکو نیچے کتابوں میں منہ گھسیڑے بیٹھے تھے تو کسی کونے میں ماڈرن لڑکیوں اور لڑکوں کا گروپ بلاوجہ کے قہقہے فضا میں پیدا کر کے ارتعاش پھیلا رہا تھا' اس نے لڑکیوں کے سراپے پر نظر کی تو وہ لاحول ولا قوۃ کہتی نظریں جھکا گئی' چست گھٹنوں تک جینز اور بے حد ٹائٹ بغیر سلیوز اور گہرے گلے کی شرٹ میں وہ لڑکیاں عجیب مضحکہ خیز اور بے ہودگی کی تفسیر بیان ہو رہی تھیں۔

وہ ان پر لعنت بھیجتی روم کے آخری کونے کی اس ٹیبل تک آئی جہاں اور کوئی اسٹوڈنٹ نہیں تھا' اس نے پرس اور بک ٹیبل پر ٹکائی اور چیئر کھسکا کر بیٹھ گئی اور ٹیبل پر سجے میگزین میں سے ایک میگزین اٹھا کے پڑھنے بیٹھ گئی' دس منٹ ہی گزرے تھے کہ سنعیہ کے کانوں میں دبی دبی مسکراہٹوں کی آوازیں گنگنا اٹھیں' اس نے میگزین منہ سے ہٹا کر آوازوں کی طرف تعاقب کیا تو وہی ماڈرن گروپ کے اسٹوڈنٹس اسی ٹیبل پر جہاں سنعیہ بیٹھی تھی وہاں پر ایک حجاب لئے براجمان لڑکی پر تمسخر اڑاتے انداز میں ہوٹنگ کئے جا رہے تھے' سنعیہ کے ذہن میں اس لڑکی کو دیکھتے پوری کتھا سمجھ میں آ گئی تھی' وہ گروپ اس کے پورے چھپے جسم اور چہرے کے باعث اس پر ملانی ملانی کا لقب دے کر اس پر طنز اور ہنسی کے کنکر پھینکے جا رہے تھے' سنعیہ نے بغور اس لڑکی کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی تھی' جیسے وہ کوئی مجرم ہو' سنعیہ اچنبھے میں تھی کہ بجائے وہ انہیں جواب دے لیکن وہ کیسے سر جھکا کر اپنی انسلٹ برداشت کر رہی تھی وہ ہوتی تو وہ ان کا منہ توڑتی مگر اگلے ہی پل اسے جواب مل گیا کہ وہ لڑکی بے بسی کے عمل سے لرز رہی ہے' اس کی ہاتھوں کی لرزش سنعیہ سے مخفی نہ رہ پائی تھی' سنعیہ کو اس پل اس سیاہ گاؤن اور سر پر گلابی پھولوں والا اسکارف اوڑھے اور حجاب لئے اس لڑکی پر بڑا ترس آیا' وہ انسانیت کے ناطے چیئر کھسکا کر ابھی اس ماڈرن گروپ سے دو چار ہاتھ کرنے کے لئے اٹھی ہی تھی کہ خود وہ اس لڑکی پر ہنستا ہوا گروپ لائبریری کی حدود سے باہر نکل گیا' سنعیہ نے جھٹ سے پرس اور کتابیں سمیٹیں اور اس لڑکی کے سر پر کھڑی ہو گئی جو ہنوز سر جھکائے شاید خود کو ریلیکس کرنے میں لگی تھی۔

"اسلام علیکم اینڈ ہائے......" اس نے سلام جھاڑ کر اس کے ساتھ والی کرسی کھسکائی اور دھپ سے بیٹھ گئی' عشال نے یکدم اپنے قریب آواز پر سر اٹھایا تو اپنے سامنے بلیک سوٹ میں ملبوس ایک خوبصورت لڑکی کو پایا۔ عشال نے اسکے سوال کا جواب تو دے دیا لیکن ابھی تک اس کی گہری براؤن آنکھوں میں تعجب اور خوف ہلکورے لے رہا تھا کہ

کہیں یہ بھی ان گروپ کی طرح...... ؟

سنعیہ نے اس کی آنکھوں میں خوف کا شائبہ دیکھ لیا تھا سو وہ اس کا خوف دور کرنے کے لئے بے تکلفی سے بولی۔

''آئی ایم سنعیہ شیراز اور تم......؟''

''آئی ایم عشال مرتضٰی شاہ بخاری'' دھیرے سے اپنا نام بتایا۔

''واؤ نائس نیم...... پر اس کا مطلب کیا ہے......؟'' سنعیہ سراہتے ہوئے گویا ہوئی۔

''عشال کا مطلب ہے...... جنت کا پھول''۔ عشال آہستگی سے بولی شاید وہ دھیرے دھیرے سے بولتی تھی' تبھی اس کے لہجے میں ڈھیلا پن تھا۔

''ارے واہ واہ نائس نیم...... اینڈ نائس مینگ''۔ سنعیہ نے تعریفی انداز میں سر ہلاتے کہا۔

''ویسے نئی آئی ہیں کیا......؟ میں نے تو آج تمہیں پہلی بار دیکھا ہے''۔ سنعیہ نے اس سے استفسار کیا۔

''ویسے میں بھی نہ کیسی پاگل ہوں' کام کی بات تو پوچھی ہی نہیں' بس باتوں کا جھاڑ باندھتی جا رہی تھی' چلو جلدی سے بتا دو کہ کس کلاس میں ایڈمیشن لیا ہے؟ سچی میں نا بہت بھلکو ہوں میثم بھائی ٹھیک کہتے ہیں کہ بھلکو بلی ہوں''۔ وہ خود ہی خود منہ میں چلتی ببل کے غبارے بناتی پٹاخ پٹاخ سے بولتی جا رہی تھی۔ عشال جو اس کی بے تکلفی سے سب خدشے خوف دور کر کے دلچسپی سے اسے بولتے دیکھے جا رہی تھی لفظ بھلکو بلی پر بے ساختہ دھیرے سے ہنس دی۔ سنعیہ کو لگا کہ جیسے آس پاس گھنٹیاں بج اٹھی ہوں وہ دل ہی دل میں اس کی ہنسی کو سراہے بغیر نہ رہ پائی۔

''گھوٹکی سے آئی ہوں' سید گھرانے سے تعلق ہے' میں نے ایم اے اردو میں ایڈمیشن لیا ہے' وہ ایکچولی وہ میری ہفتے سے طبیعت خراب تھی تو بس......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سنعیہ کو دیکھا جو اسے بغور دیکھے جا رہی تھی' سنعیہ کو اس کی آنکھوں میں اترتے دکھ کا عکس صاف دکھائی دے رہا تھا وہ سمجھ نہ پائی کہ اس لڑکی میں کیسی پراسراریت ہے' اس نے پوچھنا چاہا مگر کچھ سوچ کر یہ ٹوپک التوا پر رکھ کر سر جھٹکتے بولی۔

''اوہ اچھا......'' تو یہ حجاب آئی مین' پردہ کی وجہ تمہارا سید گھرانا ہے' ویسے یاد آیا ایک تو میری عقل شریف اور یادداشت شریف بھی نا''۔ سنعیہ نے اپنی کم عقلی پر تاسف کیا اور اس کے قریب کھسکی۔

''یہ جو ماڈرن گروپ تم پر طنز کر رہا تھا' فقرے اچھال رہا تھا' تم نے ان کا منہ کیوں نہ توڑا' ارے بھئی ہر ایک کی مرضی ہے کہ وہ حجاب لے یا ان لڑکیوں کی طرح اپنی نمائش کرے''۔ اس نے نخوت سے کہا۔

''خیر اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں ہوں ناں''۔ سنعیہ نے تفاخر سے کندھے اچکائے عشال مسکرائی اور نگاہیں جھکاتے بولی۔

''بس ان لوگوں کی اپنی ذہنیت ہے' میں ویسے بھی پڑھنے آئی ہوں تو بس پڑھنے پر ہی توجہ رکھنا چاہتی ہوں''۔ سنعیہ نے کچھ مزید کہنے کے لئے لب کھولنا چاہے تھے کہ عشال اس کا ارادہ بھانپتے جلد گویا ہوئی۔

''آپ کس ایئر میں ہو......؟''

''میں بھی تمہاری کلاس میں ہوں' ویسے میرا تو ارادہ آگے پڑھنے کا تھا نہیں یہ تو بس کسی شیطان کی شرط کا نتیجہ ہے جو میں یہاں ہوں''۔ سنعیہ خلاؤں میں کسی کو یاد کر کے مسکائی پھر ہاتھ عشال کی جانب بڑھاتے بولی۔

''فرینڈ......'' عشال نے ایک نظر سنعیہ پر ڈالی جو امید بھری نظروں سے اس کو تک رہی تھی اس نے خوش دلی سے سنعیہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھام لیا۔

''یس فرینڈ''۔

''چلو اسی خوشی میں کینٹین میں چل کر کھانے پینے پر دھاوا کرتے ہیں' چلو نا''۔ عشال اس کے اٹھتے خود بھی اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لی۔

☆

گندمی رنگت مگر پرکشش نقوش کی مالک' دھان پان سی سنعیہ شیراز اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تو نہیں البتہ اکلوتی بیٹی ضرور تھی' شیراز ایک ڈاکٹر تھے اور ہاؤس جاب کے دوران ہی انہیں اپنی ساتھی ڈاکٹر انعم پسند آ گئی تھیں اور انہوں نے ہاؤس جاب مکمل ہوتے ہی ڈاکٹر انعم کے گھر کی دہلیز پکڑ لی' کچھ مشکلوں کے بعد انہیں بالآخر اپنی محبت مل ہی گئی' ان کی بس دو ہی اولاد تھیں' بڑا میثم شیراز اور اس سے چار سال چھوٹی سنعیہ شیراز' ڈاکٹر شیراز اور انعم شیراز شہر کے معروف و مایہ ناز ڈاکٹر تو تھے ہی پر انہوں نے اپنی اولاد کو اپنی مرضی سے کوئی بھی فیلڈ چننے کا بھرپور حق دیا تھا' یہی وجہ تھی کہ میثم نے بزنس میں اپلائی کرنے کا قصد باندھا وہ ان دنوں فارن کنٹری سے بزنس کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور اس کی تعلیم ختم ہونے میں بس چند ہی ماہ تھے جبکہ سنعیہ نے ایم اے اردو کے لئے حال ہی میں کراچی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا۔

☆

وہ نہ جانے کتنی دیر سے کتابیں کھولے بیٹھی تھی مگر ذہن کتابوں میں کیا متوجہ ہوتا کیونکہ دماغ عجب خالی الذہنی کی کیفیت کے زد میں تھا' اس کی سوچیں جامد ہو چکی تھیں' اس کے معصوم صبیح رخساروں پر کب آنسوؤں کی لڑیاں بنی وہ بے خبر ہی رہی۔

''عشال......'' ارمغان شاہ باتوں کی غرض سے عشال کے کمرے میں دروازہ کے پاس پہنچے ہی تھے کہ بیڈ پر جامد اور بت و مجسم بنی بیٹھی عشال کو دیکھ کر ٹھٹک گئے سو بے اختیار اسے پکار بیٹھے' عشال نے یکدم چونک کر دروازے پر نظر دوڑائی تو کمرے کی دہلیز پر ایستادہ اداسائیں کو دیکھ کر فوراً اپنے آنچل سے آنسو چنتے بیڈ سے اٹھنے لگی۔

''ارے اداسائیں آپ......'' وہ ان کے قریب آتے بولی۔ ارمغان شاہ نے پریشان کیفیت میں عشال کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما اور کہا۔

''عشال! کیا ہوا میرا بیٹا تم رو کیوں رہی تھی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا''۔ عشال کا اداسائیں کی اس پیار بھری باتوں اور لہجے پر دل چاہا وہ ان کے سینے پر جو سر رکھ کے رو لے مگر وہ خود پر قابو پانے لگی کہ وہ ان کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی سو نظریں چراتے گویا ہوئی۔

''کوئی پریشانی والی بات نہیں اداسائیں! آپ آؤ نا یہاں بیٹھیں''۔ اس نے ارمغان کا ہاتھ پکڑا اور صوفے پر بٹھایا۔

''عشال بیٹا! ادھر دیکھو میری طرف' مجھے پتہ ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو چلو بھائی نہ سہی مگر دوست سمجھ کر تو بتا سکتی ہو نا''۔ ارمغان شاہ نے سر پر ہاتھ رکھتے التجائیہ لہجے میں کہا تھا۔ عشال کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی' وہ یکدم ارمغان کے سینے پر لگ کر بلک اٹھی۔

''اداسائیں! مجھے اماں سائیں بہت یاد آتی ہیں...... عشنا' علیشاہ کی صورت مجھے سونے نہیں دیتی'' وہ گھٹ گھٹ کر رو دی' ارمغان جو اب تک خود کو سنبھالے بیٹھا تھا' ماں بہنوں اور عشال کی تڑپتی حالت پر اس کے بھی بے اختیار آنسو چھلک اٹھے' وہ بھی بھلا کب انہیں بھولا تھا' عشال ان کے سینے پر سسک رہی تھی اور وہ عشال کا

سر سہلاتے خود بھی سراپا آنسو تھے ان کے آنسو عشال کے بالوں میں جذب ہوتے جا رہے تھے خاموشی اور سکون ان دونوں کے بیچ اپنا راج جما چکا تھا پھر یکلخت عشال کو خیال آیا کہ ادا سائیں کو پریشان اسے نہیں کرنا تھا وہ بے چارے پہلے ہی بے شمار مسئلوں میں گھرے ہوئے تھے سو وہ خود کو سنبھالتے بشاشت لہجہ اپناتے بوجھل ماحول کو دور کر کے گویا ہوئی۔

"پتہ ہے ادا سائیں! آج یونیورسٹی میں میری فرینڈ بھی بن گئی"۔

"اچھا واقعی۔" ارمغان کی آنکھیں حیرت سے معمور تھیں کیونکہ وہ عشال کی حساس طبیعت اور کم گوئی سے واقف تھے اس لیے آج تک سوائے اپنی بہنوں کے عشال کی کوئی دوست نہیں تھی۔

"جی ہاں....." وہ ادا سائیں کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے زوردار ہنس پڑی اس کے دائیں گال کا ڈمپل نمایاں ہو کر اسے اور خوبصورت بنانے لگا پھر وہ یونیورسٹی کا پہلا واقعہ ماڈرن گروپ والی بدتمیزی چھوڑ کر پوری روئیداد سنانے بیٹھ گئی سعیہ شیراز سے لے کر آخری کلاس تک کی کتھا ارمغان شاہ دلچسپی سے سنتے انجوائے کر رہے تھے۔

☆

آج جب چنچل اور شرارتی ہواؤں کا لشکر جرار خوب اچھل کود میں مصروف تھا اور آسمان پر بادلوں نے اپنا ڈیرہ جما لیا تو موسم کی دلکشی خوب خنکی کی لپیٹ میں آ گئی تھی اس وقت بھی وہ دونوں اپنی کلاس نہ ہونے کے باعث باہر سبز سبزے پر بیٹھے آئیں کہ موسم انجوائے کریں گی مگر سعیہ نے جیسے عشال کی جانب نظر دوڑائی تو اس کا دل خاک ہو گیا اس نے نہ دیکھا آؤ نہ تاؤ جھٹ سے عشال کے ہاتھوں سے کتاب چھین لی عشال نے اچانک اپنے ہاتھوں سے سعیہ کو کتاب اچکتے دیکھا تو سعیہ کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھ کر وہ سہم گئی کہ اسے کیا ہوا۔

"بہت بدذوق لڑکی ہو قسم سے اتنا مست موسم میں تو بندہ ان مست نظاروں کو دیکھ کر پاگل ہو جاتا ہے کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا دل میں رومانس کے موسم ٹھہر جاتے ہیں"۔ سعیہ آسمان پر نظر ڈالتی موسم پر رطب اللسان تھی پھر یکایک وہ بل کھا کر غصے سے بھری نگاہیں عشال پر ڈالتے بولی۔

"پر تم ہر وقت سقراط بقراط کے چکر میں لگی ہوتی ہو ہر وقت غالب حالی اور میر کو گھول کر پیتی رہتی ہو بڑی آئی پڑھا کو کہیں کی"۔ اس نے بڑبڑا کر منہ کے بگڑے زاویوں سمیت عشال کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

عشال کو اس کے تاثرات اور اوٹ پٹانگ کے خیالوں پر ہنسی تو بہت آئی مگر وہ ضبط کر گئی سعیہ سے کیا بعید سو جھٹ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے معذرت جڑ دی۔

"سوری میری ملکہ عالیہ! آپ کی نادان کنیز سے غلطی ہو گئی ہمیں معاف کر دیجئے نا"۔ سعیہ معذرت نامہ سنتے پلٹی اور ہاتھ اونچا کر کے شاہانہ انداز میں گویا ہوئی۔

"میری نادان اور معصوم کنیز ملکہ عالیہ آپ کی غلطی معاف کر کے آپ کو سزا سے بری کرتی ہیں آج سے آپ آزاد ہو"۔ پھر یکلخت دونوں ہنس دی کچھ توقف کے بعد کسی خیال سے سعیہ کی آنکھیں چمکیں تو اس نے سبزے کی گھاس کریدتی عشال کو پکارا۔

"عشال"۔

"ہوں....." عشال نے محض ہنکارا ابھرنے پر اکتفا کیا۔

"تمہارے کزن ہیں.....؟" سعیہ نے استفسار کیا۔

"ہاں....."

"اچھا..... کتنے ہیں اور کیسے ہیں دل لجانے والے یا دل ڈرانے والے"۔ سعیہ نے شرارتی معنی خیز سے سوال داغا۔ عشال نے پل بھر کو نظر اٹھا کر سعیہ کو دیکھا جو شوخ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی پھر سر جھکا کر سابقہ کارروائی گھاس کریدنے لگی اور بولی تھی۔

"پتہ نہیں"۔

"ہیں..... یہ کیا جواب ہوا پتہ نہیں"۔ سعیہ نے سوال جس قابل دید اشتیاق سے کیا تھا جواب سن کر وہ اتنا بے مزہ ہوئی۔

"ہمارے ہاں 12 سال کی عمر سے مردوں سے پردہ کیا جاتا ہے چاہے وہ سگے کزن ہوں"۔ عشال نے ہولے سے حقیقت بتائی۔

"کیا 12 سال سے......" سعیہ حیرت سے اتنا زور سے چلائی کہ نہ صرف عشال گھبرا گئی بلکہ آس پاس تھوڑے فاصلے پر بیٹھے اسٹوڈنٹس بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"اوہ سوری مجھے شدید حیرت ہوئی تو بے اختیار..... بس مجھ سے رہا نہ گیا سوری ویری سوری"۔ اس نے معذرت کی۔

"اٹس اوکے"۔ عشال نے رسان لہجے میں کہا۔

"پر عشال! بقول تمہارے کہ تم پردہ دار گھرانے سے تعلق رکھتی ہو جہاں 12 سال سے مرد سے پردہ کیا جاتا ہے تو یہاں یونیورسٹی میں تمہیں کو ایجوکیشن کی اجازت کیسے ملی......؟" سعیہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے کہا وہ ابھی تک الجھی ہوئی تھی۔

"کیونکہ میں نے BA میں اپنے شہر میں ٹاپ کیا تھا تو بس ادا سائیں کی خواہش تھی کہ میں ایم اے بھی ریگولر کروں"۔ عشال نے جواب دیتے اپنے تئیں سے اسے مطمئن کرنا چاہا مگر سعیہ کا دل مطمئن نہ ہوا وہ سمجھ گئی تھی کچھ ہے جس کو چھپائے عشال مجھ سے نظریں چرا رہی ہے سو کن انکھیوں سے اسے دیکھتی ٹٹولنے لگی۔

"اور تمہارے فادر تمہارے دوسرے بھائیوں یا ماموں چاچو خاندان نے کوئی اعتراض نہ کیا کیونکہ ایک تو تمہارا تعلق چھوٹے شہر کے گاؤں سے دوسرا سید گھرانا"۔ اس نے بات آدھ میں چھوڑی عشال اس کے سوال کا جواب ٹالتی کتابیں اور پرس سمیٹتی اٹھ گئیں اور بولی۔

"ہمارے پیریڈ کا ٹائم ہو گیا ہے آؤ کلاس میں چلیں"۔ اسی لمحے سعیہ پوری صورت حال بھانپ گئی اور اس کے شک پر یقین کی مہر اپنا نشان ثبت کر گئی کہ معاملہ ہے کچھ ضرور مگر وہ خود کو لاپرواہ اور انجان ثابت کرتے خاموشی سے سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور عشال سے قدم سے قدم ملاتی کلاس کے رستے پر ہم راہ ہوتی دل ہی دل میں عشال سے مخاطب ہوئی۔

"آج تو تم اپنا درد مجھ سے چھپا رہی ہو عشال مرتضیٰ شاہ بخاری مگر کبھی تو میرے سامنے کھل ہی جاؤ گی اور سعیہ شیراز کو بھی اسی وقت کا انتظار ہے تم سمجھتی ہو کہ میں تمہاری کیفیت سے بے خبر ہوں واقعی میں تاحیات بے خبر رہتی اگر تمہاری ان بڑی بڑی گہری آنکھوں میں گہرا اضطراب کروٹیں نہ لے رہا ہوتا تمہیں کیا پتہ کہ تمہاری بجھی آنکھوں کی جوت کا عکس تمہارے زخمی دل کی کیفیت کو اجاگر کئے رکھتا ہے میں نے اب تک تمہارا چہرہ نہیں دیکھا مگر میں دیکھے بغیر ہی یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تمہارے چہرے پر حزن کا موسم رقصاں ہیں"۔ اس نے آگے چلتی

عشال پر نظر ڈالی تو اس کے بوجھل قدم عیاں تھے اس بات کہ وہ اندر سے ٹوٹ رہی ہو اس نے ایک زخمی نظر ڈال کے رخ پھیرا تو اسکی آنکھوں میں بھی نمی سی اتر آئی۔

☆

پروفیسر احمد خان کی کلاس جاری تھی' عشال دل جمعی سے ان کے لیکچر پر کان لگائے نہ صرف لیکچر حفظ کرنے میں مگن تھی بلکہ اہم پوائنٹ بھی رجسٹر میں نوٹ کئے جا رہی تھی' سنعیہ نے بے زاری سے منہ سے باہر اُمڈتی جمائی کو دھکیلا اور ادھر ادھر نظر دوڑائی تو پتہ چلا کہ کچھ عشال بی بی کی طرح پروفیسر کے منہ سے لیکچر کے پھول جھڑتے سن رہے ہیں تو کچھ سنعیہ کی طرح منہ بسورے گھڑی پر نظر رکھے ہوئے ہیں کہ کب اس چنگل سے جان چھوٹے' اس نے دوبارہ واپس نگاہیں وارتے عشال کو دیکھا جو ایسے بزی تھی جو اسے آخر میں ایوارڈ ملے گا' وہ تو سر پیر کلسی۔

اس نے فوراً اس کی انہماک میں مداخلت کرتے اسے ٹہوکا دیا' مگر عشال اس کی حرکتوں سے باخبر تھی سوٹس سے مس نہ ہوئی۔ سنعیہ اس کی اس تجاہل عارفانہ ادا پر خوب بھنا گئی سو رجسٹر پر کچھ کلمات تحریر کر کے رجسٹر عین عشال کے سامنے رکھ دیا عشال نے کلمات پر نگاہ ڈالی۔

''اس موٹے گنجے عینکی پروفیسر میں ایسے کون سے لال جڑے ہوئے ہیں جو تم اپنے ساتھ دنیا کی خوب صورت' شہزادی اور معصوم لڑکی پر ایک نگاہ بھی نہیں ڈال رہی' یہ سنعیہ شیراز کی کھلی تضحیک ہے عشال مرتضیٰ شاہ بخاری''۔ وہ جب بھی غصے میں ہوتی تو عشال کو پورے نام سے مخاطب کرتی تھی' عشال نے ایک نظر فہمائشی نگاہوں سے اس کو تکا پھر دوبارہ لیکچر کی طرف متوجہ ہو گئی' وہ تلملاتی پھر سے کچھ لکھ کر اس کے آگے رجسٹر رکھ دیا۔

''تم دیکھ لینا مجھ سے غداری کر کے سیدھی جہنم میں جاؤ گی' ہائے سنعیہ شیراز تم جیسی دوشیزہ کے نصیب کہاں پھوٹے''۔ اس کی تحریر دہائیوں سے لبالب تھی' عشال نے اب کی بار جواب میں کچھ لکھنے کے لئے قصد باندھا ہی تھا کہ خدا کو سنعیہ پر شاید ترس آ گیا جو پیریڈ ختم ہونے کا وقت آ چلا' جیسے پروفیسر کلاس سے باہر نکلے تو پوری کلاس میں اودھم مچی جیسے وہ اتنی دیر سے قید ہوں اور اب آزاد ہوئے ہوں عشال نے اٹھ کر گاؤن اور اسکارف درست کئے اور اچٹتی نگاہ سنعیہ پر کی جس کا موڈ ہنوز آف تھا اور منہ ڈھلا ہوا' اس نے مدھم سی ہنسی سجائے بس اتنا سنعیہ پر فقرہ کسا۔

''سدھر جاؤ لڑکی''۔ سنعیہ نے غصے بھری ادا سے اسے جانچا۔

''قسم سے بہت بری ہو تم! ارے یہ تم کہاں چل دیں......؟'' اس نے بجائے کینٹین کی طرف جانے کے اسے اور سمت جاتے دیکھا تو حیرت سے دریافت کیا۔

''گھر جا رہی ہوں کیونکہ اب اپنی کلاسز ہیں نہیں تو بجائے یہاں خوار ہونے سے گھر آرام نہ کیا جائے''۔ وہ گیٹ کی سمت قدم بڑھاتی بتاتی جا رہی تھی۔

''تم نے اداسائیں کو ڈرائیور بھیجنے کے لئے کال کی ہے یا نہیں؟''

''ارے ہاں اچھا کیا تم نے یاد دلایا' میں نے کال تو کی نہیں' اب کرتی ہوں''۔ اس نے پرس میں سے موبائل نکالنا چاہا ہی تھا کہ سنعیہ نے روک دیا۔

''اداسائیں کو کال کرنے کی ضرورت نہیں''۔

''پر کیوں...... پھر میں گھر کیسے جاؤں گی......؟'' پریشانی اور کوفت سے بولی تھی۔

''کیونکہ مابدولت ہیں نا آپ کی ڈرائیور''۔ سنعیہ نے شوخی سے اس کی آنکھوں کے آگے اپنی گاڑی کی

چابی لہرائی۔

''تم...... نہ بابا نہ مجھے گھر جانا ہے سیدھا اوپر نہیں' ابھی میں نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے''۔ عشال مصنوعی طور پر ڈرتے ڈرتے بولی تھی۔

''اچھا ہماری بلی ہمیں ہی میاؤں''۔ اس نے اس کا بازو کھینچا۔

''ارے بابا...... چلتی ہوں بازو تو چھوڑو نا، میں اداسائیں کو تو میسج کر کے بتا دوں' میں تمہارے ساتھ گھر جا رہی ہوں''۔ پھر اس نے ارمغان شاہ کے نمبر پر میسج سینڈ کر کے سنعیہ کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

☆

عشال نے فلیٹ پر پہنچ کر بیل دی تو چند منٹ بعد دروازہ وا ہوا' ایک بزرگ عورت نے جھانکا اور عشال کو دیکھ کر ''عشال بٹیا'' کہتی راستہ دے گئی' پہلے عشال اور اس کے پیچھے لاپرواہی سے انگلی میں گاڑی کی چابی پھنسائے اسے لہراتی' منہ میں چلتی ببل کے غبارے بناتی سنعیہ نے فلیٹ کے اندر قدم رکھا اور ادھر ادھر نظر جماتی فلیٹ کا جائزہ لینے لگی' فلیٹ اندر سے بہت کشادہ تھا' دو ایک ہی روم تھے وہ جس جگہ کھڑی تھی وہ ڈرائنگ روم ہونے کا عکس جھلملا رہا تھا' اس نے واپس پلٹ نظر عشال پر کی جو اس بزرگ خاتون کو اماں بی کہتی کچھ ہدایات دے رہی تھی' وہ پرس صوفے پر اچھالتی ابھی دھپ کر بیٹھنے کو تھی ہی کہ عشال نے روکا۔

''ادھر نہیں سنعیہ! میرے کمرے میں چلو وہاں بیٹھتے ہیں''۔ یہ کہتی وہ اپنے کمرے کی سمت چلی تو سنعیہ بھی اس کی تقلید میں چلتی اس کے کمرے تک آئی' عشال کا کمرہ خوبصورت تھا' کمرے میں بہت لائٹ پنک کلر دیواروں پر بہت جچ رہا تھا اور اسی سے میچ کرتے کھڑکیوں پر ڈالے پنک پردے' کمرے کے وسط میں بیڈ تھا اور بیڈ کی دائیں طرف ڈریسنگ ٹیبل تھی تو بائیں طرف کچھ فاصلے پر صوفے غرض کہ کمرہ نفاست سے سجا ہوا تھا سنعیہ نے بیڈ پر گر کر آنکھیں موند لیں جبکہ عشال نے اس کی طرف پشت کر کے پہلے اپنا گاؤن اتارا اور پھر خود کو اسکارف سے آزاد کر کے سوٹ سے ہم رنگ آنچل سر پر پھیلائے مڑی تو بیڈ پر آڑھے ترچھے انداز میں لیٹی ٹانگیں ہلاتی سنعیہ کو دیکھ کر اس کی مسکراہٹ تیز ہو گئی' اس نے اس کو پکارا۔

''سنعیہ......'' وہ پٹ سے آنکھیں وا کر کے سیدھی ہوئی تو حیرت سے اس کا منہ کھل گیا' وہ ساعت اور دم بخودی ہو کر عشال کو گھورتی رہی' وائٹ کلر کا سوٹ پہنے' حوروں کا حسن لئے عشال جنت کی حور کی مانند دکھائی دے رہی تھی' اس کا گول خوبصورت چہرہ' گلابی رنگت' عارضوں سے چھلکتی گلابیاں' گہری' جھیل سی براؤن آنکھیں' کشادہ پیشانی اور اس پر سجی تیر کمان کی طرح ابھری بھنویں' صراحی دار گردن' پنکھڑیوں عناشنگرفی ہونٹ' مومی ہاتھ اور خوبصورت مخروطی انگلیاں...... وہ مبہوت تھی کہ یہ عشال' وہ جانتی تھی کہ وہ خوبصورت ہو گی مگر اتنی حسین وجمیل اس کے تو گمان میں بھی نہ تھا عشال حیرانی سے اس کو ہکا بکا ہی دیکھتی رہ گئی۔

''کیا ہوا سنعیہ......؟'' وہ کھوئی کھوئی سی خواب کی کیفیت لئے اس کے قریب آ کر اسے شانے سے پکڑ بیٹھی۔

''یہ تم ہو عشال! او مائی گاڈ اتنی خوبصورت' اتنی حسین جیسے جنت کی پاکیزہ حور رئیلی''۔ عشال دھیرے پن سے تا دیر اس پر ہنستی رہی پھر کہنے لگی۔

''چلو اب ڈائننگ ٹیبل پر چلتے ہیں' آؤ لنچ کریں اماں بی نے کھانا لگا دیا ہو گا''۔ سنعیہ مسکراہٹ لبوں پر سجاتی اس کے ساتھ ہو لی۔ لنچ کے بعد دونوں بیڈ پر براجمان تھیں۔

''ویسے سنعیہ! آج لیکچر کے دوران تمہاری حرکت بہت غیر سنجیدہ تھی اگر پروفیسر کی نظر میں تمہاری یہ حرکت

آجاتی تو.......؟'' عشال نے سوالیہ نظریں اس پر گاڑیں۔
''تو کیا.......؟'' سنعیہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔
''میری جان چھوٹ جائے گی پڑھائی سے...... سچی یار! اب تو پڑھنے کو جی نہیں چاہتا' بس خیالوں میں تو ایک ہی چیز ہلکورے لیتی ہے''۔
''اچھا وہ کیا.......؟'' عشال نے پوچھا۔
سنعیہ نے جھپاک سے انگلی میں پہنی گولڈ کی رنگ اسے دکھائی۔
''کیا...... رنگ یاد آتی ہے تمہیں......؟'' عشال حیرت سے مدھم انداز میں چیخی۔
''اوئے پاگل! رنگ نہیں بلکہ رنگ سے وابستہ فیانسی''۔ سنعیہ نے فیانسی پر زور دیتے کہا تھا۔
''کیا فیانسی یعنی کہ تمہاری انگیجمنٹ ہو چکی ہے مکرم نے مجھے کیوں نہیں بتایا''۔ اب کی بار عشال خفگی سے بولی۔
''اچھا نہیں بتایا' حیرت ہے میں نے تو سب کو بتایا ہے چلو اب بتاتی ہوں نا''۔ پھر وہ اپنے منگیتر فاروق کے بارے میں اسے بتانے لگی اور شام ارمغان شاہ کے آنے کے بعد وہ اپنے گھر روانہ ہوئی تھی۔

◆.....☆.....◆

وہ ایک دن یونیورسٹی پہنچی تو سنعیہ کچھ زیادہ ہی خوش نظر آرہی تھی اور معمول سے زیادہ چہک رہی تھی' اس کا چہرہ خوشی اور ہنسی سے جگمگا رہا تھا' عشال اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔
''کیا بات ہے سنعیہ! تم بہت خوش دکھائی دے رہی ہو؟''
''یار! بات ہی خوشی والی ہے پتہ ہے آج سے تین دن بعد میثم بھائی اپنی تعلیم مکمل کر کے چار سال بعد پاکستان واپس آرہے ہیں''۔ سنعیہ نے خوشی خوشی اسے بتایا۔
''تمہیں بہت بہت مبارک ہو''۔ عشال نے اسے مبارکباد دی۔
''خیر مبارک جانو! ویسے تم تو جانتی ہو نا میں میثم بھائی سے بہت پیار کرتی ہوں ویسے عشال ایک ہفتے بعد اپنے سمسٹرز ہیں۔ بھائی کے آنے کے بعد تو میں پڑھ ہی نہ پاؤں گی' سچی فاروق مجھے بہت ستائے گا ویسے البتہ تم تو ٹاپ کرو گی مجھے پتہ ہے''۔ سنعیہ نے اسے سراہا۔
''ٹاپ تو تم بھی کر سکتی ہو اگر دھیان سے پڑھو تو خیر اٹھو پیریڈ اٹینڈ کرنے چلتے ہیں''۔ عشال نے اسے اٹھنے کا حکم دیا تو وہ منہ بسورتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

◆.....☆.....◆

وہ دودھ سے لبالب گلاس ادا سائیں کو دینے کے لئے ان کے کمرے میں انٹر ہوئی تو وہ نیوز سے لطف اندوز ہو رہے تھے' اس نے گلاس ان کے ہاتھوں میں تھمایا اور خود ان کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔
''تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے عشال بیٹا؟'' ارمغان شاہ نے دودھ کا گھونٹ بھرتے پوچھا تھا۔
''ایک دم فرسٹ کلاس' اب تو سمسٹرز بھی قریب ہیں''۔
''اچھا تو ہماری بیٹا کی تیاری پکی ہے یا ایویں ہی.......؟'' شرارت میں اسے چھیڑا کیونکہ وہ باخبر تھے کہ وہ کتنی اپنی پڑھائی سے محبت کرتی تھی۔
''ایویں کیوں' دیکھ لینا آپ کی بہن اس مرتبہ بھی ٹاپ کرے گی''۔ اس نے تفاخر جھاڑا۔
ابھی ارمغان شاہ جواباً کچھ کہنے کو لب حرکت میں لانا چاہ رہے تھے کہ ان کے سیل فون کی بیپ گنگنا اٹھی' انہوں

نے اپنی پاکٹ سے موبائل نکالا تو اسکرین پر شانزہ حماد کا نمبر چمک رہا تھا وہ ایکدم کھل سے گئے۔
''شانزہ کی کال ہے بات کرو گی''۔ وہ سرعت سے دودھ کا آخری گھونٹ ختم کر کے گلاس عشال کی جانب بڑھایا۔
''نہیں میری شام میں شانزہ آپی سے بات ہوئی تھی''۔ عشال نے گلاس تھاما۔
''ارے ہاں شانزہ کیسی ہو؟ ارے یار! وہ تمہاری نند صاحبہ کو تم سے بات کرنے کا کہا...... جھٹ بولی مجھے نہیں کرنی اپنی نخریلی بھابی سے بات''۔
''اداسائیں''۔ عشال ان کی جھوٹی شرارت پر چلائی۔
''ارے ارے...... لڑو تو نہیں شانزہ! ادھر تو ڈپٹ رہی ہو ادھر عشال خونخوار نگاہوں سے تک رہی ہے' واہ کیا محبت ہے بھابی نند میں''۔ ارمغان شاہ' شانزہ کے ڈپٹ جانے پر شوخی سے بولے تھے دونوں کی نوک جھونک شروع ہو چلی تھی عشال ان کی نوک جھونک پر کھلکھلاتے ہوئے کمرے کی حدود سے نکل آئی۔

◆.....☆.....◆

ڈائننگ ٹیبل پر اس وقت ناشتے کا سماں تھا اور ہر چہرے پر رونق چھلک رہی تھی' رات میثم تعلیم مکمل کر کے گھر واپس آگیا تھا' سنعیہ' ممی' پاپا سب میثم کے آجانے پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے' اس وقت بھی ناشتے کی میز پر ان کی باتوں کا ذکر میثم تھا' آج ڈاکٹر شیراز اور انعم شیراز نے بیٹے کی واپسی کی خوشی میں ہاسپٹل سے چھٹی کی تھی' باقی سنعیہ کی تو چھٹی ہی تھی کیونکہ ایک ہفتہ بعد اس کے سمسٹرز تھے۔
''پاپا! میثم بھائی کی خوشی میں ایک زبردست فنکشن ہونا چاہئے''۔ وہ ناشتے سے انصاف کرتی گویا تھی۔
''ہاں بھئی' ہم تو اپنے بیٹے کی خوشی میں بہت بڑا فنکشن کریں گے''۔ ممی نہال لہجے میں بولی تھیں۔
''ارے بھئی میثم سے بھی تو پوچھو کب ہونا چاہئے فنکشن''۔ پاپا نے دونوں کی بے تابیوں پہ ہنس کر ان کی توجہ میثم پر مرکوز کرائی۔
''میرے خیال میں سنعیہ کے پیپرز ختم ہو جائیں تو ورنہ یہ ہلکو بلی پیپر کی تیاری چھوڑ کر اس بات پر پریشان ہو گی ہائے اللہ میں نے یہ سوٹ لینا ہے میں نے یہ جیولری لینی ہے''۔ میثم نے سنعیہ کا لہجہ اپنا کر اس کی نقل کی تو ممی پاپا ہنس دیئے۔
''میثم بھائی جائیں آپ سے نہیں بولتی کٹی کٹی وہ بھی پکی پکی پکی''۔ سنعیہ نے روٹھتے کہا تھا میثم بے ساختہ اس کی اس ادا پر ہنس پڑا اور اپنے کان پکڑ کر بولا۔
''سوری مادام! غلطی ہو گئی سوری''۔
''چلیں معاف کیا...... کیا یاد کریں گے کسی سخی سے پالا پڑا ہے''۔ سنعیہ نے شاہانہ انداز میں کہا تو ممی پاپا اور میثم کی جھٹ ہنسی چھوٹ گئی' کچھ توقف کے بعد وہ خود بھی قل قل کرنے لگی۔

◆.....☆.....◆

''شکر ہے خدا کا پیپرز سے تو جان چھوٹ گئی''۔ سنعیہ ایگزام ہال سے نکلی' شکر ادا کر کے بولی تھی۔
''پر ایک سال رہتا ہے اور ماسٹرز ہونے میں جناب! یاد ہے یا بھول بیٹھی ہو''۔ عشال نے اسے چھیڑا۔
''یاد ہے بالکل کہ اس بور یونیورسٹی میں مزید ایک سال غالب' اقبال' حالی' میر کو ضبط کرنا ہے مگر یار! ابھی میں بہت اچھے موڈ میں ہوں میری خوشی غارت نہ کرو''۔ سنعیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے منع کیا۔
''اچھا سنو عشال! وہ فرائی ڈے رات کو بھائی کے آنے کی خوشی میں فنکشن ہے' تم آؤ گی نا''۔ سنعیہ امید بھری

نگاہوں سے اس سے گویا ہوئی تھی۔

''میں...... میں کیسے آسکتی ہوں''۔ عشال بڑبڑا گئی تھی۔

''کیوں تم کیوں نہیں آسکتیں؟ کیا تم میری دوست نہیں ہو تم میری خوشی میں نہیں آسکتی بولو......'' سنعیہ شکایتی انداز میں بولی۔

''یہ بات نہیں ہے سنعیہ! وہ تمہیں پتہ ہے میں پردہ کرتی ہوں' سب سے اہم بات شاید اداسائیں اجازت نہ دیں''۔

''اداسائیں سے اجازت میں خود لے لوں گی' باقی رہ گئی پردے کی بات تو یار! میں تمہیں اپنے کمرے میں ہی بٹھاؤں گی پلیز تم انکار مت کرو''۔ سنعیہ نے قطعی کہا' عشال نے اس کی بات پر خاموشی اختیار کرلی مگر وہ پریشان ہوگئی تھی۔

☆

رات کو وہ جب پورے کام نپٹا کر اپنے روم میں جانے کو تھی ہی کہ اداسائیں نے اسے آواز دی۔

''عشال بیٹا! ابھی کچھ دیر قبل میرے سیل فون پر سنعیہ کی کال آئی ہے' غالباً ان کے ہاں فنکشن ہے اس کے بھائی کے آنے کی خوشی میں جمعہ کو''۔ ارمغان شاہ نے کہا تھا۔

''جی اداسائیں! وہ مجھے آج یونیورسٹی میں بھی سنعیہ نے انوائٹ کیا تھا مگر میں نے فوراً انکار کردیا تھا مگر وہ بہت مصر تھی تو میں نے آپ کا نام لیا کہ شاید آپ اجازت نہ دو''۔ عشال نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ ناراض نہ ہوں جائیں کہ میں خود رضامند ہوں اور سنعیہ کو خود کہا ہے فون کرنے کو' سو اس نے جھٹ حقیقت آشکار کی۔ ارمغان شاہ اس کے خوف زدہ اور فکرمند چہرے کو دیکھ کے مسکرائے۔

''میں بھلا کیوں اپنی عشال سے ناراض ہوں گا' اچھا تم جمعہ کو رات 7 بجے تک تیار رہنا میں تمہیں وہاں چھوڑ آؤں گا''۔ ارمغان شاہ نے بات سمیٹ کر کہا تھا۔

''پر اداسائیں! میں نے نہیں جانا' آپ کو پتہ ہے، میری عادت کا' دوسرا مجھے ڈر لگتا ہے کوئی دیکھ نہ لے' پہچان نہ لے یہ مشکل ہی تو ہم دھچکے سے سنبھلے ہیں' کوئی ہمیں پھر سے توڑ نہ دے''۔ عشال کی آنکھوں میں سوچتے نمی اتر آئی وہ بے بسی کے مارے لب کاٹتی رہی۔

''عشال بیٹا! کچھ نہیں ہوتا میری جان تم خود کو اتنا حساس کیوں بناتی ہو' اللہ مالک ہے' تم سب خدشے دور کرکے خود کو ریلیکس رکھا کرو میں ہوں نا تمہارا مضبوط سہارا''۔ ارمغان شاہ نے سمجھاتے ہوئے اس کے سر پر ہولے سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اوکے خود کو خوش رکھا کرو' زندگی کو انجوائے کرو' سنعیہ بہت اچھی لڑکی ہے اور اس نے اتنے پیار بھرے لہجے سے اصرار کیا کہ میں اگر اسے ناامید کرتا تو اس کا دل ٹوٹ جاتا' اور اس نے پکی یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ تمہیں باہر نہیں لے جائے گی' وہ تمہیں اپنے کمرے کی حد تک محدود رکھے گی' اسے ہماری روایات عزیز ہیں' اوکے اب سمجھی''۔ ارمغان شاہ نے شرارتی انداز میں کہا تو عشال ہولے سے ہنس پڑی گویا وہ جانے کے لئے مان گئی تھی۔

☆

بالآخر وہ دن بھی آگیا' اداسائیں 7 بجے اسے وہاں چھوڑ گئے تھے' میثم اور ڈاکٹر شیراز کے بے حد اصرار کے باوجود وہ 15 منٹ سے زیادہ وہاں ٹھہر نہ پائے تھے' فنکشن کا ٹائم اگرچہ 8 بجے تھا مگر سنعیہ نے عشال کو 7 بجے کا ٹائم

دیا تھا' عشال جیسے وہاں پہنچی تو اس کو ابھی تک گھر کے کپڑوں میں پاکر ٹھنک گئی تھی۔

''خیریت تم مجھے جلدی بلا کر خود یوں گھوم رہی ہو''۔

''ہاں یار! وہ ایک مسئلہ ہے اس لئے تمہاری ہیلپ چاہئے آؤ یار! میرے کمرے میں چلو''۔ سنعیہ اسے بازو سے پکڑتی اپنے کمرے میں لائی اور دروازہ بند کیا' البتہ روم ان لاک ہی تھا' عشال نے اپنا گاؤن اور اسکارف اتار کر دوپٹہ سر پر اوڑھ کر سنعیہ کی سمت دیکھا تھا۔

''یار مانا کہ تم سادگی پسند ہو مگر تم تو یہاں پارٹی میں آئی ہو میلاد میں تو نہیں نا''۔ سنعیہ سے اس کی سادگی ہضم نہ ہوئی تو ٹوک دیا اور مزید بولی۔

''مانا کہ تم بہت حسین ہو اور واقعی تم سادگی میں غضب ڈھا رہی ہو مگر یار! تم لپ اسٹک لگا لیتی''۔ وہ شکوہ کناں تھی۔ عشال نے سنعیہ کی شکایت پر آئینہ میں اپنا سراپا جانچا۔

سفید شیفون کا سوٹ' جس کی قمیص اور دوپٹہ پر عمدہ ستاروں والی کڑھائی کی ہوئی تھی' میک اپ سے مبرا دھلا ہوا خوبصورت چہرہ' جیولری کے نام پر گلے میں گولڈ کی ہلکی چین اور کانوں میں چھوٹے سے گولڈ کے خوبصورت ٹاپس' گھنے لمبے اور گھٹنوں کو چھوتا بالوں کا آبشار جس کو بل دے کر اس نے سیدھی چوٹی کا روپ دے رکھا تھا' اس نے خود سے نظر ہٹا کر سنعیہ کو تکا جو ڈریسنگ ٹیبل پر سجے کاسمیٹکس میں سے ایک لپ اسٹک اٹھائے اس کی جانب بڑھی۔

''لو یہ لگا لو اور کچھ نہیں تو یہ تو لگا سکتی ہو اور اگر انکار کیا تو میں پکا روٹھ جاؤں گی' یاد رکھنا عشال مرتضیٰ شاہ بخاری''۔ سنعیہ نے دھونس جماتے زبردستی اس کے ہاتھ میں لپ اسٹک پکڑائی۔ عشال نے اس کی دھمکی پر اس کی بات ماننے پر ہی عافیت جانی اور لپ اسٹک لگالی' میرون لپ اسٹک اسی کے پنکھڑی نما ہونٹوں پر سج کر نازاں ہوگئی تھی' خود پر اور اس کے مکھڑے پر خوب جچ رہی تھی۔

''اچھا اب یہ بال بھی کھول دو' ویسے تم بھی نہ عجیب ہو اتنے لمبے موٹے گھنے بال چھپائے رکھتی ہو' میں ہوتی تو سوتے وقت بھی کھلے رکھتی''۔ وہ اس کی زلفوں کو رشک بھری نگاہوں سے تکنے لگی۔

''ہرگز نہیں...... میں بال نہیں کھولوں گی' تم نے زبردستی کی تو میں یہ لپ اسٹک بھی اتار دوں گی''۔ عشال نے اسے وارننگ دی۔

''بڑی بدذوق لڑکی ہو''۔ سنعیہ نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔ عشال اس کے بسورتے منہ پر کھلکھلائی تو اس کا ابھرتا ڈمپل نمایاں ابھرا تھا۔

''اچھا بتاؤ تمہارا مسئلہ کیا ہے جو تمہیں مدد چاہئے''۔ عشال نے اس کی توجہ مسئلے پر دلائی۔

''ارے ہاں یار! میں بھول گئی ایک منٹ''۔ اس نے اپنی یادداشت کو کوسا اور وارڈروب کی جانب بڑھی اور دو سوٹ نکال کر بیڈ پر پھیلائے۔

''بتاؤ عشال! ان میں سے کونسا زیادہ خوبصورت ہے جو میں زیب تن کروں' ایک میں نے خود لیا تھا البتہ ایک میثم بھائی نے گفٹ کیا ہے''۔ عشال نے ملبوسات کو بغور دیکھا۔

ایک آتشی گلابی رنگ کا شیفون کا سوٹ تھا اس پر موتی اور دبکے کا کام کیا ہوا تھا مگر اس سے زیادہ خوبصورت دوسرا سوٹ تھا جو عشال کو پہلی ہی نظر میں بھا گیا تھا' وہ انارکلی پشواز سوٹ تھا' ریڈ اور گرین کلر پر نگوں اور ستاروں اور کندن کے کام نے پشواز کو اور حسین بنادیا تھا' عشال نے جھٹ اس پر ہاتھ رکھا۔

''یہ بہت پیارا اور خوبصورت ہے یہ پہنو''۔ سنعیہ کھل اٹھی۔

''واؤ تمہاری پسند ویری گڈ' ویسے یہ سوٹ مجھے میثم بھائی نے گفٹ کیا تھا ان کا اصرار تھا میں یہ پہنوں...... ویسے راز کی بات بتاؤں اس سوٹ کے آگے مجھے اپنا خریدہ گیا سوٹ کباڑہ لگ رہا تھا''۔ وہ عشال کو رازداری میں بتاتے ہوئے کھلکھلائی۔

''اچھا میں جلدی چینج کر کے آئی' آج تو فاروق صاحب کو اپنے حسن کے لشکارے سے شانے چت کرنا ہے' اوکے میں آئی''۔ سنعیہ تیزی سے ڈریسنگ روم کی جانب چلی ہی تھی کہ دروازہ کی کلک پر جہاں وہ ٹھٹکی وہاں عشال بھی چونکی۔

''ارے ممی آپ......'' سنعیہ نے اندر برآمد ہوتی ممی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا' عشال نے ڈاکٹر انعم شیراز کو دیکھا جو ساڑھی میں ملبوس بہت حسین اور باوقار لگ رہی تھیں ممی نے ایک بھرپور نظر عشال پر ڈالی تو سنعیہ نے تعارف کروایا۔

''ممی! یہ عشال ہے میری سوئٹ فرینڈ اور عشال! یہ میری خوبصورت اور دنیا کی بہت پیاری مام......'' سنعیہ نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈالی تھیں' عشال نے جھٹ انہیں سلام کیا۔

''مسکہ لگانا تو کوئی میری بٹیا سے سیکھے''۔ ڈاکٹر انعم نے پیار سے اس کے سر پر چپکی ماری پھر عشال کے قریب آ کر بولی تھیں۔

''پہلے میری ایک بٹی تھی مگر آج سے میری دو بیٹیاں ہیں ایک سنعیہ ایک عشال''۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے عشال کی فرط مسرت سے پیشانی چومی اور کہا۔

''جیتی رہو سدا خوش رہو' اللہ یونہی سدا تمہارا حسن مہکتا شاداب رکھے''۔ عشال کی آنکھیں اس پیار میں بھیگ گئیں۔

''تھینکس آنٹی''۔

''آنٹی نہیں ممی کہو اوکے''۔ اور پھر ان کی نظر سنعیہ پر پڑی تو چونک اٹھیں۔

''ارے تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں' باہر مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں' ہماری دختر نیک اختر کو کوئی فکر ہی نہیں چلو اٹھو تیار ہو جاؤ''۔

''جی جی ممی! میں بس یوں تیار ہو کے آئی''۔ سنعیہ نے ان کی ہدایات پر جواباً کہا تو وہ عشال کو دیکھتی گویا ہوئیں۔

''اوکے عشال! تم سے بعد میں ملاقات ہوتی رہے گی' میں ذرا باہر مہمانوں کو دیکھوں''۔

☆

پورے فنکشن کے دوران سنعیہ' عشال کے ساتھ اپنے روم میں ہی رہی تھی...... ہاں البتہ وہ باہر سب خاندان والوں اور ممی' پاپا کے فرینڈز کو ہیلو ہائے کر کے آئی تھی' خاندان میں تو کسی لڑکی سے اس کی دوستی تھی نہیں جو وہ ان کے ساتھ باہر وقت گزارتی سو وہ عشال کو اور عشال اسے کمپنی دیتی رہی۔

''تمہارا گھر بہت خوبصورت ہے''۔ عشال نے سراہا۔

''ہاں پاپا نے اپنی مرضی سے اسے اسپیشل بنوایا تھا''۔

''ویسے تمہارے فاروق صاحب نہیں آئے؟'' عشال نے اسے چھیڑا۔

''ارے اسے تو میں نے پورے کا پورا شانے چت کیا ہے' ایسی ایسی بجلی گرائی ہے کہ وہ ہوش گنوا بیٹھا ہے' وہ باہر

ابھی تک میرے حسن کے قصیدے گا رہا ہے''۔ سنعیہ شوخی سے اترائی۔

''اچھا سنو میں پانچ منٹ میں آئی کھانا لے کر' دروازہ آدھا کھلا چھوڑے جا رہی ہوں سب نیچے ہیں اوکے''۔ سنعیہ اور میثم کا روم اوپر تھا' باقی سب نیچے اور پارٹی کا فنکشن بھی نیچے لان میں رکھا گیا جہاں رنگ و بو کا سیلاب عروج پر تھا اور روشنی کا بہتا سمندر خود پر نازاں...... عشال کھڑکی پر آئی اور دبیز پردے کو تھوڑا سرکا کر نیچے جھانکنے لگی۔

☆

میثم نے روم میں آ کر ٹیبل سے موبائل اٹھایا اور پاکٹ میں ڈال دیا اور روم سے باہر نکل کر دروازہ بند کیا' وہ موبائل اوپر اپنے روم میں ہی بھول آیا تھا سو وہ نیچے سے اپنے موبائل لینے اپنے روم میں آیا تھا' وہ کوریڈور کی سیڑھیاں عبور کرنے کو نیچے جانے کے لئے قدم زینہ پر رکھنے کو تھا کہ سنعیہ کے روم کا آدھا دروازہ کھلا دیکھ کر ٹھٹک گیا' اس نے آدھے کھلے دروازہ سے اندر جھانکا تو سنعیہ کھڑکی کے پاس نظر آئی۔

''یہ بلی کھڑکی کے پاس کیا کر رہی ہے' نیچے کب سے فنکشن شروع ہے مگر ایک بار بھی مجھے نظر نہیں آئی''۔ وہ بڑبڑایا تو یکدم اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''اوہو سمجھ گیا''۔ میثم نے ہونٹ سکیڑے۔

''یہ یقیناً اپنے بچپن کی حرکتیں دہرا رہی ہے اوپر سے چھپ چھپا کے چیزیں پھینکنا تاکہ نیچے والے ڈر جائیں''۔ وہ یکدم مسکایا اور سنعیہ کے ساتھ شرارت کرنے کو دبے دبے پاؤں بڑھتا آگے بڑھا' اسے ابھی تک یہ علم نہ تھا کہ سنعیہ کی کوئی یونیورسٹی کی فرینڈ آئی ہے جو اس کے روم میں ہے' وہ دبے دبے قدم بڑھاتا اس کے قریب آیا اور اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں گھیر کر اپنی طرف گھما ڈالا اور زور سے چلایا۔

''ہاؤ......'' عشال جو اپنے آپ میں مگن تھی وہ اس اچانک حملے پر سنبھل نہ پائی تھی میثم نے انجان چہرہ دیکھا اور ساکت اور جامد ہو گیا' عشال کی ذہنی کیفیت ابھی ہوش میں نہ آئی تھی وہ ابھی تک حملے کی زد میں تھی' اس کے سر پر اوڑھا آنچل سرکتے شانے پر اٹک گیا تھا' اس کی جھیل سی آنکھوں میں خوف تھا' وہ ابھی تک اس کی بانہوں میں تھی میثم خود سن رہ گیا' پھر اچانک جیسے عشال ہوش سے آشکار ہوئی' وہ خود کو اس کے حصار سے چھڑاتے دیوار سے لگ کر حلق کے بل چیخ اٹھی اور چیختی چلاتی رہی۔ سنعیہ جو نیچے ملازم کو کھانے کا کہہ کر اوپر روم میں آنے کے لئے ابھی سیڑھیوں پر ہی تھی کہ عشال کی پے در پے چیخوں پر وہ لرز اٹھی اور سرعت سے بھاگتی اپنے کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھولا تو اندر کی صورتحال دیکھ کر اس کے پاؤں وہیں جمود ہو گئے۔ میثم جو ابھی تک صورتحال سے انجان ہو کر گم صم سا عشال کی پشت کو گھورے جا رہا تھا' وہ دھڑ سے دروازہ کھلنے پر مڑا تو دروازے پر ایستادہ سنعیہ کو دیکھ کر اس کی جان آئی۔

وہ عشال کے قریب آئی جو دیوار کی طرف چہرہ لئے زار و قطار روتی جا رہی تھی' سنعیہ کو خطرہ محسوس ہوا اس نے شکی نگاہوں سے بھائی کو تکا تو وہ بوکھلا گیا۔

''اسے باہر بھیج دو خدا کے لئے باہر بھیج دو''۔ عشال چلائی تو سنعیہ نے میثم کو جانے کا اشارہ کیا' جیسے وہ نکلا سنعیہ نے دروازہ لاک کیا۔

''کیا ہوا ہے عشال! بتاؤ نہ پلیز رومت''۔ اس نے بکھری عشال کو اپنے گھیرے میں لیا تو وہ روتے روتے اٹک اٹک کر سب بتاتی گئی' اس نے شکر کی ٹھنڈی سانس بھری کہ اسے جو غلط کا شک ہوا تھا ایسا کچھ نہیں تھا' وہ سمجھ گئی کہ میثم

بھائی انجانے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے' اس نے فی الحال حقیقت کو التواء پر رکھا اور اسے سنبھالنے لگی۔

"مجھے واپس جانا ہے ابھی اور اس وقت...... م...... میرا پرس کہاں ہے؟ میں ادا سائیں کو بلاتی ہوں"۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی پرس تلاشنے لگی۔

"پلیز عشال! دیکھو بھائی کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں' وہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے ورنہ وہ ایسے نہیں یار...... پلیز عشال"۔ سنعیہ آخر میں روہانسی ہو گئی۔

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی' تم نے کہا تھا تم میری حفاظت کرو گی' یہ حفاظت کی تم نے میری کہ خود گئی اور اپنے پیچھے بھائی کو بھیجا' دھوکا دیا ہے تم نے مجھے دھوکا"۔ اس نے اشتعال میں سنعیہ کو نفرت سے دھتکارا' سنعیہ اس کے الزام پر حق ودق اور دھنگ سی رہ گئی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عشال اس پر اتنا بڑا الزام...... اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر آئیں اس نے دکھ بھری نظروں سے عشال کو دیکھا جو ادا سائیں کو کال کر کے بلا رہی تھی۔

"نہیں فنکشن ختم نہیں ہوا پر میں آنا چاہتی ہوں واپس پلیز آپ آئیں بس"۔ وہ کال پر ادا سائیں سے ضد کر کے بولی اور کھٹ سے فون بند کر دیا۔

"اگر تمہیں لگتا ہے نہ عشال! کہ میں نے تمہیں دھوکا دیا ہے تو یوں ہی سہی مگر ایک لمحے کو اتنا ضرور سوچنا کہ میں نے یہ سب کرنا ہوتا تو پہلے ہی کب کا کر دیا ہوتا"۔ یہ کہتے ہوئے سنعیہ روتی کمرے سے چلی گئی اور عشال ندامت میں آ گئی۔

⟡............☆............⟡

وہ روتے روتے عشال کی الزام تراشی سناتے ہوئے سسک پڑی تھی' میثم نے بمشکل اسے چپ کروایا تھا اور اسے ابھی سونے کے لئے بھیجا تھا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا"۔ وہ خود کو کوستا چیئر سے اٹھ کر بیڈ پر نیم دراز لیٹا تو چھم سے عشال اس کی آنکھوں میں سمائی' ہراساں آنکھیں' چہرے پر پھیلا ہوا حزن' حوروں جیسا روپ' بل کھاتی کمر پر لمبی چوٹی' اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں لیکن دل تھا کہ عجیب لے پر دھڑکا جا رہا تھا' محبت کا جادوگر اپنی فسوں سازی میں اس کا وجود لپیٹے جا رہا تھا' دل میں ہولے ہولے سے میٹھا درد شروع ہو چکا تھا۔

"ہاں واقعی محبت اپنا جال خود پھینک کر انسان کا وجود اس میں جکڑتی ہے ویسے ہی جیسے سیدزادی تم نے اپنی محبت کے پیراہن میں بس اک نظر میں لپیٹ لیا ہے"۔ وہ عشال کو مخاطب کر کے آنکھیں موند گیا۔

⟡............☆............⟡

عشال گھر پہنچ کر تا دیر تک خود کو ملامت کرتی رہی کہ اسے سنعیہ پر شک نہیں کرنا تھا اس کے آنسو' اس کا دھواں دھواں چہرہ ابھی تک اسے ندامت کی چادر میں لپیٹے جا رہے تھے' اس نے سیل فون اٹھا کر سوری لکھ کر سنعیہ کے نمبر پر سینڈ کر دیا اور اگلے ہی پل سنعیہ کی کال پر اس کا سیل بج اٹھا' سنعیہ کی روتی' کانپتی آواز نے اسے اور ندامت میں ڈال دیا' سنعیہ نے پوری حقیقت جو اس نے میثم سے سنی تھی سب روتے روتے اسے بتائی تھی' وہ اس سے بہت ناراض تھی' بہت مشکل سے عشال نے اسے منایا تھا اور اپنے رویئے پر سوری کی اور تب اس کے جسم میں جان پڑی جب سنعیہ نے اسے معاف کیا۔

⟡............☆............⟡

زندگی کے تھال میں دنوں کے سکے تیزی سے گرتے جا رہے تھے اور زندگی تیز رفتار سے اپنی روانی سفر جاری

رکھے ہوئے تھی' میثم اپنے بزنس میں بزی تھا۔ ادھر عشال اور سنعیہ کی دوستی بھی پہلے سے زیادہ مضبوط تھی' صرف ایک اپنے ماضی اور خاندان کے علاوہ عشال ہر بات ہر مشکل سنعیہ سے شیئر کرتی تھی' آج ان دونوں کا رزلٹ آنا تھا' عشال نے اپنی کلاس میں کیا پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تھا' جبکہ سنعیہ بھی اچھے نمبروں سے پاس ہو گئی تھی' سنعیہ کو جیسے رزلٹ معلوم ہوا وہ بھاگتی ہوئی میثم کو بتانے دوڑی۔

"میثم بھائی...... میثم بھائی"۔ وہ جو ابھی گھر لوٹا تھا' شام میں ابھی شاور لینے جا رہا تھا کہ بھاگتی ہوئی اتھل پتھل سانسیں لیتی سنعیہ کی آمد نے اسے روک دیا۔

"ارے ارے آرام سے بھلکو بلی! کیا ہوا ہے؟"

"میثم بھائی! آئی ایم ویری ویری ہیپی پتہ ہے ابھی ابھی نیٹ پر اپنا رزلٹ دیکھ کے آئی ہوں میں پاس ہو گئی"۔ وہ خوشی سے میثم کو گول گھماتے بولی تھی۔

"ارے واقعی یہ تو بہت بڑی خوش خبری ہے' میری پیاری سی بہن کو بہت بہت مبارک ہو"۔ میثم نے پیار سے اس کی ناک دبائی۔

"تھینک یو جناب! پر یاد رکھیں میں آپ سے اپنی پسند کا گفٹ لوں گی اوکے"۔ سنعیہ نے اس کے شانے پر ہاتھ پھیلاتے کہا تھا۔

"ارے بھئی ہاں ہاں لے لینا' اچھا تمہاری دوست پاس نہیں ہوئی؟" دل تو کب سے کہہ رہا تھا جان جاں کا پوچھنے کو مگر وہ انتظار میں تھا کہ شاید سنعیہ خود بتا دے مگر اب کی بار وہ دل پر ضبط نہ رکھ پایا تو پوچھ لیا۔

"ارے میثم بھائی! اس کا ایسا ویسا کیا پاس' اس نے تو پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کیا ہے"۔

"واؤ...... ٹاپ کیا ہے زبردست"۔ میثم کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں اور دل میں جیسے پھول کھل اٹھے' سنعیہ نے میثم کے چمکتے اور کھلتے چہرے پر نگاہ ڈالی جو عشال کے ذکر سے کھل اٹھا تھا اور لب پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی' اسے کچھ کچھ تو سمجھ آنے لگا مگر وہ اس کو ٹٹولنے لگی۔

"بھائی! ایک بات پوچھوں......؟" سنعیہ نے تمہید باندھی وہ جو سرشاری میں مگن بیڈ کی کراؤن پر ٹیک لگا کے نیم دراز تھا چونک اٹھا۔

"ہاں پوچھو کیا بات ہے"۔ اس نے اپنا رخ سنعیہ کی طرف موڑا۔

"آپ عشال سے کیا محبت کرتے ہو......؟" سنعیہ نے کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیتے استفسار کیا تھا وہ سوال سن کر اندر سے پریشان ہو گیا کہ سنعیہ کو کیسے علم ہو گیا سو فوراً پوچھ لیا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"آپ کی حرکتوں سے"۔ وہ اس کے ہونق پن چہرے کا حظ لیتی کھلکھلائی۔

"اوئے شریر' بھائی کا مذاق اڑاتی ہو بلی"۔ اس نے خفگی سے اسے گھورا تو وہ مزید کھل اٹھی' میثم اس سے ناراض ہو تا کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر نیچے جھانکنے لگا۔ وہ ہونٹوں پر مسکان دبائے میثم کی پشت سے لگ گئی اور اس کے شانے پر بازو اٹکاتے بولی۔

"بھائی جی! شک تو مجھے کبھی کا ہو گیا تھا' میں جب بھی عشال کا آپ سے ذکر کرتی تھی تو آپ کی آنکھیں چمک اٹھتی تھیں اور یہ جو آپ کا مکھڑا حسین ہے نا اس پر ہزار واٹ کا بلب اپنا جماتا تھا اور پھر آپ کا بیٹھے بیٹھے خلاؤں میں کھو جانا' آپ ہی آپ مسکا دینا' کچھ انہونی کا غماز تھا' جناب ہم تو اڑتی ہوئی چڑیا کے پر بھی گن سکتے ہیں"۔ سنعیہ

اترائی تو وہ اس کی چالاکی پر ہنستے ہوئے گویا ہوا۔

"تم کچھ زیادہ چالاک نہیں ہوگئی بلی بھلکو"۔ تو جواباً وہ ہنس پڑی اور میثم بھی اس کا ساتھ دینے لگا۔

☆

اگلے دن سنعیہ ٹاپ کی خوشی میں عشال سے ملنے گئی' صبح سے شام جب وہ بھرپور دن عشال کی سنگت میں گزار کر گھر جانے کے لئے قصد باندھا تو روانہ ہونے سے پہلے اس نے ایک لفافہ عشال کو دیتے کہا۔

"عشال! یہ تمہارے لئے ہے میرے جانے کے بعد کھولنا"۔ عشال نے لفافہ تھامتے ہوئے حیرت سے پوچھا تھا۔

"پر اس میں ہے کیا سنعیہ......؟"

"ارے بابا! پریشان کیوں ہوتی ہو گھبراؤ مت' بم نہیں ہے او کے' باہر ہارن کی آواز آرہی ہے یقیناً ڈرائیور لینے آ گیا ہے بائے بائے"۔ اس نے عشال سے الوداعی کلمات کہے اور یہ جا وہ جا۔

عشال حیران سی ہو کر لفافہ ہاتھ میں پکڑے اپنے کمرے میں آئی اور صوفے پر دھنس کر لفافہ چاک کرنے لگی تو اندر سے ایک بے حد خوبصورت گلابی کلر کا کارڈ نکلا' جس پر بڑی بڑی ورڈنگ سے my love لکھا ہوا تھا اس نے کارڈ کھولا تو اس کی نظر کارڈ پر لکھی گئی تحریر پڑی' اتنی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ اور وہ بھی سنعیہ کی؟ وہ الجھی کہ سنعیہ کی رائٹنگ راتوں رات اتنی خوبصورت کیسے ہوگئی' خیر الجھے الجھے انداز میں اس نے پڑھنا شروع کیا۔

"میں ہمیشہ صاف بات کہنے کا عادی ہوں عشال مرتضیٰ! اور میں آج بھی صاف گوئی سے تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ میں تم گڑیا جیسی بھولی بھالی لڑکی سے بہت محبت کرتا ہوں اور میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں ول یو میری می؟ تو کیا تم زندگی کے سفر میں میرا ساتھ دینا چاہو گی سید زادی......؟" فقط میثم شیراز

عشال کے رخسار تپ تپا اٹھے وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کے رہ گئی' اس نے فوراً سنعیہ کو فون کھڑکایا' لائن ملتے ہی وہ اس پر برسنا شروع ہوگئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے سنعیہ! کہہ دو کہ یہ سب تمہاری شرارت ہے' بولو کیا ہے؟ تمہیں شرم نہیں آتی ایسی چیپ حرکت کرتے ہوئے"۔ دوسری جانب سے سنعیہ اس کے لہجے میں غضب کو محسوس کر کے پہچان گئی کہ اس نے کارڈ پڑھ لیا لیکن وہ ابھی راستے میں تھی سو عشال کو اتنا کہا۔

"میں ابھی راستے میں ہوں عشال! میں گھر جا کے تم سے بات کرتی ہوں"۔ دوسری طرف سے عشال نے غصے کے مارے کال کٹ کر دی۔

☆

شومئی قسمت کے جب 8 بجے رات کو سنعیہ گھر پہنچی تو اس کے سسرال والے آئے ہوئے تھے گپ شپ اور پھر ڈنر اور ٹی ٹائم ہوتے ہوتے وقت تیزی سے گزرتا رہا' رات جب 12 بجے اس کے سسرال والے رخصت ہوئے تو سنعیہ کی آنکھیں نیند سے بھرپور بوجھل تھیں وہ سیدھی کمرے میں آئی بیڈ پر لیٹی تو 5 منٹ بعد ہی وہ نیند کی وادی میں اتر چکی تھی' وہ بھول چکی تھی کہ اس نے عشال کو کال کا ٹائم دیا تھا۔

وہ نیند میں ہی تھی کہ کال کی بجتی رنگ ٹیون نے اس کی نیند میں خلل ڈال کر کوفت اور بے زاری سے بہ مشکل آنکھیں وا کی اور گھڑیال کی جانب نظر دوڑائی تو صبح کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے اس نے سیل فون پر کال نمبر دیکھا جو ابھی تک ہنوز بجا جا رہا تھا۔

"عشال کی کال وہ بھی اتنی صبح"۔ وہ بڑبڑائی۔

"ہیلو عشال! کیا ہوا ہے خیریت تو ہے اتنی سویرے فون"۔ اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"سنعیہ بیٹا! میں ہوں ارمغان"۔ دوسری جانب سے آواز آئی۔

"ارے اداسائیں آپ......؟" وہ عشال کی دیکھا دیکھی انہیں بھی وہ اداسائیں کہتی تھی۔

"سوری سنعیہ! میں نے تمہیں اتنی صبح صبح پریشان کیا وہ اصل میں عشال کو تیز بخار ہے۔ بہت اور آج ہی میری آفس میں اہم میٹنگ ہے اس لئے آفس جانا ضروری ہے مگر میں عشال کو خراب طبیعت میں تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتا اگر تم میرے آنے تک عشال کے ساتھ......" ارمغان شاہ نے بات مکمل کرنی ہی چاہی تھی مگر سنعیہ ان کی ادھوری بات سمجھتے ہی آدھ میں ان کی بات کاٹتے بولی تھی۔

"میں ابھی آتی ہوں آدھے گھنٹے میں او کے"۔

☆

آدھے گھنٹے کے بعد وہاں موجود تھی اس نے بیل دی تو دروازہ ارمغان شاہ نے کھولا' وہ آفس کے لئے بالکل تیار تھے بس انہیں سنعیہ کا انتظار تھا وہ اس کا شکریہ ادا کر کے اور تین چار گھنٹوں کی واپسی کا کہتے آفس کے لئے نکلے تو سنعیہ دروازہ بند کرتی عشال کے کمرے میں آئی تو وہ دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھی وہ کمرے سے نکل کر کچن میں آئی کہ عشال کے لئے دلیہ بنا دوں مگر کچن میں پہنچ کر اس کی حالت غیر ہوگئی' سارا کچن الٹا پڑا تھا' سلیب پر چینی اور پتی کے ڈبے کھلے پڑے تھے' انڈوں کے چھلکے فرش پر سجدہ ریز ہوکے فرش چوم رہے تھے' سنک پر ڈھیر سے برتن اپنی قسمت پر رو رہے تھے سنعیہ کو ترس آنے لگا۔

عشال بیمار، اماں بی بی اپنے گاؤں' بے چارے اداسائیں نے ناشتہ کیا بھی ہوگا کہ نہیں خیر اس نے دلیہ پکنے کے لئے چولہے پر رکھا اور خود کمر بستہ ہو کر کچن کو سدھارنے میں لگ گئی بے شک سنعیہ کے گھر ملازم تھے مگر ڈاکٹر اقعم نے اسے کوکنگ اور ڈسٹنگ کی عادت ڈال رکھی تھی' یہی وجہ تھی کہ وہ ایک گھنٹے میں نہ صرف کچن بلکہ پوری فلیٹ کی صفائی کر چکی تھی' وہ صفائی کے بعد عشال کے کمرے میں آئی جو ابھی تک نہیں اٹھی تھی' وہ آہستگی سے اس کے بیڈ پر دراز ہوئی اور اس کا جائزہ لینے لگی جو ایک ہی رات میں مرجھا گئی تھی اس کی گلابی رنگت زردی ہوگئی تھی نہ جانے اسے کیا ہوا اس کا اتنا دل بھر آیا کہ وہ عشال کا ہاتھ پکڑ کر سسک اٹھی' نہ جانے کتنی دیر تک دل کا غبار نکالتی رہی کہ اچانک عشال کے جنبش کرتے جسم کو دیکھ کر ٹھٹکی' اس نے چونک کر عشال کو دیکھا جو اٹھ گئی تھی' عشال کی جیسے نظر سنعیہ پر پڑی تو وہ ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ میں مقید اپنا ہاتھ کھینچتے بولی۔

"کیوں آئی ہو یہاں اور کتنا میری ذات کا تماشہ لگانا چاہتی ہو؟" اس کے لہجے میں نفرت کی پھنکار تھی۔

"عشال! میں"۔ سنعیہ نے کچھ کہنے کی غرض سے جیسے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چلا اٹھی۔

"اپنے گندے غلیظ ہاتھ سے میرے جسم کو مت چھوؤ کیا سمجھ کر تم نے وہ کارڈ والا مذاق کیا بولو؟"

"وہ مذاق نہیں عشال! وہ ایک حقیقت ہے' میرے بھائی کو سچ میں تم سے محبت ہے عشال پلیز' ان کے جذبوں کو مذاق کا نام مت دو"۔ سنعیہ تڑپ کر گویا ہوئی تھی۔

"مجھے کتنا جانتا ہے تمہارہ بھائی...... کیا میرا ماضی میرے گذشتہ کل سے وہ واقف ہے"۔ سنعیہ لاجواب سی ہوگئی مگر اس نے ہار نہ مانی۔

"ہاں وہ نہیں جانتے تمہارا ماضی مگر وہ تم سے بہت شدت سے محبت کرتے ہیں عشال! انہیں غرض تم سے ہے تمہارے ماضی سے نہیں"۔ عشال جواباً پھوٹ پھوٹ کر تھک ہار کے سسک دی' اس کی آنکھوں سے اشک اس کی گود

میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔

''وہ کیوں اپنی زندگانی کو پتھروں کی حویلی سے ٹکرانے کا سبب بنا رہے ہیں اس پتھر حویلی کے پتھر لوگ اس کے پاؤں چھلنی چھلنی کر دیں گے مگر خوش خبری اس کا کبھی مقدر نہیں بنائیں گے' آؤ سعیہ! میں اس پتھر حویلی سے آج تمہیں روشناس کراتی ہوں جہاں پر میرا ماضی دفن ہے''۔ سعیہ کی نگاہیں اس جھلملاتی لڑکی پر گئی جو آخرکار تھک ہار کر اس کے سامنے اپنی ماضی کی داستان کو آواز دے رہی تھی۔

☆

گھوٹکی کے قریب گوٹھ مرتضٰی شاہ میں پورے گاؤں کی سرداری سید مرتضٰی شاہ کی ہی چلتی تھی' اس کے گاؤں تک کو یہ ہمت نہ تھی کہ وہ مرتضٰی شاہ کی کسی بات سے انکار کریں' سید مرتضٰی شاہ گاؤں کا ایک ایسا جابر وڈیرہ تھا کہ وہ کسی کے اوپر ظلم کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا' مرتضٰی شاہ گاؤں کا ظالم اور جابر وڈیرہ تو تھا ہی مگر وہ ایک ظالم شوہر اور ظالم باپ بھی تھا' سید مرتضٰی شاہ نے دو شادیاں کی تھیں' بڑی بیوی سے اسے ایک ہی بیٹا ارمغان شاہ اور تین بیٹیاں عشنا' عشال اور علیشاہ جبکہ دوسری شادی مرتضٰی شاہ نے اپنی پسند پر کی تھی عالیہ بیگم سے جو ان کے دوست کی بیٹی تھی' عالیہ بیگم سے انہیں دو بیٹے تھے' سلیمان شاہ بخاری اور سلمان شاہ بخاری جو اگرچہ ارمغان شاہ سے چھوٹے تھے مگر تین بہنوں سے بڑے تھے' سلیمان اور سلمان دونوں باپ کی طرح عیاش پسند اور مظلوم پر ظلم کی انتہا کرنے والے تھے پر ارمغان شاہ کی فطرت میں اپنی ماں شازیہ بیگم جیسی رحم دلی' خوش مزاجی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ ارمغان شاہ کبھی راہ سے بھٹکا نہیں تھا اور اس کا دل و دماغ بھی برائی سے پاک تھا۔

سید مرتضٰی شاہ بخاری کے آگے شازیہ بیگم کو تو کوئی عزت تھی ہی نہیں اور نہ ہی وہ تینوں کے وجود کو پسند کرتا تھا' البتہ ارمغان شاہ ان کا وارث تھا سو وہ ان پر بہت جان لٹاتے تھے' سلیمان اور سلمان سے زیادہ مگر وقتاً فوقتاً گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ عالیہ بیگم' ارمغان شاہ کے خلاف مرتضٰی شاہ بخاری کے کان بھرتی آئی کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ مرتضٰی شاہ ارمغان شاہ سے زیادہ ان کے بیٹوں کو اہمیت دیں اور جب تعلیم مکمل کرنے کے بعد مرتضٰی شاہ گوٹھ میں سنبھالنے کے بجائے ارمغان شاہ نے جاب کو ترجیح دی تو اس موقع کو عالیہ بیگم نے ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ایسے ایسے جھوٹ ارمغان شاہ کے خلاف بول کر مرتضٰی شاہ کا دل خراب کیا کہ ارمغان شاہ کے لئے مرتضٰی شاہ کے دل میں عناد بڑھ گیا۔

☆

دن جیسے پر لگاتے گزرتے جا رہے تھے' مرتضٰی شاہ' سلیمان شاہ اور سلمان شاہ کی وہی روایات اور سختیاں گوٹھ کے لوگوں پر عذاب تھیں اور ادھر گھر میں فقط عالیہ بیگم کی حکمرانی تھی' وہ شازیہ بیگم اور ان تینوں بہنوں کو نوکرانی سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتی تھی' عشال بہنوں میں بڑی تھی سو اس کی طبیعت میں بھی اپنی ماں شازیہ بیگم کی طرح دھیما پن اور نرم مزاجی' صابر طبیعت بھری ہوئی تھی جبکہ اس سے چھوٹی عشنا اور علیشاہ میں ضد' بے چینی بھری ہوئی تھی' وہ عالیہ بیگم کی ہر بات پر منہ پر جواب دیتی تھیں اور وہ ہر وقت عشال اور شازیہ بیگم کی عالیہ بیگم کے لئے کی گئی خدمات پر کڑھتی رہتی تھیں۔

☆

''عشال آپی......'' علیشاہ نے اپنے کورس کی کتابوں میں مگن عشال کو آواز دی۔ ان تینوں بہنوں میں بہت محبت تھی اور اسی محبت کے طور پر وہ تینوں ایک ہی کمرے میں رہتی تھیں' بچپن سے لے کر اب تک وہ تینوں ساتھ اکٹھی رہتی تھیں بڑے ہونے پر شازیہ بیگم نے انہیں لاکھ کہا کہ حویلی میں سات آٹھ کمرے خالی ہیں تم لوگ اپنے اپنے لئے

چن لو مگر وہی کہ وہ لوگ ایک پل بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتی تھیں حالانکہ تینوں کی عمروں میں فرق تھا' عشال ان دنوں BA میں تھی تو عشنا انٹر میں جبکہ علیشاہ 9th کی اسٹوڈنٹ تھی۔

''ہوں بولو علیشاہ!'' عشال نے ہنکارا ابھرا۔

''عشال آپی! ہمارے بابا ایسے کیوں ہیں' ہمیں پیار تک نہیں کرتے؟'' علیشاہ کا لہجہ یاسیت سے لبالب تھا۔ عشال جو کتابوں میں مگن تھی وہ سوال سن کر ٹھٹک گئی اور بے اختیار نگاہ علیشاہ کی طرف کی جس کے چہرے پر کیا کیا نہ تھا مایوسی' یاسیت' معصومیت اور پریشانی' عشال اس سے نظریں چراتے بولی۔

''ایسا تو کچھ نہیں میری جان! وہ بس بابا مصروف رہتے ہیں نا''۔

''بس کریں عشال آپی! کب تک حقیقت پر پردہ رکھ کر ہمیں بہلاتی رہیں گی''۔ عشنا کمرے میں داخل ہوتی تنک کر بولی اور دھپ سے بیڈ پر گری۔

''عشنا پلیز......'' عشال نے اشاروں اشاروں سے بات کھولنے سے منع کرتے اسے تنبیہ کی۔

''اونہہ......'' عشنا نے نخوت سے ناک سکیڑی۔ عشال نے علیشاہ کی طرف نگاہ موڑی' تا دیر تک وہ اسے جھوٹے بہلاوے سے تسلی دیتی رہی وہ نہیں چاہتی تھی کہ علیشاہ کا اس طرف دھیان اٹھے' وہ ابھی چھوٹی تھی وہ اس دکھ سے اسے آشنا نہیں کرانا چاہتی تھی جو اس کے اور عشنا کی رگوں کو کاٹتا تھا۔

☆

اس وقت وہ تینوں ماں کے ساتھ آپس میں پیار بانٹ رہی تھیں۔

''اماں سائیں! مجھے اداسائیں بہت یاد آتے ہیں وہ کب آئیں گے؟'' عشنا نے اچانک سر اٹھا کر ماں سے پوچھا تھا۔

''ہاں نہ اماں سائیں! اداسائیں مجھے بھی بہت یاد آتے ہیں کتنا عرصہ ہو گیا ہے وہ نہیں آئے پورے 8 ماہ''۔ علیشاہ نے انگلیوں پر حساب گنتے بتایا۔

شازیہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں بیٹے کی یاد تو انہیں بھی تڑپا دیتی تھی۔ ارمغان شاہ باپ سے لڑ کر حیدرآباد چلا گیا اور کبھی نہ آنے کا عہد کر گیا تھا مگر ماں سے برابر فون پر بات کرتا تھا اور یہ بات بس ماں اور بہنوں کے علم میں تھی اگر بابا سائیں کو علم ہو جاتا تو اس حویلی میں طوفان برپا ہو جاتا۔

''بس میری بیٹیوں! دعا کرو وہ جہاں رہے سکون سے رہے''۔ شازیہ نے دوپٹے سے اپنی بھیگی آنکھیں صاف کیں۔ انہوں نے ابھی تینوں کو نہیں بتایا تھا کہ ارمغان شاہ کے لئے مرتضٰی شاہ حویلی کے دروازے بند کر چکا ہے۔

''اماں! مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے''۔ عشال کچھ جھجکتے ہوئے مدد طلب نگاہوں سے انہیں تکتے ہوئے بولی۔

''ارے عشال! کہو نہ کیا بات ہے''۔ ماں نے ہنس کر کہا۔

''اماں سائیں! وہ آپ بابا سائیں سے کہیں نا وہ مجھے پرائیویٹ ایم اے کرنے کی اجازت......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر سراسیمگی نگاہوں سے اور التجائیہ نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی۔

''وہ نہیں مانیں گے عشال! میری بیٹی وہ تو تینوں کو پڑھانے کے حق میں تھے ہی نہیں یہ تو ارمغان تھا جس کی ضد پر آج تم بی اے تک پڑھ پائی ہو' شاہ سائیں نہیں مانیں گے عشال! میں نے پہلے بھی ان سے بات کی تھی' یہ تو میں ہی جانتی ہوں کہ وہ تم تینوں کے پیپرز تک کیسے رکے ہیں ورنہ وہ تو کہتے ہیں کہ علیشاہ میٹرک کے بعد' عشنا انٹر اور تم بی

اس کے بعد بالکل آگے نہیں پڑھو گی' میں کیا کروں بیٹا؟ میں بھی مجبور ہوں"۔ شازیہ کی آنکھیں تینوں کے غمگین چہرہ دیکھتے ہوئے بھر آئیں۔

"جی نہیں میں تو اپنی مرضی سے پڑھوں گی جتنا میرا دل چاہے گا"۔ عشنا باپ کے سخت فرمان پر کڑھ کے بولی۔

"اچھا اب تم تینوں سو جاؤ کافی ٹائم ہو گیا ہے میں چلتی ہوں"۔ شازیہ بیگم گھڑیال کی طرف دیکھتے نیچے اتر کر پیر چپل میں اڑستے ہوئے اور انہیں سونے کا حکم دے کر باہر نکل گئیں۔

☆

دن جیسے پر لگاتے اڑتے جا رہے تھے' عشنا اور علیشاہ کے ایگزام عشال سے پہلے ہو کر ختم بھی ہو گئے تھے اور آج عشال کا بھی لاسٹ پیپر ہو کر اپنی اختتامی منزل پر پہنچ چکے تھے دن رات پڑھائی کرنے کی صورت میں وہ ان دنوں مشکل سے ہی نیند پوری کر پائی تھی' مگر آج جیسے ایگزام کا بھوت اس کے سر سے اترا تو وہ لنچ کر کے سیدھی بستر پر گر گئی تھی' وہ ابھی گہری نیند کے حصار میں تھی ہی کہ اسے کسی کے ہونے کی حرکت محسوس ہوئی۔

"عشال بی بی...... عشال بی بی......" اس نے غور کیا تو یہ گلشن ملازمہ تھی جو جھنجھوڑنے کے ساتھ اسے آوازیں لگاتی جا رہی تھی۔

"گلشن پلیز! چلی جاؤ یہاں سے اماں کو کہہ دو ابھی میری نیند پوری نہیں ہوئی"۔ اس نے آنکھیں وا کئے بغیر اسے کہا وہ سخت کوفت میں مبتلا ہوئی تھی یوں نیند میں اچانک خلل پر۔

"بی بی جی! اٹھو غضب ہو گیا ہے"۔ گلشن نے سنسنی پھیلائی وہ جو دوبارہ خود کو نیند کی آغوش میں ڈال رہی تھی گلشن کے الفاظوں پر ہڑبڑا کے اٹھی اس کی آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے کچی نیند کا غماز پیش کر رہے تھے۔

"کیا ہوا ہے گلشن! خیریت تو ہے نا......؟" اس کے چہرے پر سے ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے بی بی جی! وہ باؤ سلیمان کے ہاتھوں ساتھ والے گاؤں کا چوہدری قتل ہو گیا ہے جی"۔

"کیا قتل......؟" عشال کے منہ سے چیخ نکل گئی اس کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے۔

گلشن کب کی چلی گئی پر وہ سن دماغ لئے ایک ہی جگہ پر جامد بن گئی تھی وہ ابھی خالی الذہنی کیفیت کے زد میں ہی تھی کہ باہر سے آتی چیخوں آوازوں پر ہوش میں آئی اور بھاگتی ہوئی ہال کی طرف بڑھنے لگی جہاں سے آوازوں کا شور مچا ہوا تھا' وہ ہال تک پہنچی تو عالیہ بیگم کے روتے بین جاری تھے وہ اپنا ماتھا پیٹ رہی تھی اس نے نظر دوڑائی تو اماں سائیں' عشنا' علیشاہ سب موجود تھیں اور تخت پر بابا سائیں بھی براجمان تھے اور اضطرابی کیفیت میں بار بار کسی کا نمبر ملاتے فون کر رہے تھے کہ اچانک زنان خانے کے اس ہال میں سلمان نے قدم رکھے تو عالیہ بیگم تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

"سلمان! سلیمان کہاں ہے؟" وہ اسے اکیلا دیکھ کے بولی تھی۔

"اسے پولیس پکڑ کر لے گئی ہے"۔ سلمان گویا ہوا۔

"پولیس......" یہ سنتے ہی عالیہ بیگم نیچے ڈھے گئیں تو شازیہ اور وہ تینوں بہنیں اسے سنبھالنے لگیں جبکہ سلمان باپ کی طرف بڑھا جن کے ماتھے پر پولیس کا سن کر اضطرابی بل پڑ گئے تھے۔

☆

رات تک پورے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی کہ مرتضیٰ شاہ کے بیٹے چھوٹے چوہدری سلیمان شاہ بخاری کے ہاتھوں ساتھ والے گاؤں کے چوہدری قتل ہو گیا ہے' ان دونوں کا جھگڑا کچھ خاص بات پر نہیں ہوا تھا بس زمینوں کا پانی

کھیتوں کی طرف ٹھیک طرح سے نہ جانے پر جھگڑا بڑھ گیا جس کے نتیجے میں سلیمان کے ہاتھوں چوہدری ہلاک ہو گیا۔ سلیمان فرار ہونے کے چکر میں تھا ہی مگر چوہدری کے منشی اور دوسروں بندوں نے اسے موقع پر پکڑ لیا اور اب خبر آئی تھی کہ ان لوگوں نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔

☆

پوری حویلی میں سناٹا پھیل چکا تھا ہاں اگر آواز تھی تو عالیہ بیگم کی تھی' جو رو رہی تھی۔

"ہائے میرا سلیمان' میرا معصوم بیٹا وہ کیسے جیل کے اندھیرے میں رہے گا شاہ صاحب آپ! کچھ کرو نا"۔ عالیہ بیگم نے روئے سخن مرتضیٰ شاہ کی طرف موڑا اور دوپٹے سے آنسو صاف کیے۔

"کیا کروں میں' جانتی بھی ہو کہ وہ چوہدری تھا مرنے والا کوئی عام آدمی نہیں جو میں تھانے جاؤں اور وہ میرے ہاتھ میں سلیمان کی انگلی پکڑا کر اسے رہا کریں گے' سنا ہے چوہدری کا خاندان چوہدری کے سوئم کے بعد جرگہ بٹھائے گا' اب دیکھیں کیا بنتا ہے"۔ مرتضیٰ شاہ نے پریشانی سے اپنی پیشانی مسلی اور عالیہ بیگم پھر سے سلیمان سلیمان کہتے سوں سوں کرنے لگی۔

☆

شازیہ بیگم سلام پھیر کر نماز پوری کر کے فارغ ہوئیں تو سامنے گلشن کو پایا۔

"وڈی بیگم صاحبہ! وہ ہال میں شاہ صاحب آپ کو بلا رہے ہیں"۔

"اچھا میں آتی ہوں"۔ شازیہ بیگم نے نماز کا دوپٹہ اتارتے ہوئے کہا۔ پھر وہ نماز والا دوپٹہ جائے نماز میں رکھ کر قدم ہال کی طرف بڑھائے۔ آج اس ساتھ والے گاؤں کے چوہدری کا صبح سوئم ہو چکا تھا اور شام جرگہ بھی بیٹھ چکا تھا اور ابھی جرگے سے ہی فارغ ہو کر مرتضیٰ شاہ بخاری گھر لوٹے تھے۔ شازیہ بیگم ہال میں داخل ہوئیں تو مرتضیٰ شاہ فوراً بولے۔

"آؤ...... آؤ...... شازیہ بیگم! یہاں صوفے پر بیٹھو"۔ انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

شازیہ نے دیکھا کہ وہاں عالیہ بیگم بھی موجود تھی اور حیرت انگیز کی بات تھی کہ وہ آج کچھ مطمئن نظر آ رہی تھی ورنہ 3 دن سے تو وہ بس چیختی چلاتی اور روتی دکھائی دیتی تھی۔

"شاید آج جرگے نے سلیمان کو خون معاف کر دیا ہے تبھی یہ آج مطمئن اور چپ ہے"۔ وہ دل ہی دل میں بڑبڑائیں۔

"جی شاہ سائیں! آپ نے مجھے بلایا"۔ انہوں نے نگاہیں جھکتے مدعا پوچھا۔

"ہاں وہ تم سے ایک بات کہنی ہے بلکہ بتانی ہے"۔ سید مرتضیٰ شاہ تخت پر رکھے گاؤ تکیئے کو ٹیک لگاتے بولے۔

"حکم کریں شاہ سائیں"۔ انہوں نے سر جھکایا۔ پھر جیسے جیسے مرتضیٰ شاہ انہیں بات بتاتے گئے ان کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا اور دماغ میں شدید جھکڑ چلنا شروع ہو گئے وہ پھٹی پھٹی آنکھیں لئے شاہ سائیں کو بس تکتی رہیں۔

☆

"عشنا آپی! کتنا اچھا ہوتا ہماری بھی کزنز ہوتیں ہم ان کے گھر جاتے خوب ہنگامہ کرتے"۔ ٹاک شو سے لطف اندوز ہوتی عشنا سے اچانک علیشاہ نے برابر بیٹھتے ہوئے سوال داغا۔

وہ جو ٹاک شو ٹی وی پر انجوائے کر رہی تھی اچانک سوال پر ٹھنڈی آہ لے کر مڑی۔ مرتضیٰ شاہ کا 10 سال پہلے زمینوں کے معاملے میں بہن اور بھائیوں سے جھگڑا ہوا تھا اور زمینوں کی جائیداد پر یہ جھگڑے کا معاملہ اتنا بڑھا کہ

جارہی تھیں۔

''تمہارے گھر کے مردوں کے دل پتھر کے بنے ہیں عشال! کیا تمہیں نہیں لگتا......؟'' عشال نے کوئی جواب نہ دیا گویا وہ اس موضوع پر کچھ نہیں بولنا چاہتی ہو سنعیہ اپنے افسردہ دل کو سنبھالتی امڈتے آنسو لئے سرعت سے باہر کو بھاگی۔

☆

''ہوں تو یہ ہے تمہارا ماضی عشال مرتضیٰ شاہ بخاری''۔ میثم نے سنعیہ کے کمرے سے نکلنے کے بعد خود کلامی کی۔

''پاگل لڑکی! کاش تم جان جاؤ میثم شیراز کو تمہاری حاجت ہے تمہیں اپنانا چاہتا ہے تمہارے ماضی سے کیا سروکار دل چاہتا ہے تمہارے سب درد تمہاری پلکوں پر مچلتے آنسو سب چن لوں مگر تم حق ہی نہیں دیتیں سیدزادی! کہ میں تمہارے ان خاموش ہونٹوں پر کچھ مسکراہٹ کے گلاب کھلا سکوں''۔ میثم نے تصور کے عالم میں بے بس ہوکر عشال کو مخاطب کیا تھا اس کا عشال کے غم میں دل پھٹتا جارہا تھا۔

☆

''عشال! میرا بیٹا کیا ہوا ہے تمہیں اتنی گم صم کیوں ہوگئی ہو کیا کوئی پریشانی ہے جب سے تمہارا بخار اترا ہے تم چپ چاپ گم صم...... کیا مجھے نہیں بتاؤ گی''۔ ارمغان شاہ نے اسے ٹٹولا۔

''کچھ نہیں ہوا اداسائیں! وہ بس طبیعت کا اثر تھا۔ اچھا میں ایک بات سوچ رہی ہوں''۔ اس نے خود کو سنبھالا وہ دوبارہ کوئی شک اداسائیں کو دینا نہیں چاہتی تھی۔

''ہاں بولو کونسی بات''۔ ارمغان شاہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''یہی کہ اب آپ کی شادی ہونی چاہیے آخر کب تک شانزہ آپی انتظار کریں گی''۔ شانزہ اور ارمغان کولیگ تھے اور ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور شانزہ کے گھر والوں کو بھی شانزہ کے شوہر کی حیثیت سے ارمغان پسند تھا۔

''پہلے تمہاری کروں گا پھر خود''۔ اس نے عشال کی بات دبائی۔

''جی نہیں مجھے نہیں کرنی شادی''۔ عشال خفگی سے بولی۔

''پر کیوں عشال......؟'' ارمغان شاہ حیرت سے بولے۔

''کیونکہ میں آپ کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی''۔ عشال پیار سے ان کے بازو سے لگی تو ارمغان ہنس دیے پھر بولے۔

''لیکن کبھی نہ کبھی تو بیٹیاں تو رخصت ہو ہی جاتی ہیں نا''۔

''اور نہیں تو کیا وہ بھی بینڈ باجوں کے ساتھ''۔ کمرے میں داخل ہوتی سنعیہ نے لقمہ دیا تو ارمغان شاہ ہنس دیے۔

''کیسی ہو سنعیہ بیٹا؟'' انہوں نے حال پوچھا۔

''بس آپ بزرگوں کی دعائیں چاہئے جناب''۔ سنعیہ چہکی تھی۔ سنعیہ کی بات پر ارمغان نے فلک شگاف قہقہہ لگایا اور پھر اٹھتے ہوئے بولے۔

''بڑی شریر بچی ہو اچھا تم لوگ باتیں کرو میں اپنے کمرے میں چلتا ہوں اوکے''۔ اور اداسائیں کے جاتے دونوں باتوں میں مصروف ہوگئیں۔

☆

میرے خیال میں میثم بھائی! ہمیں اداسائیں سے یہ بات شیئر کرنی چاہیے ہوسکتا ہے ہمارا کام بن جائے''۔ سنعیہ نے بھائی کو بغور دیکھا۔

''تو کیا وہ مان جائیں گے''۔ میثم نے چائے کا سپ لیتے پوچھا۔

''ماننے کا تو نہیں پتہ مگر وہ ہاں یا نہ میں تو جواب دیں گے نا''۔ سنعیہ نے وثوق پن سے کہا تو میثم نے اثبات میں سر ہلایا سنعیہ خوش ہوگئی۔

''اوکے ڈن پھر ٹھیک ہے میں کل صبح ہی عشال کی طرف جاؤں گی ویسے بھی کل سنڈے ہے اور اداسائیں کی چھٹی ہوگی بس تو ہاں کروا کے ہی اٹھوں گی آپ دیکھ لینا''۔ وہ چہکتی تو میثم اس کی خوشی اور بے تابیوں پر مسکرا اٹھا۔

☆

مگر انسان جانتا کب ہے قسمت کے کھیل کہ اگلے پل مقدر کیا رنگ دکھاتا ہے ان کی قسمت انہیں کہاں لے آتی ہے ایسا ہی سنعیہ کے ساتھ ہوا تھا وہ ناشتے میں بری طرح مگن تھی ساتھ میں میثم سے بھی چھیڑ چھاڑ جاری تھی اس وقت ساڑھے نو کا ٹائم تھا ڈاکٹر انعم اور ڈاکٹر شیراز تو ہاسپٹل نو بجے ہی جاتے تھے البتہ میثم آفس دس بجے جاتا تھا سو اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر دونوں بہن بھائی ہی تھے کہ اچانک سنعیہ کے سیل فون کی بیپ گنگنا اٹھی اس نے چونک کر نمبر دیکھا تو نیپکن سے ہاتھ سرعت سے صاف کرکے میثم کو چھیڑنے لگی۔

''ہونے والی بھابی کا فون ہے''۔ میثم نے اس کی بات پر ہنستے اسے نگاہوں کے حصار میں لیا۔

''واٹ......'' اچانک دوسری طرف سے اسے کیا بتایا گیا تھا کہ وہ چیئر سے بے ساختہ کھڑی ہوکر چیخ اٹھی۔

''اوکے اوکے میں ابھی آتی ہوں''۔ اور کھٹ سے سنعیہ نے کال ڈراپ کردی۔

''کیا ہوا ہے سنعیہ! خیریت تو ہے نا؟''

''اداسائیں کا آفس جاتے ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے''۔ اس نے کانپتے لہجے میں اطلاع دی تو وہ تڑپ اٹھا۔

''کیا ایکسیڈنٹ اوہ مائی گاڈ''۔ اس نے اپنا سر تھاما۔

''ہمیں ابھی اور اسی وقت عشال کو لے کر ہاسپٹل جانا ہے بھائی''۔

''ہاں ہم چلتے ہیں میں بس اپنے منیجر کو اطلاع دے دوں کہ آج میں نہیں آسکتا وہ کام سنبھالے بی بریو سنعیہ''۔ اس نے سنعیہ کو تسلی دی۔

مگر وہ خود کو بریو کیسے کرتی اس کا تو دل دھڑکتا جارہا تھا۔

☆

جس وقت وہ تینوں ہاسپٹل پہنچے تو راستے میں ہی عشال ایک لڑکی کو شانزہ آپی کہتی روتی اس کے گلے لگی ارمغان شاہ کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع اسے شانزہ نے ہی دی تھی۔

''شانزہ آپی! وہ اداسائیں''۔

''سب کچھ ختم ہوگیا سب کچھ''۔ شانزہ کے سرد لہجے نے ان تینوں کے اندر کپکپی پھیلادی۔

''کیا مطلب......؟'' سنعیہ نے ناسمجھی کے عالم میں استفسار کیا۔

''سب کچھ مجھ سے چھن گیا یہ دیکھو میرے خالی ہاتھ، میں اجڑ گئی''۔ یہ کہتے شانزہ نیچے گر کر زمین پر بیٹھے بلک اٹھی عشال آگے بڑھ کر ایمرجنسی روم کی طرف بڑھی ہی تھی کہ اندر سے ڈاکٹرز اور نرس کی معیت میں ایک اسٹریچر باہر آیا جس پر کسی کی شاید میت تھی کیونکہ وہ وجود سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ عشال سرعت سے نرس سے پوچھ بیٹھی۔

بہن اور بھائیوں نے مرتضیٰ شاہ بخاری سے تعلق ختم کر دیا تھا اور جبکہ دوسری جانب شازیہ بیگم ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھیں اور انکی شادی کے بعد ہی ایک ایک کر کے دونوں ماں باپ رخصت ہو چکے تھے۔

''ہمیں تو آج تک یہ بھی نہیں پتہ کہ ہماری کزنز کتنی ہیں' کیسی ہیں؟ اور تو اور بابا سائیں ہمیں کسی دوست کی طرف بھی جانے نہیں دیتے کہ سیدزادیاں گھر سے نہیں نکلتیں' بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے' گھر نما جیل جس میں قید رہو''۔ علیشاہ تلخ انداز میں بولی۔ عشنا بس خاموشی سے اسے تکتی رہ گئی وہ بھلا کیا کہتی اندر سے تو وہ بھی کڑھتی رہتی تھی اس حویلی کے اصولوں پر۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی، سکوت چھا گیا دونوں اپنی اپنی سوچوں کے دھارے میں بہتی چلی گئیں۔

''ارے عشال آپی! آ گئیں آپ اماں کوئی دے کر''۔ علیشاہ' عشال کو کمرے کے اندر داخل ہوتے بولی تھیں۔

''ارے نہیں وہ گلشن بتا رہی ہے کہ اماں کو بابا سائیں نے بلایا ہے سو میں دودھ واپس کیتلی میں ڈال آئی ہوں اماں آئیں تو گرم کر کے دوں گی''۔ عشال نے تفصیلاً بتایا کہ اچانک عشنا کی نظر شکستگی کے عالم میں قدم اٹھاتی ماں پر پڑی جو اندر داخل ہو رہی تھیں۔

''اماں اماں...... کیا ہوا ہے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا''۔ عشنا، عشال اور علیشاہ تینوں ماں کے قریب آئیں' ماں کے شکستہ اور لڑکھڑاتے قدم کسی انہونی کا غماز تھے' تینوں ماں کو سنبھالتی بیڈ تک لائیں۔

''عشنا! جگ سے پانی لاؤ''۔ عشال بولی عشنا سرعت سے ٹیبل پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر عشال کے قریب آئی تو عشال نے پانی کا گلاس ماں کے منہ کے قریب لاتے کہا۔

''اماں! پانی پئیں پلیز''۔ مگر اماں لبوں کو حرکت میں نہ لائیں ویسے ہی گم صم نیچے یک ٹک دیکھے جا رہی تھیں۔

''اماں......'' عشال نے پریشانی کے مارے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ یکلخت شازیہ بیگم کے جسم میں جان پڑی اور وہ سرعت سے سر اٹھا کے عشال کو بس خالی نظروں سے تکتی چلی گئیں پھر نہ جانے انہیں کیا ہوا وہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں عشال کا چہرہ تھامتے سسک اٹھیں۔

''شاہ سائیں نے جرگے میں خون بہا میں تمہیں دینے کا فیصلہ کیا ہے عشال! چوہدری کے بڑے بیٹے چوہدری رحمت علی کے لئے''۔ یہ سننا تھا کہ وہ تینوں بہنیں ساکت بن گئیں' عشال کا دماغ سن رہ گیا' وہ بس پھٹی پھٹی آنکھیں لئے وہیں جمود ہو گئی چوہدری رحمت علی کو کون نہیں جانتا تھا وہ 46 سالہ مرد جو پہلے ہی تین بیویاں رکھتا تھا اس کی پہلی اولاد بھی عشال سے 3 سال بڑی تھی۔

''بابا سائیں کی ہمت کیسے ہوئی یہ سوچنے کی بھی' اماں! عشال ان کی بیٹی ہے کسی ہاری کی بیٹی نہیں''۔ علیشاہ بولی۔ جواباً ماں بس بیٹی کے نصیب پر روتی رہی۔

''علیشاہ آپی''۔ اچانک علیشاہ کی نظر ڈھے جاتی عشال پر پڑی تو وہ چیخ اٹھی۔

☆

عشال دو تین گھنٹوں بعد ہوش میں تو آ گئی تھی مگر اس کے لبوں پر اتنی گہری چپ لگ چکی تھی کہ اماں کو اس کی خاموشی سے ڈر لگنے لگا تھا۔

''اماں! اللہ ہمارے گھرانوں میں بیٹیاں کیوں پیدا کرتا ہے' اماں کیا اللہ نہیں جانتا کہ بیٹیاں پیدا تو ہو جاتی ہیں مگر ہر پل موت کے لئے''۔ عشال کے ٹوٹے پھوٹے بھیگے لہجے پر اماں نے کرب سے آنکھیں بند کیں تو ان کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کے گر پڑے۔

''بس کرو عشال! میری بچی بس کرو' میں ہوں نہ تمہاری ماں...... میں تیرے ساتھ کوئی زیادتی ہونے نہیں دوں گی''۔

''اماں! آپ کیا کریں گی؟ کیا کبھی بابا سائیں نے آپ کی مانی ہے' آپ شازیہ بیگم ہیں اماں! عالیہ بیگم نہیں''۔ مسکراہٹ اسکے لبوں کی تراش میں بے اختیار در آئی' شازیہ بیگم نے سوچا۔

''واقعی آج تک سائیں نے میری کتنی مانی ہے مگر اب جو کروں گی میں کروں گی''۔ انہوں نے خود سے عہد کر لیا۔

☆

رات کے 3 بج چلے تھے وہ تھک ہار کر کھڑکی کے پاس سے اکتا کر بیڈ کی طرف آئی اور سر بیڈ کی کراؤن پر ٹیک دیا' اس کے بوجھل سر میں ٹیسوں کا درد بڑھتا جا رہا تھا' اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں کہ اچانک اس کے روم کا دروازہ آہستگی سے وا ہوا اس نے چونک کر آنکھیں کھولی تو اماں کو سامنے پا کر ٹھٹک گئی۔

''اماں سائیں! آپ اچانک خیریت اس وقت یہاں؟'' وہ پریشانی سے استفسار کر گئی۔ مگر اماں نے اس کے لبوں پر انگلی دھر دی گویا چپ کا اشارہ دیا ہو پھر پلٹ کر دروازہ بند کیا اور پردے برابر کئے تاکہ کمرے میں آن کی گئی روشنی دروازے سے نیچے جھانکتی نظر نہ آئے پھر انہوں نے سوئچ آن کیا تو پورے کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

عشال نہ سمجھی کے عالم میں انہیں حیرت سے دیکھے جا رہی تھی' جواب ان بہنوں کی مشترکہ وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی تھیں اور اب نچلے دراز میں رکھے ایک بیگ کو اٹھا کر اس میں عشال کے کپڑے ڈالنے لگیں' اب کی بار اماں سے سوال پوچھے عشال نہ رہ سکی۔

''اماں! یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ یہ بیگ یہ کپڑے''۔ مگر اماں ہنوز کام میں بزی رہیں' جب انہوں نے بیگ عشال کی پوری ضرورتوں سے بھر دیا تو وہ عشنا اور علیشا کی طرف بڑھیں۔

''اٹھو عشنا' علیشاہ' بہن کو رخصت کرو''۔ عشال ان کی بات پر ششدر رہ گئی مگر اسے حیرت کا جھٹکا تب لگا جب دونوں نے اٹھ کر کوئی سوال اماں سے نہ کیا گویا وہ دونوں باخبر تھیں۔

''اماں پلیز...... کس کے ساتھ رخصت کر رہی ہیں آپ مجھے' رکھیں بیگ یہاں نہیں جانا مجھے کہیں''۔ اس نے اماں کے ہاتھوں سے بیگ چھیننا چاہا مگر اماں کی گرفت میں اس کا بازو آ گیا۔

''عشنا! عشال کا گاؤن اور حجاب نکالو''۔ عشنا اماں کے حکم کی تقلید میں وارڈ روب کی طرف بڑھی اور چیزیں نکال کے لائی۔

''اماں......'' عشال نے احتجاج کرنا چاہا۔

''چپ بالکل چپ...... ایک لفظ بھی نہیں''۔ اماں نے درشتگی سے جھڑک دیا۔ اور وہ تمام راستے کچھ بول نہ پائی مگر اس وقت وہ حیرت میں آ گئی جب اماں نے اس کا ہاتھ ارمغان شاہ کے ہاتھ میں دیا۔

''جاؤ بیٹا! اب بہن تمہارے حوالے''۔

''اماں''۔ عشال کی پلکیں جھلملائی اور وہ اماں کے سینے پر گھٹ گھٹ کر رو دی اور پھر ماں' بہنوں سے مل کر وہ رات ہی کے اندھیرے میں عشال کو لئے کراچی چلا آیا' حیدر آباد سے اس کا ٹرانسفر اب کراچی میں ہو رہا تھا۔

☆

عشال نے داستان سمیٹ کر سعیہ کی طرف نگاہ کی جس کی آنکھیں بھی جل تھل کی مانند بارش برسائے

''نرس...... نرس...... وہ میرا بھائی ارمغان شاہ؟ وہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے' وہ اندر ہے وہ کیسے ہیں؟''

''وہ یہی تو ہیں' سوری وہ بچ نہ پائے''۔ نرس کے لفظوں نے عشال اور اس کے پیچھے کھڑے سنعیہ اور میثم کو پتھر بنا دیا۔

☆

''آنٹی! عشال سوگئی؟'' سنعیہ نے شانزہ کی امی سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! بڑی مشکل سے سلایا ہے تین دن سے روتے روتے خود کو نڈھال کر رکھا ہے چیختی ہے' بھائی کو پکارتی ہے' بس خدا کی امانت تھی ہم بندے کی کیا بساط اب تو یہ غم عمر بھر ساتھ رہے گا''۔ آنٹی نے اپنے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھیں بھی آبدیدہ ہوگئیں کتنا ماتم ہوا تھا ارمغان شاہ کی وفات پر' ایک طرف شانزہ کے بین تو دوسری طرف عشال کے' کتنا پھوٹ پھوٹ کر وہ روئی تھی کہ اس نے سب کو رلا دیا تھا' آج سوئم بھی ہو چکا تھا سب جا چکے تھے بس میثم وہ خود اور شانزہ آپی اور کی امی یہاں تھیں۔

''وہ آنٹی! بھائی گھر جا رہے ہیں میں بھی جانا چاہتی ہوں' وہ تین دن سے یہی سوٹ پہن رکھا ہے، میں چینج کرکے اور اپنا سامان لے کر آدھے گھنٹے میں آتی ہوں''۔ سنعیہ نے دھیمے پن سے بتایا۔

''ہاں ہاں بیٹا! تم جاؤ عشال کی فکر مت کرو' میں یہاں ہوں تم اطمینان سے جاؤ''۔ آنٹی نے رسانیت سے کہا تو سنعیہ تشکرانہ انداز میں انہیں دیکھتی گھر کے لئے روانہ ہوئی۔

☆

وہ ایک گھنٹہ بعد آئی تو ایک اور قیامت وہاں اس کی منتظر تھی' فلیٹ کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا' اندر سامان ٹوٹ پھوٹ کی حالت میں گرا تھا اور آنٹی کے ماتھے سے خون بہتا جا رہا تھا' شانزہ ماں کے بازو سے لگ کر رو رہی تھی' سنعیہ اور میثم تیزی سے قریب آئے۔

''کیا ہوا آنٹی! کس نے یہ حال کیا ہے آپ کا''۔ سنعیہ نے تشویش سے پوچھا۔

''وہ عشال کا بھائی اور اس کے بندے فلیٹ میں گھس آئے تھے' وہ عشال کو گھسیٹ لے گئے' میں نے مزمت کی اسے چھڑانے کی تو بس ان ظالموں نے میرا یہ حال کر دیا' ہائے ہائے میں پرائی امانت کی حفاظت بھی نہ کر پائی''۔ آنٹی افسوس سے اپنا ماتھا پیٹنے لگیں۔

''کہاں...... کہاں...... لے گئے وہ عشال کو' ان کو نہیں چھوڑوں گا میں''۔ میثم کی آنکھوں میں خون اترا' وہ غصے سے پاگل ہوئے جا رہا تھا، اسے لگ رہا تھا اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عشال کو کھو دیا' ایک طرف دوست کی گمشدگی دوسری طرف بھائی کی ہذیانی کیفیت سنعیہ کو غیر حالت میں مبتلا کرتی جا رہی تھی' وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

☆

پھر کتنے ہی دن گزرتے چلے گئے' دن ماہ و سال میں تبدیل ہوتے گئے' میثم نے اسے ڈھونڈنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر اسے کہیں سے بھی عشال کا سراغ نہ مل پایا آخر کو وہ تھک ہار کے اس شہر، اس ملک کو چھوڑ کر یو کے چلا گیا کہ اس شہر کی فضاؤں میں اسے عشال کی خوشبو بسنے نہیں دیتی تھی' کوئی ایسا لمحہ نہیں تھا جس میں عشال کی پائل چھن چھن کرتی اس کے دل میں نہ چھنکی ہو' اس نے عشال کی یاد سے بچنے کے لئے خود کو بزنس میں مقید کر لیا تھا' دوسری طرف سنعیہ نے اپنا ایم اے اردو کمپلیٹ نہ کیا عشال کے جانے کے بعد ہی ان کی فائنل کی کلاسز اسٹارٹ ہوگئی تھیں مگر سنعیہ میں اتنا حوصلہ اور طاقت اب نہیں بچی تھی کہ وہ اس جگہ دوبارہ جاتی جہاں عشال اور اس کی

یادیں مہکتی تھیں، سو اس نے اپنا ایم اے ادھورہ چھوڑ دیا کچھ ہی عرصے بعد اس کی شادی فاروق سے طے ہوگئی' شادی کے بعد فاروق کی بے پناہ محبت نے اسے سنبھال لیا تھا اور آہستہ آہستہ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی' ماہ و سال نے گزرتے گزرتے تین سال گزار دیئے' سنعیہ اور اس کے والدین چاہتے تھے' میثم اب پاکستان آئے اور اپنا گھر بسائے مگر میثم شادی کے نام سے بدک جاتا تھا اور نہ ہی وہ پاکستان آنا چاہتا تھا' سنعیہ کی شادی کے لئے بھی وہ بمشکل ایک ہفتہ پاکستان آیا تھا' اس نے اب گزرتی زندگی کے سفر میں عشال کو ایک خواب جان کر اپنی زندگی کی طرف متوجہ ہوگئی تھی مگر وہ عشال کو تین سال میں کبھی نہ بھلا پائی تھی اور آج تین سال کے بعد عشال کے خط نے اسے مزید بکھیر دیا تھا۔

☆

دور اذانوں کی آواز پر وہ جیسے خواب سے جاگی تھی' اس نے ٹائم دیکھا تو ساڑھے چار بج رہے تھے' وہ ماضی کے محل میں گھومتی ایک پل کو بھی نہ سو پائی تھی' اس نے بوجھل سر کو ہاتھوں میں تھاما تو درد کی شدید لہر اس کے جسم کو اپنے لپیٹ میں لے گئی' اس نے قریب پہلو میں سوئے فاروق کو دیکھا جو گہری نیند کے حصار میں تھا' وہ بھی نڈھال طبیعت لئے خود کو نیند کے حوالے کرنے لگی۔

☆

اگلے دن وہ گیارہ بجے بیدار ہوئی تھی' فاروق کب کیسے اور کس وقت آفس چلا گیا اسے پتہ ہی نہیں چلا' غم و اجڑے پن کی کیفیت اس کے چہرے سے مترشح تھی' اس وقت بھی وہ اپنے آگے ناشتے کے لوازمات کو خالی نظروں سے تکتی چلی جا رہی تھی جو ملازم نے اس کے آگے بیس منٹ پہلے رکھا لیکن بیس منٹ میں اس نے کوئی ناشتے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

''بی بی جی! ناشتہ کریں نا''۔ رکھی نے اسے ٹوکا تو وہ بے دلی سے پراٹھے کی جانب ہاتھ بڑھانے لگی اس نے نوالہ بنا کر منہ میں رکھا مگر نگل نہ پائی' بس چپ چاپ گم صم وجود لئے جمود ہوگئی تھی کہ یکا یک روم سے اس کے سیل فون کی متواتر بجتی گنگناہٹ نے اسے خیالوں سے نکال کر حقیقی دنیا میں لا پٹخا۔

''رکھی! میرے روم سے میرا موبائل لاؤ''۔ اس نے ملازمہ کو حکم دے کر چیئر کی کراؤن پر سر ٹیک کر آنکھیں بند کیں' رکھی اس کا موبائل فون اسے دے کر کچن میں چلی گئی تو آنکھیں موندے ہی اس نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو......''

''ہیلو سنعیہ! میں میثم''۔ دوسری جانب سے میثم کی آواز پر اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔

''بھائی آپ......'' اس کی آواز ابھر آئی۔

''ابھی فاروق نے اتنی بڑی خبر سنائی ہے سنعیہ کہ آئی ایم ویری ہیپی میں کہتا تھا نا وہ ایک دن آئے گی اور میرا صبر رائیگاں نہیں گیا وہ زندہ ہے بھلے وہ کہہ دے میں اسے بھول جاؤں مگر وہ پاگل لڑکی کیا مجھے خود بھول پائی ہے نہیں نا' اب میں اسے کھونے نہیں دوں گا اسے اب میرا بننا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہے میں دنیا کے کونے کونے میں اسے تلاش کروں گا' تم رومت سنعیہ تم رومت''۔ وہ روتی سنعیہ کو دلاسہ دینے لگا۔

''مگر وہ نہ جانے کہاں رہتی ہے بھائی! پہلے والی بھی حویلی تو ان لوگوں نے چھوڑ دی تھی' یاد ہے جب وہ گم ہوئی تھی تو آپ اس کے گاؤں گئے تھے جہاں آپ کو پتہ چلا تھا مرتضٰی شاہ کہیں اور جگہ چلا گیا ہے نا جانے کہاں کوئی نہیں جانتا''۔ سنعیہ نے اسے یاد دلایا۔

''میں اسے گلی گلی ڈھونڈوں گا سعیہ! کہ اب وہ میثم شیراز کا مقدر ہے''۔

''تم میرا ساتھ دو گی نا؟'' میثم نے امید بھرے لہجے سے پوچھا تو وہ آنسو نہ روک پائی۔

''ہاں دوں گی تا قیامت تک ساتھ دوں گی''۔ میثم اس کی بات پر خود کو سکون کی گود میں محسوس کر کے مسکرا دیا۔

☆

مگر ان کی یہ تیاریاں یہ خوشیاں سب دھری کی دھری رہ گئیں' میثم کے آنے میں بس ایک روز تھا' سعیہ تین سال کے بعد اور اتنے طویل عرصے کے بعد بھائی کی آمد پر پھولے نہیں سما رہی تھی تہہ دل سے وہ بھائی کے لئے دعا گو تھی' اس وقت بھی وہ میثم کی پسند کی ڈشز پکوا کر فریز کرنا چاہتی تھی کیونکہ کل صبح ہی میثم کی فلائٹ تھی کہ ایک دم اسے سیل فون کے رنگ کی آواز سنائی دی تھی' اسکرین پر چمکتا انجان نمبر دیکھ کر ٹھٹکی۔

''یہ نمبر کس کا ہے خیر''۔ اس نے کال ریسیو کر کے فون کان پر لگایا تو دوسری جانب سے ایئر پیس پر ایک نسوانی آواز ابھری۔

''اسلام علیکم...... پلیز سعیہ فاروق سے بات کرائیں جلدی''۔ وہ عجلت میں درخواست کر گئی۔

''وعلیکم اسلام! جی میں سعیہ فاروق ہوں پر معاف کیجئے گا آپ کو نہیں پہنچانا آپ کون؟'' اس نے لاعلمی سے کہا اور پہچان مانگی۔

''سعیہ آپی! میں علیشاہ' عشال آپی کی بہن...... وہ عشال آپی......'' بات آدھی چھوڑ کر وہ سسکی تو سعیہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

''ک...... کیا ہوا ہے عشال کو......؟'' سعیہ گھبرائی مگر علیشاہ بجائے جواب دینے کے روتی رہی۔

''علیشاہ! بتاؤ کیا ہوا ہے عشال کو بتاؤ......؟'' سعیہ چلائی تھی اور دوسری جانب سے علیشاہ اس کا دل دھڑکا گئی۔

''عشال آپی ہفتہ پہلے حرکت قلب بند ہونے کے باعث انتقال کر گئی ہیں' انہی نے مجھے پہلے بتا دیا تھا کہ انہیں کچھ بھی ہو تو میں آپ کو بتا دوں آج جیسے سنبھلی ہوں تو آپ کا نمبر ملایا وہی پرانا شادی سے پہلے والا' مجھے الجھن بھی تھی شاید آپ نے نمبر چینج کیا ہو مگر آپ کا نمبر......'' آگے مزید بات سننے سے پہلے ہی ریسیور سعیہ کے بے جان ہوتے ہاتھوں سے گر چکا تھا وہ ہذیانی کیفیت میں نیچے گرتی گئی' اس کے سائیں سائیں کرتے کانوں میں بس ایک ہی صدا اس کے حواس ماؤف کرتی جا رہی تھی۔

''عشال آپی ایک ہفتہ پہلے حرکت قلب بند ہونے کے باعث انتقال کر گئیں''۔ گرم سیال اس کی آنکھوں سے نکل کر رخسار پر اپنے نقش جماتا جا رہا تھا مگر وہ سب ہوش گنوا پتھر بن چکی تھی۔

☆

تو آخر کار تم مجھ سے روٹھ کر مجھے تنہا کر گئیں عشال مرتضیٰ شاہ بخاری! تھی نا ظالم، ہمیشہ اپنی کی اور میں تھا ہی پاگل کہ اس گمان کو دل میں پالے بیٹھا کہ تم میری ہو' میثم شیراز کا مقدر جسے میثم شیراز کے ہی مقدر میں چمکنا ہے مگر میں جھلا پاگل خود کو برباد کر بیٹھا' تین سال تمہارے ہجر فراق میں سسکاتے' تڑپاتے' روتے گزارے مگر تمہیں مجھ پر ترس نہیں آیا' عمر بھر کے لئے دامن دکھوں سے بھر کر چلی گئی' تم مجھے برباد کر گئی عشال مرتضیٰ شاہ بخاری تم جاتے جاتے بھی مجھے برباد تباہ کر گئیں''۔ میثم خود کلامی کرتے کرتے آخر میں بلک اٹھا تو کھڑکی سے جھانکتے چاند ستارے بھی اس اجڑے عاشق کے نوحے میں بین ماتم اور دکھ پر سسک اٹھے۔

☆

سلمیٰ غزل

ناولٹ

کفارہ

"ہواؤں کی سرگوشیاں اور نرم نرم صبح کی کرنوں کی خاموشیاں...... کیا یہ کسی آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ ہے......؟ یہ کھلتے گلاب' یہ جھومتے شجر و ہجر' گاتی گنگناتی اور شور مچاتی ندیاں' بہتے جھرنوں کی گنگناہٹ اور چڑیوں کی چہچہاہٹ...... کیا یہ سب اس بات کی گواہ نہیں ہے کہ کوئی ان کے پیچھے ایک نادیدہ ہاتھ جس کے ایک اشارے پر کائنات کا ذرہ ذرہ رقص کناں ہے جس کی جنبش قلم لوح تقدیر پر جو چاہے لکھ دے' وہ کاتب تقدیر جو ٹھہرا اور شاید کاتب تقدیر نے میری قسمت میں رات کی تاریکیاں ہی لکھی ہیں' روشنی کی کوئی کرن میری تقدیر میں نہیں کہ میرا ابخت قدم قدم پر مجھے دھرتی کا بوجھ ثابت کرنے پر تلا ہے' میں تو یتیم کی آنکھ سے ٹپکا ہوا وہ بے مول آنسو ہوں جس کی تقدیر میں نہ آنچل ہے نہ سر رکھنے کو کسی ہمدرد' غمگسار کا کاندھا۔ تڑپتی' سسکتی بے آب زندگی' لاش کی طرح اپنے ہی کاندھے پر اس بے درد اور خود غرض دنیا میں لئے گھوم رہی ہوں' کٹی پتنگ کی طرح ڈول رہی ہوں نہ جانے ہوا کا جھونکا کہاں لے جائے' بے نشاں منزل کی طرح وہ مسافر جو زاد راہ کے بغیر چلتا رہتا ہے......" کنول افسانے کے سحر میں اس طرح ڈوبی ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز سن کر اس نے جلدی سے اپنے آنسو آنچل میں سمیٹ لئے اور بابا کو اپنے کمرے میں دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو کر سلام کیا' پھر پریشان ہو کر بولی۔

"بابا جانی! خیریت تو ہے یہ صبح صبح......؟ آپ نے مجھے بلا لیا ہوتا"۔ حامد علی خان نے مسہری کی جگہ صوفے کو ترجیح دی۔

"بیٹا! رات تمہاری امی نے تم سے کچھ کہا تھا......؟" ان کے سوال پر کنول کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں اور حیا کی لالی شفق کی طرح گالوں کو گلابی کر گئی' رات ہی تو امی نے اسے جنید کے رشتے کے بارے میں بتایا تھا' ماموں کا اکلوتا' خوش شکل اور لاڈلا بیٹا' جو جب بزنس کے سلسلے میں لاہور آتا تو انہی کے گھر ٹھہرتا تھا' یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ کنول کا کبھی بھی کراچی اپنے ماموں کے پاس جانا نہیں ہوا تھا' اکثر فون پر بات ہو جاتی تھی پھر میڈیکل کی ٹف پڑھائی' بس اسے زیادہ ملنے جلنے کا موقع بھی نہیں ملتا تھا' یوں تو جنید سے اس کی اچھی خاصی ہیلو ہائے بھی لیکن اس نے کبھی بھی جنید کے بارے میں اس انداز سے نہیں سوچا تھا' مگر جب ماموں نے جنید کی خواہش کا اظہار فون پر کیا تو اسے امی کی پسند پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہوا کیونکہ اس کی تو اپنی کوئی پسند تھی ہی نہیں۔

"بابا! رات امی نے جنید بھائی کے لئے مجھ سے بات کی تھی"۔ وہ نگاہیں جھکا کر بولی۔

"اور تمہاری مرضی کیا ہے......؟"

"بابا! اس بارے میں میری اپنی کوئی رائے نہیں ہے بابا آپ کی اور امی کی جو مرضی ہو فیصلہ کر لیں"۔

"ہوں"۔ حامد علی خان نے ہنکارا بھرا اور گہری سوچ میں ڈوب گئے ان کے چہرے پر فکر و تردد کی پرچھائیاں اور پیشانی پر پڑی سلوٹیں ان کی بے چینی اور خلفشار کی غماز تھیں' وہ نہ جانے کن خیالوں میں گم تھے' ان کی داہنی ٹانگ مسلسل ہل رہی تھی اور کنول اندر ہی اندر پریشان ہوئی جا رہی تھی' وہ اپنے باپ سے بے تحاشہ محبت کرتی تھی' سب سے بڑی بیٹی ہونے کی وجہ سے یوں بھی وہ سب کی چاہت کا محور تھی' اس نے حسن اخلاق' انکساری اور دھیمے مزاج کی وجہ سے نہ صرف بہن بھائی بلکہ نوکر چاکر اور عزیز و اقارب بھی اس سے محبت کرتے تھے' دونوں چھوٹے بھائیوں اور بہن کی نظروں میں وہ معتبر اور محترم تھی' وہ غیر معمولی حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد حساس تھی' اخبار کی ایک چھوٹی سی خبر یا ٹی وی کا کوئی المیہ ڈرامہ' اسے گھنٹوں رلاتا تھا' سوچ سوچ کر اس کی نیندیں اڑ جاتی تھیں' بہن بھائی اس کی اس جذباتیت کا مذاق اڑاتے تھے اور ماں باپ سمجھاتے تھے مگر وہ اس دل کا کیا کرتی جو کسی کو بھی تکلیف میں دیکھ ہی نہیں سکتا تھا' اس کی اس کمزوری کا نوکر بھی بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے' جس پر مسز حامد اکثر سیخ پا ہو کر اس کے لتے لے لیتی تھیں۔

"بیٹا جی! یہ گھر کسی سماجی بہبود کا ادارہ نہیں ساری پاکٹ منی ان کم بختوں پر بے دردی سے لٹا کر خالی ہاتھ رہ جاتی ہو' کیا انہیں تنخواہ نہیں ملتی......؟"

"ارے میری ماں! کیوں دل جلاتی ہیں' اللہ کا وعدہ ہے تم ایک پیسہ دو گے وہ دس لاکھ دے گا اس کے خزانے میں کمی نہیں تو میرے دینے میں کیوں ہو......؟" وہ امی کے گلے میں بانہیں ڈال کر شرارت سے بابا کی طرف دیکھتی جن کی اسے بھرپور حمایت حاصل تھی۔

"میں جانتی ہوں حاتم طائی کی بیٹی ہو تم"۔ مسز حامد' بیٹی اور شوہر کی سخاوت سے اچھی طرح واقف تھیں اس لئے زیادہ کہہ نہ پاتی تھیں۔

☆

کنول کو جنید کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن حامد علی کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ خوش نہیں ہیں۔

"بابا! آپ اس رشتے سے خوش نہیں ہیں......؟" اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"ارے نہیں بیٹا!" وہ شفقت سے مسکرائے۔

"بس کچھ سوچ رہا تھا کہ تم کبھی اپنے ماموں کے پاس کراچی نہیں گئیں اور اکثر تمہاری امی کو مجھ سے یہ شکایت رہتی ہے کہ میں تمہارے ننھیالی رشتے داروں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا اس طرح ان کا شکوہ بھی دور ہو جائے گا"۔

"مگر بابا! آپ یہ کیوں چاہتے ہیں جبکہ وہاں سے رشتہ بھی آچکا ہے اور اس سے پہلے تو آپ نے کبھی مجھے جنید بھائی کے اصرار کے باوجود ماموں کے گھر جانے کی اجازت نہیں دی"۔

"بس بیٹا! یہی وجہ ہے اور وقت ہے تمہیں جانا چاہئے کیونکہ بیٹا! بہت سی چیزیں جو دور سے ہمیں خوبصورت اور پرکشش نظر آتی ہیں حقیقت میں ہوتی نہیں ہیں' نزدیک آتے ہی اپنی اصلیت کھو دیتی ہیں' قبل از وقت کچھ کہہ کر میں تمہارا دل برا کرنا نہیں چاہتا اور نہ ہی تمہاری امی اور اپنے درمیان جنگ کا ایک نیا محاذ کھولنا چاہتا ہوں' میری خواہش ہے کہ اپنی زندگی کا کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے تم اس گھر کے مکینوں کے بارے میں اچھی طرح جان لو' تم نے اب تک صرف جنید کو دیکھا ہے وہ بھی دو چار ملاقاتوں میں جبکہ کسی کو سمجھنے اور جاننے کے لئے تو ایک عمر بھی کم ہے اور بعض اوقات دو ناپسندیدہ اشخاص ایک ہی چھت تلے ساری زندگی گزار دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پاتے۔ یہ ایک خاموش سمجھوتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تم سمجھوتے کی زندگی گزارو' میں باپ ہوں

تمہارا' تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں حد درجہ زود رنج اور حساس' تمہارے لئے مزاج کی تبدیلی ماحول کی تبدیلی سے زیادہ اہم ہے' شادی کے بعد لڑکی کا واسطہ ایک فرد واحد سے نہیں پورے خاندان سے پڑتا ہے اور میں چاہتا ہوں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے تم ایک بار سب گھر والوں سے مل لو پھر مجھے تمہارا ہر فیصلہ منظور ہوگا لیکن اس کے بعد تمہیں مجھ سے ایک وعدہ اور بھی کرنا ہوگا جس کا علم تمہاری ماں کو نہیں ہونا چاہئے"۔

"جی بابا! کہئے"۔ کنول نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

"کراچی سے بذریعہ سڑک ہائی وے تمہیں حیدرآباد کے نزدیک ایک گاؤں بھی جانا ہوگا جس کا نام ہے "گوٹھ اللہ وسایا""

"بابا! یہ کیسا نام ہے یہ تو میں پہلی مرتبہ آپ سے سن رہی ہوں"۔ وہ حیرت سے بولی۔

"تمہارے لئے یقیناً یہ لفظ نیا ہوگا لیکن مجھ سے پوچھو تو میرا روم روم اس کو پکارتا ہے اور دل کی ہر دھڑکن اور میری سانس کی ہر لے سے اسی گاؤں کی صدائیں آتی ہیں کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے میرا خمیر اٹھا' جس مٹی نے مجھے پروان چڑھایا' جس کی گود میں پل کر میں جوان ہوا' جہاں میرے آباؤ اجداد کی ہڈیاں دفن ہیں اور جہاں میرے بوڑھے والدین میرا ایک بھائی' دو بہنوں کے ساتھ رہائش پذیر ہیں"۔ حامد علی خان کی آواز شدت' جذبات سے بھرا گئی اور کنول کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

"اس کا مطلب ہے میرا پورا ددھیال موجود ہے اور آپ نے اب تک اتنی بڑی خوشی مجھ سے پوشیدہ رکھی' کیوں بابا جانی کیوں؟" کنول بے تابی سے بولی۔

"بیٹا! یہ ایک طویل داستان ہے"۔ حامد علی خان کی نظریں دور کہیں ماضی کو حال میں لانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"یوں سمجھو کہ ایک بے وقوف دیہاتی انسان شہر میں آ کر اس کی چکا چوند اور مصنوعی روشنیوں میں خود کو گم کر بیٹھا اور اپنی اصلیت بھلا دی' اونچی اڑان اڑنے کی خواہش نے زمین سے رشتہ توڑ کر خلاؤں میں معلق کر دیا' وہ بھول گیا کہ اس کی بچپن کی منگیتر یتیم کزن اس کی راہوں میں پلکیں بچھائے بیٹھی ہے' اس کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ بوڑھے ماں باپ نے علم کی شمع روشن کرنے کے لئے اپنے گھر کے چراغوں کی لو مدھم کر رکھی ہے' وہ رشتے ناطوں کی پہچان بھول گیا ایک محبت کی خاطر اس نے تمام محبتوں سے منہ موڑ لیا اور وقت اور حالات نے اس پر مصلحتوں کی دھول جما دی اور جب ہوش آیا جذبات کی آندھی اتری تو وہ شخص اکیلا' تنہا اور تہی داماں تھا' بیوی' بچوں کے ہوتے ہوئے بھی دعاؤں والے ہاتھ اس کے سر پر سایہ فگن نہیں تھے"۔

اسے گوٹھ اللہ وسایا کی وہ گلیاں یاد تھیں جہاں اس نے اپنے چھوٹے بھائی اور منگیتر کے ساتھ کھیل کود کر اپنا بچپن گزارا تھا' اس کو تو اپنے باپ کی وہ نصیحت بھی بھول گئی تھی جو انہوں نے شہر بھیجنے سے پہلے اس کے کانوں میں پیار سے انڈیلی تھی۔

"بیٹا! ڈاکٹر بن کر اس گاؤں کی گلیوں اور یہاں کے مکینوں کو مت بھولنا ان کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے حق ہے ان کا تم پر' شہر والوں کے لئے تو بے شمار ڈاکٹر ہیں لیکن گاؤں کے لئے تم پہلے ڈاکٹر ہو جن کی نگاہیں تمہارے انتظار میں ان راہوں پر بچھی رہیں گی جہاں تم ڈاکٹر بن کر قدم رکھو گے' ہر شخص تمہاری راہ میں پلکیں بچھائے گا کیونکہ تم ان کا مان ہو' ان کا یقین اور بھروسہ ہو کہ تمہاری کامیابی میں اس گاؤں کے ہر مرد کی دعائیں شامل ہوں گی' یہ بھی مت بھولنا کہ اس کامیابی میں تمہاری منگیتر کا بھی بڑا ہاتھ ہے' اس نے تمہاری پڑھائی کے لئے ہمارے منع کرنے کے باوجود اپنی زمین گروی رکھی ہے جو تم پر قرض ہے"۔ حامد علی خان کی آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی ہونٹ شدت

جذبات سے کانپ رہے تھے اور چہرہ اندرونی کشمکش سے سرخ ہو رہا تھا۔

"وہ دیہاتی یہاں آ کر اصل سے رشتہ توڑ بیٹھا' اس نے اپنی بنیاد کھو دی' اپنی پہچان مٹادی اور تمہاری امی جو لاہور کے ایک بڑے جاگیردار کی بیٹی تھیں ان کی خوبصورتی' شان و شوکت اور دولت نے اس دیہاتی کو اندھا کر دیا' دولت کی چمک تو اچھے اچھوں کو چوندھیا دیتی ہے میں تو پھر ایک سیدھا سادہ دیہاتی تھا' تمہارے نانا اسی شرط پر اپنی بیٹی سے شادی پر رضامند ہوئے تھے کہ میں رشتہ داروں سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے باہر جاؤں گا کیونکہ ان میں جاگیرداروں والی تمام خصلتیں تھیں' انسانی جذبات و احساسات سے بری' دولت کو ترجیح دینے والے غرور و تکبر کی بلندیوں پر کھڑے ہر شخص کو حقیر اور کمتر سمجھنے والے ان کی نظر میں گاؤں والے کیڑے مکوڑے اور دھرتی پر بوجھ تھے۔ ٹٹ پونجیاں اور چار آنے والے' اخلاق' مروت' رواداری' بھائی چارگی اور ہمدردی بقول تمہارے نانا کے "یہ غریبوں کے وہ ہتھیار ہیں جن سے وہ اپنے امیر نہ ہونے کی پردہ پوشی کرتے ہیں"۔ میں نے اپنے وعدوں اور خاندانی روایات کے خلاف جب یہ قدم اٹھایا تو تمہارے دادا آگ بگولا ہو گئے' گھر کے سربراہ کی حیثیت سے ان کے ہر فیصلے کو مسلم سمجھا جاتا تھا' پھر انہوں نے اپنے مرتے ہوئے بھائی سے بھتیجی کو بہو بنانے کا وعدہ کیا تھا ان کے لئے یہ سب ناقابل قبول تھا انہوں نے ہمیشہ کے لئے اپنے گھر کے دروازے مجھ پر بند کر دیئے اور اس طرح میرے لئے تمہارے نانا کی بات ماننا اور آسان ہو گیا' میں شادی کے بعد جب پڑھنے امریکا گیا تو اس کا سارا خرچہ تمہارے نانا نے اٹھایا جب واپس لوٹا تو ضمیر کی خلش اور روح کی چبھن نے مجھے سکون سے نہ رہنے دیا' آج دنیا کی ہر آسائش میرے پاس ہے دولت' شہرت' عزت اور چار پیارے پیارے بچے لیکن سکون نام کی کوئی چیز نہیں' تمہاری ماں سے مجھے کوئی شکایت نہیں کیونکہ اس سارے فیصلے میں اس کا دخل نہیں تھا مگر اس نے کبھی مجھے اپنے والدین سے رابطہ کرنے کو بھی نہیں کہا۔

"تو کیا بابا جانی! اب آپکا ان سے کوئی رابطہ ہے"؟

"ہاں! باوجود سب کے میرے چھوٹے بھائی نے مجھ سے تعلق نہیں توڑا اور اب اس کا بیٹا جو خود بھی ایک ڈاکٹر ہے اکثر میرے پاس آتا رہتا ہے"۔

"بابا جانی! آپ نے بعد میں ملنے کی کوشش تو کی ہوتی آپ تو خود کہتے ہیں ماں باپ کا دل بڑا ہوتا ہے وہ یقیناً آپ کو معاف کر دیتے"۔

"کیا منہ لے کر جاتا' تمہارے دادا غیرت مند خاندانی رکھ رکھاؤ والے اصول پسند انسان ہیں' انہوں نے اپنا وعدہ نبھایا اور چھوٹے بھائی نے ان کا بھرم رکھا اور اپنے سے دو برس بڑی میری منگیتر سے شادی کر لی' ان سے نظریں ملانے اور سامنا کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں' یہ تو تمہارے چاچا کے بیٹے خسرو کی محبت اور ہمت ہے جس نے مجھے یہ راستہ دکھایا کہ اصل سے سود پیارا ہوتا ہے یقیناً تمہارے ذریعے میں اپنے والدین کو منانے میں کامیاب ہو جاؤں گا"۔

"پھر آپ خسرو بھائی کو کبھی گھر کیوں نہیں لائے؟" کنول نے حیرانگی سے پوچھا۔

"تاکہ تمہاری امی کو علم نہ ہو سکے' اسی شرمندگی اور ضمیر کی چبھن سے بچنے کے لئے میں نے کراچی سے اپنا ٹرانسفر لاہور کرا لیا تھا کہ اتنے نزدیک رہتے ہوئے میں کہیں تمہارے نانا سے کیا ہوا وعدہ نہ توڑ بیٹھوں' لیکن اب نانا نانی تو رہے نہیں صرف تمہارے ماموں ہیں جن سے مجھے کوئی ذاتی اختلاف نہیں لیکن انہیں تمام خصلتیں اور عادتیں موروثی طور پر ملی ہیں' جاگیردارانہ نظام کی پوری خوبیاں ان میں موجود ہے وہی غصہ' وہی اکڑ' وہی تکبر و غرور' غریبوں کو حقارت سے دیکھنے والے اور انہیں

کیڑے مکوڑوں سے تشبیہہ دینے والے' اور بیٹا! تم تو اپنے گھر کے دیگر بہن بھائیوں سے بھی مختلف ہو کیسے اور کیونکر ایڈجسٹ کرو گی یہ میں تم پر چھوڑتا ہوں' لیکن بچے! میری دلی تمنا اور خواہش ہے کہ تم ایک مرتبہ اس گاؤں بھی ضرور جاؤ جس کی مٹی اور ہرے بھرے کھیتوں سے آج بھی سوندھی سوندھی محبت کی خوشبو آتی ہے جہاں کا ہر گوشہ تجھے پکار رہا ہے بیٹا! میری دعا ہے آرزو ہے کہ تم شہر اور گاؤں کے درمیان ایک رابطہ ایک واسطہ اور ایک پل بن جاؤ"۔

"بابا جانی! میں پہلے گاؤں جاؤں گی"۔ کنول کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کے دکھوں کو اپنے دل میں چھپا لے' جتنی جلدی ممکن ہو اس کا مداوا کر سکے۔

"نہ نہ پتر!" وہ جلدی سے بولے۔

"تمہاری ماں کو ہمیشہ مجھ سے یہ شکایت رہتی ہے کہ میں ان کی ہر بات کی مخالفت کرتا ہوں اور یہ معاملہ تو ان کے بھتیجے کا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس مرتبہ فیصلے کا اختیار صرف تمہارے ہاتھ میں ہو' پہلے تم کراچی جاؤ کچھ دن وہاں رہو' سوچو' پرکھو اور دیکھو پھر گاؤں کا قصد کرنا"۔ حامد علی خان تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے اٹھ گئے لیکن کنول کو لگا وہ امتحان گاہ میں کھڑی ہے' کس دوراہے پر بابا جانی نے لا کر کھڑا کر دیا تھا' اگر ددھیال والوں نے اسے قبول نہیں کیا' باپ کے کئے کی سزا بیٹی کو دی تو؟ اکثر اس نے اپنی ماں سے گاؤں کے رہنے والوں کی موروثی دشمنیاں' انتقام' ظلم و زیادتی اور جاہلانہ رسم و رواج کے بارے میں سن رکھا تھا۔

☆

دوسرے دن لاہور ایئرپورٹ خود بابا جانی خدا حافظ کہنے کے لئے موجود تھے۔

کراچی ایئرپورٹ کو اس نے حیرت سے دیکھا کراچی آنے کا اس کا پہلا اتفاق تھا' قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ اس کو بے حد خوبصورت لگا' جنید بھائی نے گرمجوشی سے اسے خوش آمدید کہا۔ شاہراہ فیصل کی صاف ستھری اور کشادہ روڈ اس کو بہت اچھی لگی' بلند و بالا دیو قامت دونوں اطراف کی عمارتیں اس کے لئے دلچسپی کا باعث تھیں۔

"کمال ہے جنید بھائی! آپ کا کراچی تو بے حد خوبصورت ہے"۔ فلائی اوورز سے گزرتے ہوئے اس نے بے ساختہ تعریف کی۔

"تمہارا بھی تو ہے"۔ جنید کی برجستگی پر اس کو ہنسی آ گئی۔

"ویسے ہمارے یہاں لاہور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ جمیا ہی نہیں' بھئی پنجابی میں ایسا ہی کچھ کہتے ہیں مگر میں کہتی ہوں یہ جملہ تو کراچی کے لئے کہنا چاہئے"۔

"تم نے خیر ابھی دیکھا ہی کیا ہے' اصل میں لاہور میں گھومنے پھرنے کی بڑی جگہیں ہیں تفریح اور پکنک کے لئے بے شمار مقامات اور پارکس جب کہ کراچی میں سمندر کے علاوہ کوئی بھی جگہ تفریح کے لئے بہتر نہیں لیکن پہلے کے مقابلے میں کراچی نے بھی کافی ترقی کی ہے ہمارے شہر کو "عروس و البلاد" بلاوجہ ہی تو نہیں کہا جاتا"۔ جنید کے لہجے میں فخر تھا۔

اچانک ایک ضعیف اور باریش شخص روڈ کراس کرنے کے چکر میں سامنے آ گیا اور ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔

"بڈھے! اندھا ہے کیا نظر نہیں آتا؟" جنید غصے سے دھاڑا اور دو تین فحش قسم کی گالیاں اس کو نکا دیں' کنول سہم گئی' اس نے کہاں کبھی ایسی گالیاں سنی تھیں پھر سارے راستے وہ خاموش رہی جبکہ جنید اسی طرح چنچل طبیعت کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا رہا۔

"آپ صبا اور صنعا کو بھی لے آتے"۔ اس نے اپنی کزن کے بارے میں پوچھا۔

"ارے چھوڑو وہ وہیں ٹھیک ہیں"۔ گھر پر صنعا اور صبا نے اس کی آمد پر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا' سب سے زیادہ اسے ممانی اچھی لگیں جن سے وہ پہلی مرتبہ مل رہی

تھی، نازک نازک، بے آواز قدموں سے ہولے ہولے چلتی ہوئی مقدس، پاکیزہ اور معصوم، ماموں تو اس کو گلے لگا کر رو پڑے پھر دبنگ لہجے میں گویا ہوئے۔

''دیکھو میری بھانجی پہلی مرتبہ اس گھر میں آئی ہے اس کو کسی قسم کی تکلیف یا شکایت نہ ہونے پائے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا''۔

''ماموں! یہ زیادتی ہے میرے ساتھ''۔ وہ احتجاجاً بولی۔

''آپ تو مجھے مہمان کی جگہ وبال جان بنانے پر تلے ہوئے ہیں مہمان تین دن کا ہوتا ہے جبکہ میں تو زیادہ دن رہنا چاہ رہی تھی۔

''ارے بیٹا! جم جم رہو سر آنکھوں پر کون منع کر رہا ہے، بس اس بے وقوف عورت کی وجہ سے کہہ رہا تھا جو اتفاق سے تمہاری ممانی ہے''۔ دو چار دن میں ہی کنول گھر کے ماحول سے اکتانے لگی ہر شخص گھر میں خود غرض اور مطلبی تھا اور ہر ایک نے دکھاوے اور بناوٹ کی چادر اوڑھ رکھی تھی، سوائے ممانی کے جن کا ظاہر و باطن ایک تھا، ماموں کے غصے سے سب ڈرے ڈرے سہمے سہمے رہتے تھے جہاں ان کی آمد کا وقت ہوتا، ممانی سے لے کر صبا اور صنعا دونوں الرٹ ہو جاتیں، ہر شخص دوہری زندگی گزار رہا تھا، سوائے جنید کے جو کسی سے نہیں ڈرتا تھا، لیکن ماں سے اس کو شدید محبت تھی۔

کنول کو صبح سویرے اٹھنے کی عادت تھی سب گھر والے نمازی تھے بلکہ جمعہ جمعہ بابا جانی چاروں بچوں کو جمع کر کے دین کی اچھی اچھی باتیں بتایا کرتے تھے، بحث و مباحثہ ہوتا تھا چاروں بچے اپنی اپنی رائے پیش کرنے میں آزاد تھے، اختلاف رائے کا سب کو حق تھا کیونکہ بابا جانی کہتے تھے۔

''آپ کنوے کریں اپنے خیالات لیکن کسی کو کنوینس مت کریں''۔ ایک اور بھی بات چاروں بہن بھائیوں سے کہتے تھے۔

''بیٹا! جب ہمارے پاس دلیل نہیں رہتی کسی بات کا جواز نہیں ہوتا تو ہم اپنی کمزوری کو غصے میں چھپا لیتے ہیں جو غلط ہے''۔ کنول نے اندازہ لگایا کہ ماموں اپنی ہر جائز اور ناجائز بات کو غصے سے منوا لیا کرتے تھے گھر میں کسی میں سچ بات کہنے کا حوصلہ نہیں تھا اور ماموں کوئی بات اپنی مرضی کے خلاف سننے کو تیار نہیں ہوتے تھے، جنید کی اپنی مصروفیات تھیں وہ ماموں کے غصے کو چٹکیوں میں اڑا دیتا تھا، اکثر اس کی ماں سے محبت، ماموں ممانی کے درمیان جنگ و جدل کا باعث بنتی تھی۔ وہ گھر کی ہر خرابی کا ذمہ دار ممانی کو ٹھہراتے اور ہر نقصان کو ممانی کے کھاتے میں ڈال کر طنز کے تیر برسایا کرتے اور وہ بے زبان عورت خاموشی کی زبان سے ہر بات کا جواب شاید دل ہی دل میں دیا کرتی، دونوں بہنیں بی اے کر کے فارغ تھیں آگے پڑھنے کی اجازت نہیں تھی اور ان کی زندگی کا مقصد سارا دن ٹی وی یا پھر ڈی وی ڈی پر فلمیں دیکھنا تھا لیکن جونہی ماموں کی آمد کا وقت ہوتا وہ سر ڈھانپ کر معصوم پارسا بن جاتیں، کنول کو ان کی بے مصرف زندگی کا مصرف سمجھ میں نہیں آتا تھا اس کے گھر کا ماحول بڑا پرسکون تھا گو اس کی امی غصے کی تیز اور حاکمانہ طبیعت کی مالک تھیں لیکن دوسری طرف بابا جانی اسی قدر ٹھنڈے مزاج کے تحمل اور بردبار تھے، شعلہ اور شبنم جیسی کیفیت شاید بابا جانی کی طبیعت کا ٹھہراؤ اور انکساری دونوں کے درمیان توازن برقرار رکھے ہوئے تھی، کنول کو تو کبھی کبھی اپنی ممانی کے صبر اور ضبط پر حیرت ہوتی تھی، آخر ایک دن اس سے برداشت نہیں ہوا اور وہ ممانی سے پوچھ بیٹھی جس سے ان کی کافی دوستی ہوگئی تھی۔

''ممانی! آخر ماموں کے ساتھ مسئلہ کیا ہے ان کی تیوروں پر ہر وقت بل کیوں پڑے رہتے ہیں؟ بات کریں تو لگتا ہے منہ سے آگ اگل رہے ہیں، ان کا لہجہ بھنایا ہوا تو ہے ہی مگر انداز گفتگو بھی طنز سے بھرپور ہوتا ہے، لگتا ہے مسکرانے کے پیسے لگتے ہیں یا اس گھر میں ہنسنا بولنا منع ہے اور جب مجھ سے بات کرتے ہیں تو ان کے انداز ہی بدل جاتے ہیں لگتا ہی نہیں کہ یہ تندخو ماموں ہیں، مجھے تو شرمندگی سی ہونے لگتی ہے''۔ ممانی بھی شاید تنہا سہتے سہتے تھک چکی تھیں اس لئے بے اختیار کنول کے سامنے دل ہلکا کر بیٹھیں اور ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔

''بس بیٹا! نہ ہی پوچھو تو اچھا ہے کیونکہ سمجھ میں تو میرے بھی آج تک نہیں آیا کہ جس عورت کو وہ بڑے ارمانوں سے سر کا تاج بنا کر لائے تھے وہ اچانک قدموں کی دھول کیوں ہوگئی، سچ پوچھو تو اب میں تھکنے لگی ہوں، عمر گزر گئی برداشت کرتے کرتے بچے جوان ہوگئے کبھی کبھی تو مجھے ضبط کی طنابیں کھنچتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہیں لگتا ہے اندر ایک آتش فشاں ہے جو اچانک پھٹ جائے گا اور ہر چیز کو خس خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا، ختم کر دے گا میری ہنستی بستی گرہستی کو، حالانکہ میں زبان کو تالا لگا کر یہ بھول چکی ہوں کہ میں یونیورسٹی کی بہترین ڈیبیٹر، ادبی مجلے کی سب ایڈیٹر اور ایم ایس سی میں گولڈ میڈلسٹ ہوں، یاد ہے تو صرف اتنا کہ میں دو جوان بیٹیوں اور ایک بیٹے کی ماں ہوں، میرا وجود تو کب کا فنا ہو چکا، یہ تو ایک چلتی پھرتی زندہ لاش ہے یا یوں سمجھو فرض اور ممتا کے خمیر سے گندھی ایک مجبور اور بے بس ماں''۔

''آپ اور Msc......'' کنول کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''اور جو ماموں سارا دن آپ کو جاہل عورت کہہ کر پکارتے ہیں؟''

''یہ ان کا احساس کمتری ہے کیونکہ وہ خود میٹرک پاس ہیں''۔

''تو پھر بے جوڑ یہ شادی کیسی ہوگئی؟''

''بس میری جان! مقدر، جس سے کوئی نہیں لڑ سکتا، تمہارے ماموں نے یونیورسٹی میں دیکھا اور پسند کر لیا، ہم چھ بہنیں پہاڑ جیسی سلوں کی طرح باپ کے سینے پر دھری تھیں، انہوں نے اتنے اونچے اور لکھ پتی خاندان کے رشتے کو اپنی خوش بختی جانا، ویسے بھی دولت انسان کے ہر عیب چھپا دیتی ہے مگر شادی کے بعد میری یہی ڈگری میرے لئے کلنک کا ٹیکہ بن گئی حالانکہ میں نے کبھی جتایا نہیں لیکن پہلے سسرال والے اٹھتے بیٹھتے تمہارے ماموں کے کانوں میں زہر انڈیلتے رہے پھر ان کی انا پرستی اور احساس کمتری...... محبت کے سوتے سوکھ گئے تمہارے ماموں محبت کا سبق بھول گئے، میں محبوبہ سے بیوی بن گئی، جو جاگیرداروں کی نظر میں پاؤں کی جوتی ہوتی ہیں۔ میرے میکے میں ہر چیز پر علم کو فوقیت دی جاتی ہے، یہاں ہر شخص کو دولت کے ترازو میں تولا جاتا ہے، میں نے صبر و شکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا کہ اللہ صبر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے پھر زندگی گزارنے کے لئے کوئی امید کوئی آس کا جگنو اور کوئی سنہرا خواب آنکھوں میں بسا رکھو تو زندگی سہل ہو جاتی ہے اور میری آس اور امید جنید ہے''۔

''مامی! آپ نے صنعا اور صبا کو بھی آگے نہیں پڑھنے دیا''۔ کنول نے استفسار کیا۔

''بس بیٹا! میری تو بڑی خواہش تھی لیکن یہاں بھی تمہاری ماموں کی جاہلانہ سوچ آڑے آ گئی کہ پڑھ لکھ کر پیسہ گنوانے سے کیا فائدہ، عورت کا کام گھر کی دیکھ بھال اور بچے پالنا ہے تم نے ایم ایس سی کر کے کونسا تیر مار لیا۔ میری بچیاں بھی باپ کی شفقت اور لاڈ پیار سے محروم رہیں میں نے بارہا تمہارے ماموں کو سمجھانا چاہا مگر ان کا ایک ہی جواب ہوتا ہے، کس چیز کی کمی ہے اچھا کھاتی ہیں، اچھا پہنتی ہیں، محبت و چاہت سب کتابی باتیں ہیں ان سے پیٹ نہیں بھرتا''۔ آخر میں ان کی آواز بھرا گئی، خود کنول کا دل بھی جیسے کسی نے چیر دیا ہو وہ انہیں بانہوں کے حصار میں لے کر پیار سے بولی۔

''مامی! آپ روئیں مت میرا دل دکھتا ہے۔ ......ان کا بدلنا مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں میں کوشش ایک مرتبہ ضرور کروں گی اس گرہ کو کھولنے کی

جس نے ماموں کو جکڑ رکھا ہے"۔

☆

صبح سب کو دیر سے اٹھنے کی عادت تھی' کیونکہ ابتداء میں تو کنول بھی نماز کے بعد پوری کوٹھی میں بے چین روح کی طرح بوکھلائی بوکھلائی پھرتی تھی' پھر رفتہ رفتہ خود بھی وہ نماز پڑھ کر لیٹ جاتی تھی' اس دن اس کی جھپکی لگی ہی تھی کہ بے ہنگم شور سے اس کی آنکھ کھل گئی' وہ گھبرا کر باہر نکل آئی ماموں بری طرح گرج برس رہے تھے اور مامی کھسیا کر صفائیاں پیش کر رہی تھیں۔

"یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے' نوکروں کو بھی سر پر چڑھا کر رکھتی ہو' کہہ دو اس الو کے پٹھے سے سیدھی طرح بتا دے ورنہ مجھے ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنا بھی آتا ہے"۔ ماموں بری طرح اس بارہ تیرہ سال کے نوکر پر برس رہے تھے جو اوپر کے کاموں کے لئے رات دن رہتا تھا کنول نے ممانی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا وہ آہستہ سے بولیں۔

"تمہارے ماموں کے پرس سے کسی نے دو ہزار روپے نکال لئے ہیں اور ان کو بشیر پر شک ہے"۔ کنول نے غور سے بشیر کی طرف دیکھا معصوم سا بے ضرر بچہ جو خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور ماموں کا اٹھا ہوا ہاتھ رکنے کے لئے تیار نہیں تھا' کنول کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو' اس نے بے ساختہ بشیر کو اپنے پیچھے کر لیا اور تندہی سے بولی۔

"ماموں! بس کریں بغیر تحقیق کے کسی پر الزام لگانا بہتان کے زمرے میں آتا ہے آپ ذہن پر زور ڈالیں ہوسکتا ہے آپ نے خرچ کر لئے ہوں یا کسی کو دے دیئے ہوں"۔

"نہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے رات والٹ میں 10 ہزار روپے رکھے تھے اب آٹھ ہزار ہیں جو اسی گھٹیا انسان نے نکالے ہیں اور یہ جاہل عورت مسلسل اس کی طرف سے صفائیاں پیش کر رہی ہے"۔ ان کا اشارہ ممانی کی طرف تھا' شور ہنگامے سے جنید بھی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

"کیا صبح صبح ابا آپ نے ہنگامہ مچایا ہوا ہے' نیند حرام کر دی چین سے سو بھی نہیں سکتے آخر کون سی قیامت آ گئی ہے"۔ وہ غصے سے دھاڑا۔

"اس نے میرے پرس سے دو ہزار روپے اڑا لئے ہیں اور اب انکاری ہے"۔

"ابا! آپ کے دماغ کو کیا ہوا ہے کل ہی رات تو آپ نے گاڑی میں پٹرول ڈلوانے کے لئے مجھے دو ہزار روپے دیئے تھے"۔ وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ ماموں کھسیا گئے' بشیر کام چھوڑ کر چلا گیا مامی حمایت میں بولی تو ماموں چلانے لگے۔

"اچھا زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں' پیسہ پھینک تماشہ دیکھ کوئی اور نوکر مل جائے گا بشیر پر دنیا ختم نہیں ہو گئی"۔ اس دوران صبا اور صنعا کھانا لگا چکی تھیں کنول کی تو بھوک ہی اڑ گئی تھی اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ پر لگا کر اڑے اور گھر پہنچ جائے لیکن جب بھی فون پر بات ہوتی بابا جانی پیار سے کہتے۔

"بیٹا! تھوڑے دن اور رہ لو بس تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو"۔

☆

اس دن رات اس کی ہلکی ہلکی سسکیوں سے آنکھ کھل گئی' صنعا' صبا کو سمجھا رہی تھی اور وہ منہ دبا دبا کر رو رہی تھی' کنول نے سرہانے لیمپ آن کیا تو دونوں کے چہرے فق ہو گئے۔

"پلیز صبا! مجھے غیر مت سمجھو آخر تمہارا ہی خون ہوں مجھے بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟" پھر کنول کے محبت بھرے اصرار پر بتایا۔

میں خالہ زاد بھائی کو پسند کرتی ہوں جو پڑھا لکھا اور برسر روزگار ہے خالہ کئی مرتبہ رشتہ لانے کو کہہ چکی ہیں مگر امی منع کر دیتی ہیں کیونکہ ابو ہمارے ننھیال کو پسند نہیں کرتے"۔

"مگر کیوں......؟" کنول نے حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ ابو کی نظر میں دولت ہی زندگی کی اساس ہے ان کا بس چلے تو دولت کو بچھائیں' روپے کو کھائیں اور دولت کی چادر ہم سب کو اوڑھائیں' انسانی جذبات اور احساسات کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں اور ہر دکھ کا درماں اور ہر درد کا مداوا صرف اور صرف پیسہ ہے"۔ صبا کا لہجہ خود بخود تلخ ہو گیا' کنول سن کر پریشان ہو گئی' پھر پیار سے اس کو گلے لگاتے ہوئے بولی۔

"تم پریشان نہ ہو کچھ سوچتے ہیں اس بارے میں مگر پہلے ان موصوف کا دیدار تو کراؤ"۔

کنول کو جواد سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ خوش شکل مہذب اور شائستہ' اس کی بات چیت سے رکھ رکھاؤ ٹپک رہا تھا' جانے ماموں کو کیا کمی نظر آ رہی تھی اس میں' وہ تاک میں تھی کہ کب ماموں تنہا نظر آئیں اور وہ ان کی کلاس لے کیونکہ یہ تو طے تھا کہ ماموں اپنی بھانجی سے محبت کرتے تھے جس میں کوئی بناوٹ نہیں تھی' کبھی کبھی کنول کو حیرت ہوتی تھی وہی زبان جو آگ انگارے برساتی تھی اسی زبان سے کنول کے لئے شیرینی کیسے ٹپکنے لگتی تھی۔

☆

شومئی قسمت پڑوس میں عیادت کے لئے سب گھر والوں کو جانا پڑا اور کنول نے ماموں کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی پھر ڈرتے ڈرتے اس نے ماموں کو مخاطب کیا۔

"ماموں ایک بات پوچھوں؟ سچ بتائیے گا"۔

"بھانجی! سو پوچھو کیا تم سے جھوٹ بولوں گا"۔ انہوں نے پیار سے اس کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"ماموں! آخر مسئلہ کیا ہے آپ ہر وقت مامی پر غصہ کیوں رہتے ہیں؟"

"کیا اس نے تم سے شکایت کی؟" ماموں غصے سے بھڑک اٹھے۔

"اس کی ہمت کیسے ہوئی"۔

"ماموں"۔ کنول بگڑ کر بولی۔

"آپ کی یہی کمزوری ہے کہ آپ بغیر جانے اور بغیر سوچے غصے میں آ جاتے ہیں' بھلا میں کیا اندھی ہوں کیا شعور نہیں رکھتی سارا دن آپ مامی کی کلاس لیتے رہتے ہیں' بے مقصد اور بلاوجہ' مجھے کیا نظر نہیں آتا' مجھے معلوم ہے آپ کی یہ پسند کی شادی تھی پھر ایسا کیا ہوا کہ مامی آپ کے دل سے اتر گئیں' آپ شبنم سے شعلہ بن گئے' گھر میں اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی ایک تناؤ کی سی کیفیت ہے ہر کوئی ایک دوسرے سے بے زار ناراض اور خفا لگتا ہے' آخر کیوں؟ ایسا کیا ہو گیا کہ یہ گھر مجھے آسیب زدہ لگتا ہے ماموں کچھ تو کہیں"۔

"بس بیٹا! میں خود بھی اس بوجھ کو دل پر لئے تھک سا گیا ہوں"۔ ماموں کے چہرے پر خجالت اور شرمندگی تھی۔

"اس شادی میں تمہارے نانا نانی کی مرضی شامل نہیں تھی' میں جذبات میں اندھا ہو رہا تھا شروع میں تو سب کچھ ٹھیک رہا لیکن آہستہ آہستہ مجھ پر بھی ماں باپ کی باتوں کا اثر ہونے لگا' تم جانتی ہو تسلسل سے پانی کی بوند بھی پتھر پر گرے تو سوراخ ہو جاتا ہے میں تو پھر انسان تھا' پھر تمہاری ممانی کا رویہ بھی عجیب تھا' خاموش' ڈرا اور سہما ہوا مجھے لگا کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتیں' وہ خوبصورت تھیں' پڑھی لکھی' باشعور اور سمجھ دار' میں صرف میٹرک پاس' احساس کمتری نے مجھے مار رکھا تھا' کہیں جاتا تو مجھے لگتا ہر شخص مجھ پر خندہ زن ہو کر ان کی قابلیت کا اور میری کم علمی کا مذاق اڑا رہا ہو' میں سخت سے سخت ہوتا گیا یہ سوچ کر کہ کبھی تو یہ بھلی مانس احتجاج کرے گی' غصہ کرے گی' میری زیادتی کا احساس دلائے گی' مگر اس نے تو جیسے چپ کی بکل مار رکھی تھی۔ بیٹا! ظلم اور زیادتی کے خلاف احتجاج نہ کرنا بھی ظلم کے زمرے میں آتا ہے میرا دل چاہتا وہ چیخے' چلائے لڑے اپنے حق کے لئے' آواز بلند کرے مجھے احساس دلائے کہ اس کا بھی اتنا ہی حق ہے اس گھر پر مگر......" ماموں نے

ٹھنڈی سانس بھری۔

"اب میری یہ عادت بن گئی ہے یہ احساس دل سے نہیں جاتا کہ شاید تمہاری ممانی یونیورسٹی میں کسی کو پسند کرتی تھیں اور شادی مجھ سے ہوگئی"۔ زور دار دھماکے کی آواز سے کنول کی چیخ نکل گئی، ممانی جانے کب کمرے میں آگئی تھیں اور اب ماموں کی باتیں سن کر برداشت نہ کرسکیں انہیں شدید نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

اسپتال میں ماموں، جنید، کنول اور دونوں صبا اور صنعا بے قراری سے ٹہل رہے تھے، ماموں کے چہرے پر پشیمانی کے رنگ تھے، ماں کی اہمیت اور محبت کا آج تینوں بچوں کو اندازہ ہورہا تھا اور جب ڈاکٹر نے ان کے ہوش میں آنے کی نوید سنائی تو ماموں سے لپٹ کر رونے لگے۔

"اس وقت کوئی اندر نہیں جائے گا"۔ جونہی سب نے کمرے کی طرف بڑھنا شروع کیا کنول نے راستہ روکتے ہوئے کہا۔

"صرف ماموں"۔ اس کی نگاہوں میں شوخی کے ساتھ ساتھ التجا بھی تھی۔ صنعا اور صبا کو چونکہ وہ بتا چکی تھی اس لئے وہ رک گئیں البتہ جنید بے قرار تھا۔

"بیٹا! تم بھی بہنوں کے پاس رکو اس وقت تمہاری ماں کو میری زیادہ ضرورت ہے"۔ آدھے گھنٹے بعد جب ماموں نے آکر اندر آنے کا اشارہ دیا تو سب نے دوڑ لگائی، ماموں نے انگلی سے وکٹری کا نشان بناتے ہوئے کنول کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"سدا جیو خوش رہو میری بھانجی! آج تم نے میری آنکھیں کھول دیں، کاش مجھے اس کا احساس پہلے ہوگیا ہوتا"۔

"دیر آید درست آید ماموں، ابھی کچھ بھی نہیں بگڑا زندگی کی تمام خوشیاں ابھی بھی آپ کی منتظر ہیں"۔ ماموں کا رویہ کیا بدلا جیسے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، کنول کی کوشش رنگ لائی اور ماموں کو یہ احساس دلائے بغیر کہ صبا، جواد کو پسند کرتی ہے تو وہ اس کا رشتہ خالہ کے گھر کرنے پر رضامند ہوگئے، ممانی ممنون تھیں تو صبا احسان مند۔ اس دن جان کر اس نے کمرے میں ماموں کو اکیلا بھیجا تھا تاکہ وہ اپنی کوتاہیوں اور غلط فہمیوں کی ممانی سے معافی مانگ لیں، اس کو یقین تھا کہ عورت کا دل اتنا وسیع ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی بڑی سے بڑی خطا بڑی سے بڑی غلطی معاف کردیتی ہے اور ممانی تو بڑے ظرف اور بڑے دل کی مالک تھیں اور وہ سب کے سامنے ماموں کو شرمندہ ہوتے دیکھ بھی نہیں سکتی تھیں، سب کچھ ٹھیک ہوگیا تھا جنید کی پسندیدگی اب ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی مگر اس کو اپنے احساسات کا ادراک نہیں تھا برف سی جمی تھی، اس کی لگاوٹ، اس کی پسندیدگی اور اس کا والہانہ پن اسے اوپری اوپری سا لگتا تھا جیسے اس کی فطرت کا حصہ نہ ہو صرف دکھاوا اور بناوٹ ہو، کنول جانتی تھی عادت بدل سکتی ہے فطرت نہیں، ماموں نے خود کو کافی بدل لیا تھا مگر جو چیز گھٹی اور فطرت میں شامل تھی وہ بدلنا مشکل تھا لیکن پھر بھی اب ماموں کو اطمینان ہوگیا تھا ممانی کو صبر آگیا تھا کہ انہوں نے خود کو منوالیا ان کی اہمیت، ان کی قابلیت اور ان کا وجود تسلیم کرلیا گیا تھا دل میں چھپی پھانس نکل چکی تھی۔

☆

اس دن ممانی کے اصرار پر وہ ڈیفنس مارکیٹ تک صبا کو ساتھ لے کر مارکیٹ تک چلی گئی وہ پہلی مرتبہ کراچی آئی تھی، نہ راستوں کا اندازہ تھا نہ سڑکوں کا پتہ، ڈی ایچ اے کالج کے سامنے سے گزرتے ہوئے اچانک سائیڈ سے نکل کر ایک کار سامنے آگئی اور بچاتے بچاتے بھی جنید کی نئی ہونڈا سٹی پر ہلکی سی خراش پڑ گئی۔ غلطی کنول کی نہیں تھی لیکن نئی جگہ نئے لوگ...... گاڑی والا ویسے ہی گاڑی بھگا کر لے گیا تھا صبا کا خوف سے برا حال تھا، اچانک بریک لگانے کے نتیجے میں ڈیش بورڈ سے ٹکرانے کی وجہ سے کنول کے ماتھے پر اچھی خاصی چوٹ آگئی تھی نیل پڑنے کے ساتھ ساتھ پیشانی پر گومڑہ سا پڑ گیا تھا۔ گھر پہنچیں تو جنید بے چینی سے دروازے پر ہی ٹہل رہا تھا۔

"میری گاڑی کیوں لے کر گئی تھیں اتنی دیر لگادی"۔ وہ بگڑ کر بولا۔

"بھائی ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا"۔ صبا کا ڈرتے ڈرتے بتانا غضب ڈھا گیا اور لگا جنید کا دماغ گھوم گیا ہو۔

"حد ہوتی ہے کنول! چلانا نہیں آتی تو لے جانے کی کیا ضرورت تھی، بیڑا غرق کردیا نئی گاڑی کا، کبھی چلائی ہے گاڑی"۔ وہ غصے میں دھاڑا۔

آواز سن کر ممانی باہر نکل آئیں اور کنول کو گلے لگاتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔

"بیٹا! کہیں تمہیں چوٹ تو نہیں لگی"۔ ذرہ سی ہمدردی پا کر کنول کا دل بھر آیا، چوٹ الگ دکھ دے رہی تھی وہ بے ساختہ رونے لگی، اب ممانی جنید پر برس پڑیں۔

"شرم تو نہیں آتی بجائے اس کے کہ بہنوں کی خیریت پوچھتے گاڑی کی فکر پڑ گئی، جہنم میں گئی گاڑی، اگر کنول کو کچھ ہوجاتا تو تمہارے ابا کو کیا جواب دیتے وہ تو تمہاری کھال میں بھس بھروادیتے"۔ ممانی کے احساس دلانے پر جنید کھسیانا ہوگیا مگر کنول کا دل بڑا برا ہوا، اس نے کہاں ایسی مادہ پرستی اور خود غرضی دیکھی تھی وہ کم عمری سے ہی گاڑی چلا رہی تھی اور کئی مرتبہ ٹھونک بھی چکی تھی مگر گھر میں سب کو گاڑی سے زیادہ اس کی جان کی فکر ہوتی تھی، اس نے بہتے ہوئے آنسوؤں کو سختی سے صاف کیا پھر ڈپٹ کر بولی۔

"جنید بھائی! آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ جس دن میرا شناختی کارڈ بنا اسی دن میرے بابا نے مجھے نئی گاڑی دلادی تھی جو مجھ سے کئی مرتبہ لگی بھی، لیکن خدا کا شکر ہے ہمارے یہاں چیزوں کو نہیں انسانوں کو اہمیت دی جاتی ہے، میرے بابا ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں، پورے لاہور میں ان کی ایک ساکھ اور نام ہے کہیئے تو ابھی انہیں فون کردوں نئی نکور گاڑی آپ کو مل جائے گی، اس کو اپنے بیڈروم میں ساتھ سلا لیجئے گا یا پھر سونے کے پنجرے میں بند کردینا"۔ ممانی کے بے حد اصرار اور محبت پر اس نے ترتیبی ڈسپنسری سے بینڈ ایج کرائی اور کمرے میں آکر اپنی پیکنگ کرنے لگی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسی لمحے گھر چھوڑ دے۔

"سوری کنول! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا تم جانتی ہو مجھے غصہ جلدی آجاتا ہے"۔ جنید کمرے میں آکر معذرت کرنے لگا۔

"جنید بھائی! انسان کی پہچان بھی اسی وقت ہوتی ہے"۔ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تم پلیز...... ناراض ہو کر مت جاؤ ورنہ میں خود کو معاف نہیں کرسکوں گا، تم میرے لئے کیا اہمیت رکھتی ہو اور اس دل میں تمہارا کیا مقام اور حیثیت ہے میرا خیال ہے تمہیں اندازہ تو ہوگا پلیز"۔ اس نے سچ مچ ہاتھ جوڑ دیئے اور کنول شرمندہ ہوگئی لیکن پھر مسکرا کر بولی۔

"جنید بھائی! جانا تو مجھے آج ہر صورت میں تھا آپ بلاوجہ دل پر نہ لیں آپ سے میں بالکل ناراض نہیں، صرف گزارش کرسکتی ہوں کہ چیزوں سے نہیں انسانوں سے محبت کرنا سیکھیں، چیزوں کا کیا ہے مل جاتی ہیں لیکن دل میں اگر بال آجائے تو کبھی نہیں ہٹتا۔

☆

سپر ہائی وے سے بائی روڈ جب کنول حیدرآباد پہنچی تو المنظر ہوٹل کے نزدیک اس کے کزن ڈاکٹر خسرو موجود تھے، کنول کو سارے راستے ہنسی آتی رہی، کس طرح حیدرآباد میں اپنی ایک دوست کا بہانہ کرکے وہ گھر سے نکلی تھی، مگر اپنے کزن کو دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی، درمیانہ قد، دبا ہوا رنگ، مگر آنکھوں میں بے تحاشہ چمک، کشادہ پیشانی اور سیاہ چمکیلے بال، مجموعی طور پر ان کی شخصیت باوقار تھی، اتنے میں جب انہوں نے بتایا کہ وہ ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں تو کنول متاثر ہوئے بغیر نہ رہ

سکی۔

”اتنا پڑھ لکھ کر آپ گاؤں میں رہتے ہیں؟“ اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

”یہ کس کتاب میں لکھا ہے کنول بی بی! کہ پڑھ لکھ کر اپنا اصل بھول جائے انسان اور اپنی جگہ چھوڑ دے“۔ وہ ہنس کر بولے پھر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

”میری پوسٹنگ تو حیدرآباد کے ایک ہاسپٹل میں ہے لیکن میں روزانہ آؤٹ بیک کرتا ہوں کیونکہ میرے گاؤں کو میری زیادہ ضرورت ہے“۔ پھر سارے راستے وہ اشتیاق سے گھر کے ایک ایک فرد کے بارے میں پوچھتی رہی۔ کچے پکے راستوں اور گرد نے اس کی طبیعت میں کافی بیزاریت پیدا کردی تھی‘ اگر اے سی کی وجہ سے گاڑی کے شیشے بند نہ ہوتے تو اب تک یقیناً وہ گرد سے اٹ کر بھوت بن چکی ہوتی۔ وہ آ تو گئی تھی مگر اب پچھتا رہی تھی بلاوجہ بابا کی باتوں کی وجہ سے وہ جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہوئی‘ مگر کیا کرتی وہ اپنے بابا کی خوشی کے لئے کچھ بھی کرسکتی تھی۔

”تم تھک گئی ہوگی بس گھر آنے ہی والا ہے“۔ خسرو کا معذرت خواہانہ انداز بھی اس کی بوریت کم نہ کرسکا اچانک گاڑی نے یوٹرن لیا تو ایک بڑے سے گیٹ کا سامنا ہوا‘ چوکیدار نے ہارن کی آواز پر گیٹ کھولا اور لمبے ڈرائیووے پر گاڑی رکی تو کنول کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں اس کی سوچ کے برخلاف سندھ کی تہذیب ثقافت سے بلند و بالا پرشکوہ عمارت اپنے جاہ وجلال کے ساتھ ایستادہ تھی۔ اس نے آج تک اونچی اونچی بلند و بالا دیواروں اور محرابوں والا گھر نہیں دیکھا تھا‘ اس کا اپنا گھر بھی لاہور میں ڈیفنس کے پوش علاقے میں تھا کشادہ اور خوبصورت مگر اس گھر کی شان ہی نرالی تھی‘ پھولدار رنگین ٹائلز‘ بڑی بڑی فرانسیسی کھڑکیوں پر حریری پردوں کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی رنگین شیشوں والی کھڑکیاں‘ بڑا اور سرسبز لان جس میں چمبیلی کی کلیاں تبسم ریز تھیں‘ بیلے کے سفید پھول گلاب کی طرح سر اٹھائے کھڑے تھے‘ لان کے کونے پر سنگ مرمر کا فوارہ جس کے چاروں طرف سفید دودھیاں بینچیں دھری تھیں خوبصورت نظارہ پیش کررہا تھا‘ اردگرد کے ماحول سے ہٹ کر یہ عمارت کہیں سے بھی ماحول سے مطابقت نہیں رکھتی تھی‘ اندر داخل ہوتے ہی ایک خوشگوار سا احساس جاگا تھا اور کنول کے قدم تھم سے گئے تھے جیسے بدلی میں چاند نکل آیا ہو‘ ہر چیز خلاف توقع تھی۔

”اگر آپ جائزہ لے چکی ہیں تو اندر چلیں“۔ خسرو شرارت سے بولے اور کنول جھینپ سی گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ عمارت کی خوبصورتی نے اسے مسحور کردیا تھا‘ ایک عجیب مغلئی انداز تھا‘ کنول نے سر اٹھا کر دیکھا بلند و بالا ستونوں پر خوبصورت رنگین شیشوں والی چھت ٹکی ہوئی تھی‘ رنگین شیشوں کا عکس کہیں کہیں دیواروں پر نمایاں ہورہا تھا‘ خوبصورت رنگین اجرکیں اور شیشوں سے سجی خوبصورت سینریاں ماحول کی دلکشی میں اضافہ کررہی تھیں‘ کنول کو لاہور کا شیش محل یاد آ گیا۔ خسرو نے شاید کسی کو اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ بڑا دروازہ جب پُرزور آواز کے ساتھ کھلا تو کنول نے خود کو ایک بڑے ہال کے درمیان پایا‘ جس کے چاروں طرف کمرے تھے اور ماربل کی خوبصورت گول بل کھاتی سیڑھیاں سنہری ریلنگ کے ساتھ اوپر جارہی تھیں خسرو نے زور سے آواز لگائی۔

”دادا‘ دادو‘ امی‘ ابو...... آپ لوگ کہاں ہیں دیکھیں ہمارے گھر کون آیا ہے؟“ خسرو کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا اور کمروں سے نکلتے اور سیڑھیوں سے اترتے بے شمار لوگوں کو دیکھ کر کنول نروس ہوگئی‘ دادا کے چہرے سے روایتی جاہ وجلال ٹپک رہا تھا‘ سفید بڑی سی پگڑی‘ سفید داڑھی‘ اس عمر میں بھی ان کی وجاہت اور رعب دیکھنے لائق تھا‘ خسرو کے تعارف کرانے پر دادی کی نرم و گرم پرجوش آغوش میں سماتے ہی وہ موم کی طرح پگھل گئی‘ سارے خدشات اور واہمات بھاپ کی طرح فضا میں تحلیل ہوگئے‘ دادا نے گلے لگایا تو اسے لگا سوکھے دھانوں میں محبت کی پھوار پڑ گئی ہو‘ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی‘ اس کا خیال تھا چچا چچی کے انداز میں رکھائی اور بےزاریت ہوگی‘ آخر وہ اس شخص کی بیٹی تھی جس نے انہیں ٹھکرا دیا تھا‘ مگر یہاں شاید ہر شخص کا خمیر محبت کی مٹی سے گندھا تھا تقریباً سب ہی رو رہے تھے‘ چچا کے سینے سے لگ کر اسے باپ کی خوشبو محسوس ہوئی۔

”بہت ہوگیا دادا جی! اب ہمیں بھی اپنی کزن سے ملنے دیں“۔ ایک خوبرو سی لڑکی نے شرارت سے کہتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔

”مجھے فریہ کہتے ہیں“

”ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں“۔ برابر سے آواز آئی کنول نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک اسی کا ہم عمر لڑکا شوخی و شرارت سے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

”یہ میرا چھوٹا بھائی بازل تم سے ایک دو سال چھوٹا ہے“۔ خسرو نے مسکرا کر کہا۔

”بھائی“۔ بازل بھنا کر بولا۔

”ایک اور باجی پیدا کردیں میرے لئے پہلے دو کچھ کم تھیں سارا چانس ضائع کردیا آپ نے“۔ پھر اس نے بڑی گرمجوشی سے کنول سے ہاتھ ملایا پورے گھر میں جیسے شوخی کی لہر دوڑ گئی ہو کنول سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس قدر گرمجوشی اور خوش دلی سے اس کا استقبال کیا جائے گا‘ دادا دادی اس کو چھوڑنے کو تیار نہیں تھے‘ ان کی آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں اور کنول کا دل دکھوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا جارہا تھا‘ اسے جانے کیوں ندامت اور شرمندگی سی محسوس ہورہی تھی اور اپنا آپ بہت چھوٹا لگ رہا تھا وہ کہاں ان چاہتوں اور محبتوں کی مستحق تھی۔ نہ کوئی طنز نہ کوئی طعنہ نہ کہیں پرانی باتوں کا ذکر‘ یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو‘ دادی بار بار اسے محبت سے بھینچ لیتیں‘ ان کی آواز بھرا جاتی‘ ہونٹ کپکپانے لگتے اور پورے جسم پر لرزہ سا طاری ہوجاتا۔

”بس کریں دادی! رو رو کر تو آپ خود کو بیمار کرلیں گی‘ لگتا ہے کنول کے آنے کی آپ کو کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی“۔ خسرو ہنس کر بولے۔

دادی نے محبت سے اس کی کمر پر ایک دھپ رسید کی پھر اس کو گلے لگاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں گویا ہوئیں۔

تو تو ویسے ہی میرے جگر کا ٹکڑا ہے لیکن کنول کو یہاں لاکر جو تو نے نیکی کمائی ہے اس کا صلہ تو میرا رب دے گا مگر میں اتنا جانتی ہوں کہ اپنی بچی کو دیکھ کر میں پھر سے جی اٹھی ہوں‘ مجھ میں توانائی اور ہمت آ گئی ہے یوں لگتا ہے کوئی بھاری سل سینے سے سرک گئی ہے اور میں بالکل ہلکی پھلکی ہوگئی ہوں۔

☆

کنول کو فریہ نے اس کے کمرے میں پہنچایا جو جدید طرز پر آراستہ گھر کے مکینوں کی خوش ذوقی کا منہ بولتا ثبوت تھا‘ اس نے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا چاروں طرف شاداب ہریالی پھیلی ہوئی تھی حد نظر تک مخملی فرش بچھا ہوا تھا‘ پودوں کی نازک نازک ٹہنیاں رنگ برنگے پھولوں سے ڈھک گئی تھیں‘ فضا بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہی تھی‘ مسکراتے غنچے‘ سرسبز پتوں سے جھانکتی ہوئی کلیاں‘ گیت گاتی ہوائیں اور عطر بیز فضائیں کنول کی روح تک سرشار ہوگئی۔ سب سے پہلے اس نے موبائل پر بابا سے بات کرکے اپنے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دی‘ بابا کی بے تابی‘ اضطراب اور سوال پر سوال کرنا کنول کو انجانی خوشی دے رہا تھا ان کو مطمئن کرکے اس نے غسل کیا اور آرام کرنے لیٹ گئی‘ جانے کتنی دیر وہ سوتی رہی تھی جب دروازہ نوک کرکے فریہ نے اسے جگایا۔

”بھئی بہت سولیں سب تمہارا کھانے پر بے چینی سے انتظار کررہے ہیں میرا تو خود بھوک سے برا حال ہے جلدی نیچے آؤ“۔ کنول کو اپنی یہ بناوٹ سے عاری

سیدھی سادی کزن بہت پیاری لگی۔

"پتہ نہیں اس بے چاری کو گاؤں کے ماحول میں پڑھنے کا موقع بھی ملا ہے کہ نہیں"۔ اس نے سوچا اور دوپٹہ شانوں پر پھیلا کر نیچے آگئی' دادا دادی نے اپنے بیچ اس کو جگہ دی' ابھی وہ کرسی پر پوری طرح بیٹھ بھی نہیں پائی تھی کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"کنول! میں ربیعہ ہوں"۔ کنول کو اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ یہ خسرو کی بڑی بہن ہے وہ بڑی گرمجوشی سے آگے بڑھ کر گلے لگ گئیں لیکن اسے لگا وہ گرمجوشی یہاں مقصود تھی جس کا مظاہرہ باقی سب نے کیا تھا۔

"بیٹا! ربیعہ قریب کے گاؤں میں بیاہی ہے اس کے دو بیٹے ہیں اور یہ اسکول میں پڑھاتی ہے"۔ دادی نے پیار سے بتایا' اس وقت تو کنول کی حیرت کا ٹھکانہ نہیں رہا جب اس کو معلوم ہوا کہ معصوم سی فریہ' نواب شاہ میڈیکل کالج کی طالبہ ہے اور سب سے چھوٹا بازل لاہور میں پڑھ رہا ہے اور ہاسٹل میں رہتا ہے۔

"کمال ہے بازل! لاہور میں ہوتے ہوئے بھی تم کبھی ہمارے گھر نہیں آئے"۔ کنول نے بے ساختہ حیرت سے کہا اور گویا سب کو سانپ سونگھ گیا ہو' سب ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگے' تب کنول کو اپنے سوال کی سنگینی کا احساس ہوا' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی بازل نے بات سنبھالی۔

"اجی...... مجھے کیا خبر تھی کہ ہماری اتنی خوبصورت سی کزن وہیں رہتی ہے تو کم از کم بیمار پڑنے پر ضرور آپ کی خدمات حاصل کرتا۔

"آپا جی"۔ اس نے آپا جی پر ضرور دیتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"کیوں کیا لاہور کے سارے ڈاکٹر مر گئے ہیں؟" ربیعہ تڑخ کر بولی اور غصے میں کھانے کی میز سے اٹھ کر چلی گئی' ربیعہ کی بات سے ماحول میں اچانک تناؤ سا پیدا ہو گیا لیکن فریہ نے کنول کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے پیار سے کہا۔

"کنول! ربیعہ آپا کی باتوں کا برا نہ ماننا وہ دل کی اچھی مگر زبان کی زرہ کڑوی ہیں' بغیر سوچے سمجھے بول پڑتی ہیں"۔

"ارے نہیں اس میں برا ماننے والی کونسی بات ہے میں ایسی کونسی توپ ڈاکٹر ہوں ابھی تو میرا ہاؤس جاب بھی مکمل نہیں ہوا"۔ کنول نے ماحول کے بوجھل پن اور کشیدگی کو کم کرنے کے لئے ہنس کر کہا۔

☆

دو چار دن میں ہی وہ سب سے گھل مل گئی' گو اس کا دل بالکل نہیں لگ رہا تھا مگر باپ نے جس مقصد سے بھیجا تھا اس کے حصول کے بغیر وہ جانا نہیں چاہتی تھی' پھر دادا دادی کی بے لوث محبت' شفقت اور بے قراری ڈھکی چھپی نہ تھی' اپنے بیٹے کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں پوچھا تھا' لیکن کنول جانتی تھی انا آڑے آ رہی ہے ورنہ جانے بیٹے کے لیے وہ کتنے بے چین ہوں گے' سب کزنز کے ساتھ مل کر اس نے آس پاس کے سارے علاقے دیکھ لیے تھے بلکہ وہ اسے ٹھٹھہ کا تاریخی شہر بھی دکھا لائے تھے جس کی بادشاہی مسجد نے لاہور کی یاد تازہ کردی تھی' پھر ایشیا کا سب سے بڑا قبرستان اور مکلی پر عبداللہ شاہ صحابی کا بارعب اور پرشکوہ مزار جہاں پہنچ کر ان کے توسط سے کنول نے بس ایک ہی دعا مانگی تھی۔

"یا اللہ میرے بابا کو دادا دادی سے ملا دے' وہ میرے باپ کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کر دیں"۔ اس نے محسوس کیا خسرو کو گھر میں ہی نہیں باہر بھی ایک خاص مقام حاصل ہے لوگ اسے دل سے محبت کرتے ہیں' احترام کا جذبہ ہے سب کے دل میں اس کے لئے' خسرو کی مضبوط مگر دھیمی آواز' نرم لہجہ' بلاشبہ اس کے لب و لہجے میں تسخیر کرنے کی طاقت تھی اسکی ظاہری شخصیت خوبصورت نہ سہی لیکن باطن بہت اعلیٰ تھا' اگر دل کی دنیا جنید کے تصور سے آباد نہ ہوتی تو یقیناً وہ کنول کے تخیل

اور آئیڈیل کے عین قریب تھا' مگر اس دل کا کیا کرتی جو ایجاب و اقرار کی منزلیں طے کیے بغیر جنید ہی کے نام پر دھڑکتا تھا' خسرو کا گاؤں عام گاؤں کے مقابلے میں جدید سہولیات سے آراستہ تھا اور یہ سب خسرو کی بھاگ دوڑ کا شاخسانہ تھا' ایک ڈسپنسری اور ایک میٹرنٹی ہوم بھی اسکی کوششوں سے قائم ہو چکا تھا' جہاں زیادہ تر کیسز ایل ایچ وی اور نرس ہی نمٹاتی تھی کیونکہ گائنی کی ڈاکٹر مشکل ہی سے وہاں ٹکتی تھی' شام کو خسرو خود ایک گھنٹہ ڈسپنسری کو دیتے تھے جہاں غریبوں کا مفت علاج ہوتا تھا' بہن بھائیوں سے لے کر گھر کے تمام نوکر اس کے گرویدہ اور دیوانے تھے اسے حسن سلوک کی وجہ سے آس پاس کے گاؤں میں بھی اسکی دھوم اور عزت تھی۔ حقیقت ہے کہ انسان کا اندر خوبصورت ہو تو اس کا عکس باہر بھی نمایاں ہوتا ہے۔

☆

اس دن فریہ کو خسرو کے کپڑے استری کرتے دیکھ کر وہ حیران ہو گئی اس کے استفسار پر اس نے بتایا۔

"بھئی بھائی جان استری کے معاملے میں بڑے چوزی ہیں' پتلون کی اگر ڈبل کریز بن جائے تو انہیں بہت برا لگتا ہے اس لئے یہ کام میں نے از خود اپنے ذمے لے لیا ہے اور جب میں نہیں ہوتی تو یہ کام امی کرتی ہیں"۔

"لاؤ میں استری کر دیتی ہوں"۔ اس کا ہاتھ بٹانے کے خیال سے کنول نے اپنی خدمات پیش کیں پھر تھوڑے پس و پشت کے بعد فریہ نے اس کے آگے سوٹ رکھتے ہوئے کہا۔

"تم یہ سوٹ استری کرو بھائی کا پسندیدہ' امریکا سے لائے تھے کبھی کبھار ہی پہنتے ہیں"۔ کنول احتیاط سے پتلون استری کرنے لگی۔ اچانک ربیعہ کے دونوں بیٹے آگے پیچھے دوڑتے ہوئے آئے' وائر کو جھٹکا لگا اور استری پتلون پھر اس کے پیر پر آ پڑی' اس نے گھبرا کر پیر ہٹایا جو سرخ ہو چکا تھا' مگر استری نے اپنا کام کر دکھایا پوری استری کا نشان پتلون پر چھپ چکا تھا' آواز سن کر فریہ اور خسرو کمرے میں داخل ہوئے خجالت سے کنول کا منہ فق اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

"کیا ہوا......؟" فریہ نے گھبرا کر پوچھا۔ کنول نے پتلون سامنے کی۔

"بچوں سے الجھ کر استری نیچے گر پڑی"۔ اس کی آواز شرمندگی سے بھرا گئی۔

"کنول! تمہیں چوٹ تو نہیں لگی......؟" پتلون پھینک کر دونوں نیچے بیٹھ گئے پاؤں پر آبلہ پڑ چکا تھا۔

"حد ہوتی ہے فریہ! کیا ضرورت تھی کنول سے استری کرانے کی' جاکر میرا فرسٹ ایڈ بکس لیکر آؤ"۔ انکے لہجے میں خفگی سی تھی' فریہ فرسٹ ایڈ بکس لینے بھاگی۔

"سوری خسرو بھائی! آپ کی قیمتی پتلون جل گئی"۔ کنول شرمندگی سے بولی۔

"لاحول ولاقوۃ...... پیر جلا لیا اس کی فکر نہیں پتلون کا غم کھائے جا رہا ہے' خبردار جواب کوئی ایسا کام کیا ہو آخر نوکر کس مرض کی دوا ہیں"۔ وہ ڈپٹ کر بولے کنول کو ان کا فکر مند ہونا اچھا لگا اور اسے بے اختیار اپنے بابا یاد آ گئے جو بچوں کی زرہ سی تکلیف پر اسی طرح تڑپ جاتے تھے' خسرو نے بڑی مہارت سے اس کے پاؤں پر مرہم لگایا' پل بھر میں ہی پورا گھر کنول کے چاروں طرف جمع تھا اور فریہ کو مسلسل ڈانٹ پڑ رہی تھی۔

"بس بھی کریں ایک تو خسرو کی اتنی پسندیدہ پتلون جل گئی اس پر الٹا فریہ کو ہی ڈانٹ رہی ہیں"۔ ربیعہ نے جل کر کہا۔

"ہاں تو غلطی بھی تو اس کی ہے کیا ضرورت تھی کنول سے استری کرانے کی' پتلون کا غم ہے بچی کا پیر جل گیا وہ تمہیں نظر نہیں آ رہا"۔ چچی بگڑ کر بولیں تو کنول کو ڈھیروں شرمندگی نے آ گھیرا' اس نے ہنستے ہوئے ربیعہ کا ہاتھ پیار سے پکڑ کر کہا۔

"ربیعہ باجی' بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں' فریہ کا کوئی قصور نہیں غلطی میری تھی ڈانٹ بھی مجھے ہی پڑنا چاہئے

آپ لوگ بلاوجہ فریہ کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور خسرو بھائی کا جو اتنا قیمتی پتلون جل گیا اس کی کسی کو فکر ہی نہیں ہے"۔ کنول نے ماحول کے بوجھل پن کو کم کرنے کے لئے شرارت سے کہا۔ ربیعہ نے شرمندہ ہو کر اس کا سر تھپتھپایا پھر متانت سے بولی۔

"نہیں خیر پتلون کی کیا اہمیت' تمہارے زیادہ نہیں لگی اس کی خوشی ہے ورنہ تمہارے اماں ابا سوچتے ہم نے جان کر جلایا ہے"۔ کنول کے سامنے پہلی مرتبہ اس کے ماں باپ کا ذکر آیا تھا ورنہ لگتا تھا ان کا ذکر کرنا یہاں ممنوع ہے۔ اس دن وہ دادا دادی کے کمرے میں جانے لگی تو ان کی اندر سے آتی آواز سن کر رک گئی۔

"آخر آپ کیوں کنول سے میرے بیٹے کے بارے میں بات نہیں کرتے۔ میں ترس گئی ہوں اس کی شکل دیکھنے کو' اس کی آواز سننے کو' کیا اسی حسرت میں دنیا سے گزر جاؤں گی' آخر آپ اسے معاف کیوں نہیں کر دیتے؟" دادی بری طرح رو رہی تھیں۔

"بھلی مانس! کس کو معاف کروں' کیا اس نے معافی مانگی ہے؟ کیا وہ یہاں آیا ہے؟ میں اس سے ناراض تھا لیکن اس کو تو مجھ سے ناراض نہیں ہونا چاہئے تھا' میں نے اس کے لئے اپنے گھر کے دروازے بند کئے تھے دل کے دروازے تو نہیں' وہ دروازہ کھول کر اندر کیوں نہیں خود چل کر آیا؟ اگر بحیثیت باپ مجھے ناراض ہونے کا حق تھا تو کیا بیٹا ہونے کے ناطے اسے منانے کا فرض نہیں تھا؟ تم ماں ہو کر رو کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی ہو میں مرد ہوں رو نہیں سکتا مگر ایک باپ بھی تو ہوں' میں نے بھی ایک ایک لمحہ ایک ایک پل تڑپ تڑپ کر گزارہ ہے مگر اگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں اسکے سامنے جھک جاؤں تو یہ ناممکن ہے' میں ٹوٹ سکتا ہوں مگر جھک نہیں سکتا وہ بھی اپنی اولاد کے آگے"۔ دادا کی آواز میں دکھ کے ساتھ ساتھ مان ٹوٹنے کا احساس بھی تھا کنول کی آنکھیں بھر آئیں۔

☆

صبح سے خسرو غائب تھے اور اب رات ہونے کو آئی تھی ان کا موبائل بھی بند تھا' کنول کو بھی خسرو کی آمد کا شدت سے انتظار تھا' سب گھر والے پریشان تھے مگر خسرو سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا' اچانک بڑا گیٹ کھلنے کی آواز پر سب چونک اٹھے۔

"بھائی آ گئے"۔ سب سے پہلے فریہ نے با آواز بلند صدا لگائی اور سب بے چین ہو اٹھے اور پھر کنول کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ بابا' اماں' دونوں بھائی اور چھوٹی بہن ربیکا' خسرو کے ساتھ داخل ہو رہے تھے' عجیب جذباتی سین تھا' سب رو رہے تھے' دادا دادی نے بغیر کچھ کہے بہو کو گلے لگا لیا تھا۔ نہ شکوہ نہ شکایت' کنول بار بار خسرو کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

"بالکل پاگل ہو سارا کریڈٹ تو تمہیں جاتا ہے نہ تم آتیں نہ دلوں پر جمی برف پگھلتی اور خود ساختہ انا پاش پاش ہوتی' کاش تم پہلے آ جاتیں"۔ خسرو کے لہجے میں حسرت تھی۔

"مجھے ابو نے بتایا ہی کب تھا' آپ بھی کبھی گھر نہیں آئے"۔ دونوں آہستہ آہستہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے جب فریہ کی نظریں پڑی تو اس کی نگاہیں کسی احساس سے چمک اٹھیں' فریہ کی نگاہوں کے تعاقب میں ربیعہ نے دیکھا تو اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ صبح کے قریب خسرو کے بے حد اصرار پر سب سونے چلے گئے بابا نے چاچا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

"میں تم دونوں سے بے حد شرمندہ ہوں میری وجہ سے تم دونوں کو کیا کچھ سہنا پڑا مگر میں ایک بات واضح کر دوں کہ ناعمہ میرے لئے ہمیشہ چھوٹی بہنوں کی طرح تھی' اگر مریم بیچ میں نہ بھی آتیں تب بھی مجھے بابا کے فیصلے سے اختلاف ہوتا"۔

"بھائی جان! آپ شرمندہ نہ ہوں ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے میں چاہتا ہوں آپ کو اس جرم کے احساس سے نکال دوں جو ساری زندگی آپ

کے سینے پر ایک بوجھ کی طرح دھرا رہا' بس کچھ شرمندگی مانع رہی جو میں آپ کو بتا نہیں سکا' اگر آپ یہ فیصلہ نہ کرتے تو ہم تینوں ایک ان دیکھی آگ میں جلتے رہتے کیونکہ میں اور ناعمہ کبھی زبان نہیں کھولتے کہ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں' آپ کے فیصلے نے ہماری امنگوں آرزوؤں اور حسرتوں کی تکمیل کر دی' ہمیں نئی زندگی مل گئی اور بابا یہ سمجھتے رہے کہ میں نے ان کے وعدے کا بھرم رکھ کر ان پر کوئی احسان کیا ہے اور ہم دونوں مارے شرمندگی کے ان سے کچھ کہہ نہ سکے' اسی لئے میں مسلسل آپ سے رابطے میں رہا اور میرا بیٹا اس میں میرا معاون تھا"۔ ڈاکٹر حامد کو لگا ان کے سینے سے منوں بوجھ اتر گیا' روح ہلکی پھلکی ہو کر پرسکون ہو گئی' انہوں نے بڑھ کر بھائی کو گلے لگا لیا دونوں اپنی اپنی جگہ شرمندہ اور شرمسار تھے۔ کنول بہت خوش تھی اور اب اس کو واپسی کی جلدی تھی تاکہ اماں کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دے کہ جنید ہی اس کے خوابوں کا شہزادہ ہے۔

☆

وہ ایک ایسا ہی خوشگوار دن تھا جب خسرو گھبرائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔

"کنول! تم نے چھ مہینے گائنی میں ہاؤس جاب تو کی ہے نا؟" انہوں نے بے تابی سے کنول سے پوچھا۔

"ہاں تو......؟" "فوراً میرے ساتھ چلو ایک سیریس کیس ہے اور گائنی کی ڈاکٹر شہر گئی ہوئی ہے"۔ گو کنول کو اتنا کوئی خاص تجربہ نہیں تھا' کیونکہ عام طور پر ہاؤس جاب میں سینئرز اپنے سے جونیئرز ڈاکٹر کو پریکٹیکلی تو کچھ کرنے نہیں دیتیں زیادہ تر ان سے نرسوں والا کام لیا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر حامد کی بیٹی ہونے کی وجہ سے بغیر کسی سفارش کے ہی اسے اہمیت دی جاتی تھی اور اس کا تجربہ بھی ٹھیک ٹھاک تھا۔

نرس کی مدد سے کنول نے اس مہارت سے کیس ہینڈل کیا کہ ماں اور بچہ دونوں کی جان بچ گئی' خسرو اور نرس دونوں ہی مشکور تھے نرس کا تو اصرار تھا کہ آپ یہیں رہ جائیں۔

"میں کوئی پاگل ہوں جو شہر چھوڑ کر اس جنگل میں رہوں گی"۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا پھر ہنس کر بولی۔

"ویسے تو میری ابھی تعلیم ہی مکمل نہیں ہوئی ہے اور پھر میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں کیسے رہ سکتی ہوں؟"

"ویسے آپ چاہیں تو رہ بھی سکتی ہیں؟" خسرو نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیسے؟" کنول نے حیرت سے پوچھا۔

"کبھی فرصت سے بتاؤں گا فی الحال تو چلنے کی فکر کرو تائی جان پریشان ہو رہی ہوں گی کہ کہیں میں نے ان کی بچی کو اغواء تو نہیں کر لیا"۔ خسرو شوخی سے بولے۔

"نہیں خیر وہ جانتی ہیں میں اتنی آسانی سے اغواء ہونے والی نہیں اور وہ بھی آپ کے ہاتھوں جو نیکی اور پارسائی کی اتنی بلندی پر ہے کہ کوئی آپ کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا' آپ تو مجھے انسان کم فرشتہ زیادہ لگتے ہیں"۔ کنول خلوص سے بولی۔

"بھئی مجھے انسان رہنے دو فرشتہ نہ بناؤ"۔

"یہ کوئی نیکی ہے نا پارسائی' میری فطرت کا حصہ ہے میں کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتا' کسی کو خود سے کمتر نہیں سمجھ سکتا' میں انسانیت' محبت' اخوت بھائی چارگی پر یقین رکھتا ہوں' دکھی انسانیت کی خدمت کرنا بحیثیت ڈاکٹر میں اپنا فرض سمجھتا ہوں' مجھے کسی کی واہ واہ کی ضرورت نہیں ہے نہ تعریف ستائش کی تمنا' میں سمجھتا ہوں یہ دنیا دکھوں سے خالی نہیں ہے ہر انسان کا دوسرے انسان پر حق ہے مگر ہم کیا کریں صرف اپنے لئے جیتے ہیں اور اپنے لئے سوچتے ہیں ہر شخص خود غرض مطلبی اور لالچی ہے پتہ نہیں ہم کیوں دوسروں کی تکلیف کو محسوس نہیں کرتے' دوسروں کے آنسو ہمیں اپنے دل پر گرتے محسوس نہیں ہوتے"۔ وہ متانت

اور سنجیدگی سے بولے۔

''کبھی میں سوچتا ہوں لوگ دولت' عزت' شہرت اور جاہ وحشمت کے پیچھے کیوں بھاگتے ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے......کھاؤ پیو مگر فضول خرچی نہ کرو اور بخیل نہ بنو اور اپنے پیٹوں کو آگ کا ایندھن نہ بناؤ۔ مگر ہر شخص اندھا دھن بھاگ رہا ہے' یہ دولت' مال وہی کرپشن' بڑا دل دکھتا ہے ہمارا ملک قدرتی وسائل سے مالا مال ہے اگر ہر شخص ایمانداری سے زکوٰۃ دے اور ٹیکس جمع کردے تو کوئی بھی بھوکا نہ رہے' تم سوچ رہی ہوگی یہ سب لفاظی اور کتابی باتیں ہیں لیکن اپنی حد تک میں اس پر عمل بھی کرنے کی پوری کوشش کرتا ہوں اور خدا کا شکر ہے اس میں میرے گھر والوں کا تعاون بھی شامل ہے''۔ کنول آنکھ بند کرکے خسرو کے الفاظ پر یقین کرسکتی تھی وہ ایسا ہی تھا سچا' کھرا ہمدرد اور وطن پرست' وہ کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہوسکتا تھا لیکن کنول کا نہیں کیونکہ وہاں پہلے ہی جنید کی ہنستی مسکراتی تصویر براجمان تھی۔

☆

اس کے دونوں بھائی اور بہن گاؤں کی کھلی فضا اور سرسبز شاداب لہلہاتی فصلیں دیکھ کر خوش تھے سب کو وی آئی پی پروٹوکول مل رہا تھا کنول چونکہ پہلے ہی سب کچھ دیکھ چکی تھی اس لئے زیادہ تر وہ گھر پر ہی رہتی تھی اس دن بھی سب گھومنے گئے ہوئے تھے اس نے سوچا ماسی سے کہہ کر چائے بنوائے۔ ربیعہ کی آواز دادا' دادی کے کمرے سے آرہی تھی وہ اس سے ملنے کے خیال سے کمرے کی طرف بڑھی' اپنا نام سن کر غیر دانستگی میں وہ رک گئی۔

''دادی! یہ کبھی نہیں ہوسکتا آپ سوچ لیجئے یہ اس ماں کی بیٹی ہے جس نے آپ کے بیٹے کو آپ سے جدا کرکے ساری زندگی خون کے آنسو رلایا' آپ بھول سکتی ہیں' میں نہیں کہ کس طرح آپ ساری ساری رات تایا کی یاد میں آنسو بہا کر گزارتی تھیں' یہ شہر کی لڑکیاں خوب گاؤں کے لڑکوں کو پھانستی ہیں لیکن اس مرتبہ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی''۔ ربیعہ کے لہجے میں نفرت اور حقارت تھی۔

''بیٹا! کنول ایسی نہیں سلجھی ہوئی' سمجھدار اور سیدھی سادی معصوم بچی ہے' تم نے بلاوجہ اس کے لئے دل میں غبار پال رکھا ہے''۔ دادی نے ربیعہ کو پیار سے سمجھایا۔

''کمال ہے دادی! ساری زندگی آپ سے سنا جس گھر سے لڑکی لینا ہو اس کی ماں کو دیکھو تو دیکھ تو لیا ماں کو' وہ تایا کی وجہ سے مارے باندھے آ تو گئیں ہیں لیکن ان کے چہرے پر خشونت اور تیوروں پر بل دور ہی سے نظر آتے ہیں' وہ ہرگز نہیں مانیں گی اور ایک مرتبہ پھر دلوں میں میل آجائے گا مجھے تو حیرت ہے خسرو نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا اور آپ بھی بغیر سوچے سمجھے اس کی ہاں میں ہاں ملانے بیٹھ گئے''۔

''بیٹا! یہ صرف خسرو کی ہی نہیں ہم سب کی خواہش ہے' تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی کی مرضی ہے اور وہ کنول کو اس گھر میں دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ بہت مختلف ہے اپنی ماں سے وہ تو بنی بنائی باپ ہے' وہی خوش مزاج' خوش اخلاق' ایثار وقربانی کا پیکر ہے بے شک حامد نے اپنی مرضی کرلی لیکن اس کی فطرت تو نہیں بدلی''۔ دادا نے پیار سے ربیعہ کو سمجھایا۔

''دادا! اس میں کوئی شک نہیں کہ کنول سب سے مختلف اور اچھی لڑکی ہے مگر میں ڈرتی ہوں اس وقت سے جب آپ کو انکار کی ذلت اٹھانی پڑے گی۔ بڑھاپے میں منہ کی کھانی پڑے گی' میں تو آپ کو اس دکھ سے بچانا چاہتی ہوں جو آپ سہہ نہیں سکتے پلیز سمجھنے کی کوشش کریں' تائی زمین آسمان ایک کردیں گی مگر اس رشتے کے لئے راضی نہیں ہوں گی' اور پھر میرا خیال ہے کنول کے لئے بھی ایسا فیصلہ کرنا مشکل ہوگا' وہ شروع سے شہری ماحول میں رہی ہے' چند دن رہنے اور مستقل رہنے میں بہت فرق ہے سوچ لیجئے ایک رشتہ کہیں طویل جدائی کا سبب نہ بن

جائے''۔ کنول پلٹ کر واپس اپنے کمرے میں آگئی اور سوچ کے دروازے کھلے تو ہر چیز صاف نظر آنے لگی' اس کو غصہ آنے لگا ان سب نے سوچ بھی کیسے لیا' وہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں تھی' تعلیم نے اس کو شعور اور آگہی دی تھی یہ چند دن کا نہیں ساری زندگی کا فیصلہ تھا جنید درمیان میں نہ بھی ہوتا تب بھی اس کا فیصلہ انکار ہی کی صورت میں ہوتا اور پھر بابا اور اماں وہ تو کبھی بھی اس کی مرضی کی خلاف فیصلہ نہیں کریں گے' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پر لگائے اور اڑ جائے' اس کا دل گھبرانے لگا' وہ ٹیرس پر باہر نکل آئی سامنے خسرو کی گاڑی کھڑی تھی وہ حیران ہوگئی وہ تو سب کے ساتھ گھومنے گئے تھے اللہ خیر کرے' وہ گھبرا کر نیچے آئی تو خسرو اپنا میڈیکل بیگ لے کر سرونٹ کوارٹر کی طرف جارہے تھے۔

''خسرو بھائی! خیریت تو ہے......؟''

''ہاں وہ چاچا خمیسو کا بچہ بھاگتے ہوئے گر گیا سر پر کافی چوٹیں آئی ہیں''۔ خسرو نے چوکیدار کے بچے کے بارے میں بتاتے ہوئے قدم تیزی سے آگے بڑھائے بچے کی ماں بری طرح رو رہی تھی۔

''چاچی! پریشان نہ ہوں معمولی چوٹ ہے''۔ خسرو نے نرمی سے ماں کو تسلی دی پھر بڑی توجہ اور محبت سے بچے کی ڈریسنگ کی' اس دوران وہ بچے سے ہنسی مذاق بھی کرتے رہے اور پھر بجائے رونے کے وہ ہنسنا شروع ہوگیا' پھر خمیسو کو ایک طرف لیجا کر زبردستی اس کی جیب میں ڈھیر سارے نوٹ ڈال دیئے' وہ بار بار ہاتھ جوڑ رہا تھا کبھی پیروں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔

''چاچا! میں نے آپ کو کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ پیروں کو ہاتھ مت لگایا کریں' یہ ہندوانہ رسم ہے ہم مسلمان ہیں ہمیں کسی کے آگے ہاتھ جوڑنا یا قدموں میں جھکنا زیب نہیں دیتا' سوائے اللہ کے اور ہاں چاچا خمیسو اب بجل کو کچھ دن اسکول مت بھیجنا بلکہ پھلوں اور دودھ کا استعمال زیادہ کرانا''۔ انہوں نے پیار سے بجل کے گال تھپتھپائے اور کنول کے ہمراہ باہر نکل آئے۔

''تمہاری طبیعت کیسی ہے کنول! کچھ اپ سیٹ لگ رہی ہو؟'' انہوں نے کنول کے ہمراہ چلتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں''۔ کنول کے لہجے میں خود بخود رکھائی در آئی۔

''بس میرا دل گھبرا رہا ہے اپنے گھر جانا چاہتی ہوں''۔ اس کے انداز میں بیزاریت اور اکتاہٹ تھی۔

''کیوں کیا کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟'' وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''مجھے کسی نے کیا کہنا ہے''۔ وہ تڑخ کر بولی۔

''ابھی تو میری ہاؤس جاب بھی باقی ہے مجھے فوراً جانا ہے''۔

''کچھ دن رک کر چلی جانا ابھی تو تایا تائی کو آئے بھی زیادہ دن نہیں ہوئے اور تمہارے بہن بھائی بھی بہت خوش ہیں''۔ وہ سنجیدگی سے بولے۔

''ہاں تو رہیں میں منع کب کررہی ہوں مگر مجھے جانا ہے بس میں نے کہہ دیا''۔ کنول نے بے رخی سے جواب دیا اور تقریباً بھاگتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی خسرو کی پرسوچ نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

☆

دوسرے دن صبح اٹھتے ہی اس نے پیکنگ کی اور اماں ابا کے کمرے میں جا پہنچی دونوں بھائی اور بہن بھی موجود تھے ماحول میں ایک تناؤ سا تھا وہ اپنا نام سن کر بے ساختہ دروازے کی اوٹ میں ہوگئی۔

''میں کہہ دیتی ہوں حامد! میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی' میری بیٹی شہر کی پلی بڑھی اس پینڈو کے ساتھ ایک دن گزارا نہیں کرسکے گی' ڈگریوں نے اسکا کچھ نہیں بگاڑا' دم گھٹ جائے گا میری بیٹی کا اس ماحول میں' مٹی دھول اور خاک کے سوا ہے کیا اس گاؤں میں؟ رہٹ کی آوازیں' ٹوٹی پھوٹی سڑکیں اور دوڑتے بھاگتے گندے سندے بچے''۔

"تم نے بھی ایک پینڈو سے شادی کی تھی"۔ حامد علی خان نے تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

"ہاں تو میں کونسا گاؤں میں رہی ہوں اور میں نہیں چاہتی کہ اس غلطی کو دہراؤں اور ایک بکھرا ہوا مٹا ہوا' جیسا مرد مجھے ملا تھا' ویسا ہی میری بیٹی کو بھی ملے اس لئے اس چیپٹر کو کلوز سمجھیں ویسے بھی وہ میری بیٹی ہے میں اس کو آپ سے زیادہ جانتی ہوں ایک دن بھی یہاں خوش نہیں رہے گی"۔

"مریم! تم جانتی ہو میں کنول کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کروں گا' وہ میری بیٹی ہے میرا فخر ہے' میرا غرور ہے' مان اور یقین ہے اس نے ہمیشہ میری پسند کو ترجیح دی ہے۔ میری مرضی کے خلاف کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا' میڈیکل لائن اس کی چوائس نہیں تھی وہ انڈس ویلی جوائن کرنا چاہتی تھی مگر میری خوشی کے لئے اس نے ڈاکٹر بننا پسند کرلیا' ہمیشہ اس نے میری پسند کے رنگ اور کپڑے پہنے میری آنکھ سے دنیا کو دیکھا"۔

"مگر یہ لمحوں کا نہیں ساری زندگی کا سوال ہے"۔ بیگم حامد نے شوہر کی بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کوئی کریلے قیمہ نہیں جو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کی وجہ سے کھا لیتی ہے' نہ یہ جینز ہے جو وہ آپ کی وجہ سے نہیں پہنتی' حامد! یہ زندگی ہے اسکی زندگی' جس کو اس کی مرضی سے گزارنا اس کا حق ہے میں اس کو آپ کی خواہشات کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی' میں جانتی ہوں اس کا جھکاؤ کس طرف ہے جنید کی طرف' خوبصورت پڑھا لکھا اور مہذب جو جچتا بھی ہے اور سجتا بھی ہے کنول کے ساتھ' جبکہ خسرو کو دیکھیں کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی۔ میری خوبصورت بیٹی کی تو وہ خاک پا بھی نہیں"۔ مریم کے لہجے میں حقارت تھی۔

"مریم! تم حد سے بڑھ رہی ہو بے شک تم کنول کی شادی اپنی مرضی سے کرنا لیکن یوں کسی کو ذلیل مت کرو' نہ مذاق اڑاؤ اللہ کو پسند نہیں یہ غرور و تکبر"۔ حامد علی خان کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا' اس سے پہلے کے ماحول میں تلخی پیدا ہو کنول اندر داخل ہوگئی۔ مریم نے بے ساختہ اس کو خود سے لپٹاتے ہوئے کہا۔

"میری جان! تمہارے دادا دادی تمہیں زندگی بھر کیلئے یہاں رکھنا چاہتے ہیں' خسرو کو تمہارا زندگی بھر کا ساتھی بنانا چاہتے ہیں اور تمہارے ابوان کے ہمنوا ہیں مگر میں تمہاری مرضی جانتی ہوں تمہارے بہن بھائی اور میں خود اس کے حق میں نہیں' تم جانتی ہو میں نے تمہارے لئے کسے چنا ہے اور مجھے یقین ہے اس میں تمہاری رضا بھی شامل ہے"۔ انہوں نے اطمینان سے کہا' کنول نے نظر اٹھا کر ڈاکٹر حامد کی طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں امید کی کرن تھی' التجا تھی' ایک مان تھا' بھروسہ تھا' غرور و فخر تھا' وہ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہنا چاہتے تھے اور کنول خاموشی کی زبان اچھی طرح سمجھتی تھی۔

"اماں! مجھے خسرو بھائی کا رشتہ منظور ہے"۔ سب کو ہکا بکا چھوڑ کر وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی' ابھی تو محبت کی کلی پھول نہ بنی تھی' ابھی تو دل کی دنیا محبت کی آگہی سے بیگانہ تھی' ابھی تو جذبات کی کشتی کنارے پر تھی اور ابھی تو اس نے جنید سے کوئی عہد و پیماں بھی نہیں کیئے تھے' ابھی تو دل کا کاغذ کورا تھا جس پر جنید کے نام کی شبیہ تھی' مگر وہ کیسے اپنے باپ کا دل توڑ دیتی' ان کی آس کو مایوسی میں بدل دیتی' ان کے یقین کو توڑ دیتی' ان کے فخر و غرور کو خاک میں ملا دیتی' سب سے بڑھ کر اسے اپنی ماں کی غلطیوں کا کفارہ ادا کرنا تھا ان کے حصے کا تاوان بھگتنا تھا' اس کو ثابت کرنا تھا کہ لڑکیاں صرف ماں پر ہی نہیں جاتیں کبھی کبھی باپ کا پرتو بھی ہوتی ہیں' دل کی دنیا کا کیا ہے اجڑتی ہے تو اجڑ جائے۔

اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں
ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

اس نے آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا' پیکنگ کھولی اور بستر پر دراز ہوگئی۔

☆



رضا

سمیرا غزل

افسانہ

ڈیڑھ گھنٹے مسلسل چلنے کے باوجود اس نے رکنے کا نام تک نہ لیا تھا۔ دن کے سائے شام کی گہری لالی میں تبدیل ہونے لگے تھے مگر وہ کب سے سراب منزل کی جانب رواں دواں تھا' کہاں جانا ہے' کہاں رک کر

آگے کا سفر طے کرنا ہے ان سب سے بے نیاز وہ اپنی دھن میں تھا کہ اچانک ایک گاڑی اس کے سامنے آرکی' مجبوراً اسے بھی رُکنا پڑا مگر اس میں سے نکلنے والی شخصیت کو دیکھ کر وہ پل بھر کیلئے ٹھٹکا ضرور تھا۔

"برہان......! کیا تماشہ ہے یہ' پچھلے تین گھنٹوں سے مسلسل تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں ہم سب' آفس فون کیا تو پتا چلا تم وہاں سے نکل گئے ہو' تمہیں کچھ اندازہ ہے تمہاری ماں اور ہم سب کتنا پریشان ہیں' آخر کب تک تم ہمیں سزا دو گے' بولو جواب دو؟ کیوں اس بڑھاپے میں ہمارا سہارا بننے کے بجائے تم ہمیں تکلیف دے رہے ہو' وہ بھی خود کو تکلیف پہنچا کے' بولو جواب دو......؟" عفان صدیقی نے اپنے بیٹے برہان کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا تو برہان دوزانو بیٹھ کر رونے لگا۔

"پاپا پلیز......! مجھے معاف کر دیں' میں آپ لوگوں کو اور تکلیف نہیں دینا چاہتا مگر مجھے پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے"۔ برہان نے روتے ہوئے عفان سے کہا تو انہیں اپنے بیٹے کی حالت پر بہت رونا آیا۔ انہوں نے برہان کو پیار سے اٹھاتے ہوئے گاڑی میں بٹھایا اور دل ہی دل میں اس کے سکون کیلئے دعا مانگنے لگے' چھ سال بیت جانے کے باوجود بھی برہان اپنے آپ کو سنبھال نہیں پایا تھا جبکہ وہ ان کا اکلوتا سپوت تھا' انہوں نے تاسف سے برہان پہ نگاہ ڈالی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆

"برہان......! میرا بچہ کہاں تھا تو' کتنا پریشان ہو گئی تھی میں"۔ رائمہ صدیقی نے عفان کے ساتھ آتے برہان کو دیکھ کر اسے شکایتی انداز میں کہا تو شرمندگی سے برہان کا سر جھک گیا' اسے اپنے ماں باپ کو اس طرح پریشان دیکھ کر اپنی حرکت پر بہت افسوس ہوا اور وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا جبکہ عفان اور رائمہ اسے اندر جاتے دیکھتے رہ گئے۔

"دیکھا رائمہ بیگم......! آپ نے اس کی حرکتیں' اب تو واقعی اس لڑکے کا کچھ تو کرنا پڑے گا"۔ عفان نے اپنی بیگم رائمہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"صحیح کہہ رہے ہیں آپ......! اب تو میرا دل بھی ہولنے لگا ہے اس کی یہ حرکتیں دیکھ کر' بس میں نے سوچ لیا ہے میں آج ہی صفیہ سے بات کرتی ہوں' شادی ہو جائے گی تو سب صحیح ہو جائے گا"۔ رائمہ بیگم نے جواب دیتے ہوئے کہا تو عفان بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔

☆

تقریباً آدھے گھنٹے سے وہ اسی طرح سجدے کی حالت میں روئے جا رہا تھا' اس کا تسلسل مسلسل پانچ منٹ سے بجتے ہوئے موبائل فون نے توڑا تھا۔ جائے نماز تہہ کر کے اس نے سائیڈ پر رکھی گھڑی کی جانب دیکھا جو اس وقت رات کے تین بجا رہی تھی۔ اسے وقت دیکھ کر کچھ حیرت نہ ہوئی' پچھلے چھ سالوں سے اس کا یہی معمول تھا' عشاء کی نماز کے بعد اس کے سجدے کافی طویل ہو جاتے تھے کہ وقت کا احساس ہی نہ ہوتا' شاید گناہ ہی ایسا سرزد ہوا تھا کہ جتنا ادا کی جائے قضا شاید کم ہی تھی۔ اس نے موبائل آف کیا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کرتے ہی ہمیشہ کی طرح ایک ایک منظر یادوں میں زندہ ہو گیا اور آنکھوں کے پردوں پر ماضی کی فلم چلنے لگی' برہان نے آنکھیں موندلیں۔

"پلیز......! مت ماریں مجھے' بابا میرا یقین کریں میں نے کچھ [illegible]"۔ فاطمہ زاروقطار روتے ہوئے اپنے بابا عطاء الحق [illegible] التجا کر رہی تھی جو اسے مارنے میں مگن تھے جبکہ وہاں موجود تمام نفوس یہ تماشہ دیکھ رہے تھے' کسی کی اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کو بچاتا۔ فاطمہ نے چور نظروں سے برہان کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں رحم کی درخواست تھی مگر برہان نے نگاہیں پھیر لیں اور چل دیا۔

"ارے پکڑو اسے کہاں [illegible] ہے یہ......؟"

برہان کو یوں جاتے دیکھ کر فاطمہ کے بھائی اور کزن نے آواز لگائی تو برہان نے اپنے بڑھتے ہوئے قدم روک لیے۔

"کیوں جناب......! اتنی آسانی سے بھاگ جانے کا سوچ لیا' کیا سوچا تھا تم نے ہماری بہن کی زندگی یوں برباد کر کے چل دو گے تم اور ہم تمہیں یوں جانے دیں گے تمہاری طرح بے غیرتی کا لبادہ نہیں اوڑھ رکھا ہم نے' آئی سمجھ"۔ فاطمہ کے بھائی عامر نے غصے سے برہان کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا تو برہان کو بہت شدید جھٹکا لگا۔

"دیکھیں مسٹر عامر......! اپنی حد اور تمیز میں رہ کر بات کریں پلیز......ورنہ ابھی آپ کو حوالات کے اندر کرواتا ہوں اور جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے آپ کی بہن کے ساتھ کچھ نہیں کیا تو پھر کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟" برہان نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو تم اپنی' ہم نے خود تمہیں فاطمہ کے ساتھ دیکھا ہے' جھوٹ بول رہے ہو تم"۔ عامر نے برہان کے سفید جھوٹ پر غصے سے کہا تو برہان نے اپنا موبائل نکال کر اپنے دوست انسپکٹر کا نمبر ڈائل کرنا شروع کیا۔

"کیا کر رہے ہو تم یہ......؟" عطاء الحق نے برہان کو نمبر ڈائل کرتے دیکھ کر خدشے کے تحت پوچھا۔

"پولیس کو فون کر رہا ہوں کہ آپ لوگ اس شہر کے امیر ترین معزز گھرانے کے بیٹے برہان صدیقی پر کس طرح کے الزامات لگا رہے ہیں' وہ ہی آپ لوگوں کا دماغ درست کر سکتے ہیں"۔ برہان نے دھمکی آمیز انداز میں کہا تو مارے شرمندگی کے عطاء الحق کا سر جھک گیا' انہیں اپنے گھر کی عزت عزیز تھی اور کھوٹ تو ان کی اپنی اولاد میں تھا جس نے آج انہیں یوں سرعام ذلیل کروا دیا۔ انہوں نے برہان کو جانے کا کہا کیونکہ اس میں ہی اُن کی بھلائی تھی۔ اُس کے پاس پیسہ تھا وہ کچھ بھی کر سکتا تھا اور عطاء الحق کے پاس صرف عزت ہی تھی جو آج مٹی میں مل گئی تھی' ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ برہان نے جاتے وقت ایک نگاہ فاطمہ پر ڈالی جس کی نگاہ میں صرف نفرت تھی برہان کے لئے' مگر برہان نے خاطر میں نہ لاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

"لے جاؤ عائشہ بیگم......! اسے مار دو ورنہ میرے ہاتھ سے کچھ ہو جائے گا"۔ برہان کے جاتے ہی عطاء الحق نے نڈھال لہجے میں اپنی بیگم عائشہ سے فاطمہ کو لے جانے کو کہا۔

"کس قدر ٹوٹ کر چاہا تھا تمہیں...... کتنی امیدیں' کتنے ارمان جگائے تھے تم نے' اور تم نے ایک پل میں سارے بھرم توڑ دیے' مجھے میری ہی نگاہوں میں گرا دیا' کاش میں مر ہی جاتی' تم نے تو مجھے سر اٹھانے کے قابل بھی نہ چھوڑا برہان"۔ فاطمہ نے زاروقطار روتے ہوئے دل میں کہا جب ہی عائشہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔

"منہ ہاتھ دھو کے تیار ہو جاؤ ایک گھنٹے بعد تمہارا نکاح ہے معظم سے' یہ ماتم ہماری موت پر کرنا اور یاد رکھنا اس گھر کے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کیلئے بند ہو جائیں گے نکاح کے بعد اور کچھ غلط کرنے کی کوشش کی تو ہمارا مرا ہوا منہ دیکھو گی"۔ عائشہ بیگم نے درشتگی سے اتنے سخت لہجے میں کہا کہ فاطمہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا اور اُس نے آنکھیں موندلیں کرب سے' کیونکہ یہی خلش ہی سرد رویہ اس کی سزا تھے اب۔

فاطمہ کا تعلق متوسط طبقے کے ایک گھرانے سے تھا' وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی سو لاڈ پیار میں تھوڑا بگڑ گئی تھی' اس کے والد عطاء الحق نے ہمیشہ اس کی ہر جائز ضد پوری کی تھی لیکن ان کی تربیت میں نجانے کہاں کھوٹ رہ گیا کہ وہ کالج لائف میں آ کے اپنی حدود میں نہ رہ سکی اور برہان جو کہ امیر خاندان کا بگڑا ہوا چشم و چراغ تھا اس سے عشق کر بیٹھی' یہ جانے

بنا کے برہان صرف اس کی معصومیت اور خوبصورتی کا فائدہ اٹھا کر اُسے بیوقوف بنا رہا ہے۔ اسی دھوکے کو وہ پیار سمجھ بیٹھی اور سہانے خواب سجا لیے، روز بروز ملنا جلنا، گھنٹوں موبائل پر باتیں کرنا، یہ سب کرتے وقت فاطمہ کو احساس تک نہ ہوا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ احساس تو تب ہوا جب اپنے گھر والوں کی غیر موجودگی میں اس نے برہان کو اپنے گھر بلا لیا اور اس کے کزن نے اسے دیکھ کر واویلا مچا دیا، جب احساس ہوا اُسے تو بہت دیر ہو چکی تھی، اپنے ماں باپ کی عزت وہ سرِعام لٹا چکی تھی، برہان بھی نگاہیں پھیر کے جا چکا تھا۔

''تم کبھی بھی خوش نہ رہو گے، ہمیشہ تڑپو گے اک اک ہنسی کو، سکون کو، اپنے پیاروں کو، جس طرح تم نے مجھے میرے گھر والوں سے دور کر دیا ہے تم بھی چین سے نہ جی پاؤ گے، یہ میری دعا ہے برہان صدیقی''۔ فاطمہ نے ایک آخری میسج برہان کو بھیجا اور سم نکال کر پھینک دی کیونکہ اگلے چند لمحوں میں اس کا نکاح تھا۔ اس نے آسمان کی طرف روتے ہوئے دیکھا شاید اللہ اسے معاف کر دے۔

☆

''فاطمہ......! کہاں ہو تم؟ بس آ کر ایک بار مجھے معاف کر دو، دیکھو کتنا سچ کہا تھا تم نے پل پل ہر اک لمحہ تڑپ رہا ہوں سکون کیلئے، سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آج میرے پاس کچھ نہیں ہے، کتنا ڈھونڈا ہے میں نے تمہیں، مگر تم کہیں نہیں ملیں، تمہارے گھر والے بھی گھر چھوڑ گئے، بس ایک بار آ کے مجھے معاف کر دو تاکہ مجھے سکون مل جائے''۔ برہان نے خیالوں کی دنیا سے باہر نکل کے دل ہی دل میں فاطمہ کو مخاطب کر کے کہا جس کی آہ یا بددعا کا اثر تھا یا شاید کہیں تھوڑی بہت اچھائی یا انسانیت برہان میں چھپی تھی جو فاطمہ کی زندگی برباد کرنے کے بعد وہ پل پل تڑپا، اک پل بھی سکون سے نہ رہ پایا، اس سے معافی کی طلب میں در بدر بھٹکا مگر ناکام رہا۔

☆

''او شٹ، یہ کیا ہو گیا Oh my God!'' برہان نے گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے کہا جس کے سامنے ایک لڑکی آ کر گر گئی تھی۔

''واٹ...... یار اتنا خون بہہ رہا ہے جلدی ہاسپٹل لے کے جانا ہو گا مجھے فوراً انہیں''۔ برہان نے گرتا ہوا خون دیکھ کر کہا مگر جیسے ہی اس نے اُس لڑکی کو اٹھایا وہ وہیں ساکت رہ گیا، وہی نین نقش، وہی جسامت، بلاشبہ وہ فاطمہ ہی تھی۔ برہان نے بجلی کی سی تیزی سے فاطمہ کو گاڑی میں بٹھایا اور اسپتال کی جانب گاڑی دوڑا دی، مبادا کہیں کچھ ہو نہ جائے، فاطمہ آخر اتنے سالوں کی ریاضت کے بعد وہ اس کے سامنے آئی، شاید خدا کو اس پر رحم آ ہی گیا تھا۔

☆

''ڈونٹ وری مسٹر برہان......! اب یہ بالکل ٹھیک ہیں آپ انہیں گھر لے جا سکتے ہیں، تھوڑی دیر میں انہیں ہوش آ جائے گا بس ان کا خیال رکھیے گا''۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے برہان سے کہا تو برہان کے چہرے پر طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔

''نہیں نہیں...... اٹھو مت، پلیز، تم ٹھیک تو ہو نہ فاطمہ؟'' فاطمہ کو ہوش آتا دیکھ کر برہان نے اس کی جانب بڑھ کر کہا مگر اتنی مانوس آواز اتنے سالوں بعد سن کے چونکنے کی باری اب فاطمہ کی تھی، اُسے یہ سب خواب و وہم لگا اور اس نے حقارت سے منہ پھیر لیا۔

''فاطمہ پلیز......! ادھر دیکھو میری طرف، اتنی نفرت نہ کرو چاہے جو سزا دے دو مگر پلیز ایک بار مجھے معاف کر دو''۔ برہان نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور اس کے برابر میں جا بیٹھا۔

''آہ...... کتنا آسان ہے نہ تم مردوں کیلئے معافی مانگنا برہان! کیسے معاف کر دوں میں تمہیں، تمہاری وجہ سے میری زندگی برباد ہو گئی، آج تنہا اکیلی ہوں میں فقط تمہاری وجہ سے اور تم کہتے ہو تمہیں معاف کر دوں، مگر غلطی سراسر میری ہی تھی آخر میں نے تم پر بھروسہ کیا ہی کیوں......؟'' فاطمہ نے حقارت و غصہ سے کہا، اس کی آنکھوں میں چھپی نمی برہان سے چھپ نہ پائی۔

''فاطمہ......! پلیز رو مت، ادھر دیکھو پلیز میں اپنی غلطی کو تسلیم کرتا ہوں، ازالہ کرنا چاہتا ہوں، تم نے ٹھیک کہا تھا میں پل پل ہر خوشی کیلئے ترسوں گا اور وہی ہوا، آج تک تمہاری معافی اور تلاشِ سکون میں در بدر بھٹک رہا ہوں، پلیز...... میری ریاضت کا ضیاع مت کرو، مجھے معاف کر دو''۔ برہان نے تقریباً روتے ہوئے فاطمہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

''بس برہان......! ہاتھ مت جوڑو، معاف کرنے والی میں کون ہوتی ہوں، غلطی نہ صرف تمہاری بلکہ میری بھی تھی جس کی سزا ہم دونوں کو ملی، اب بھول جاؤ ساری باتیں، میں نے تمہیں معاف کیا''۔ فاطمہ نے برہان کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا کیونکہ آج بھی کہیں اس کے دل میں برہان کیلئے کوئی نرم گوشہ موجود تھا جب ہی وہ اس کو ہاتھ جوڑتے ہوئے نہ دیکھ پائی۔

''فاطمہ......! تمہیں نہیں پتا تم نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے''۔ برہان نے فرطِ مسرت سے کہا۔

''اچھا تمہارا گھر کہاں ہے؟ آؤ تمہیں گھر چھوڑ دوں یا ابھی ہاسپٹل میں ہی رہنے کا ارادہ ہے؟'' برہان نے شرارت سے کہا۔

''گھر...... کیسا گھر......؟ گھر نہیں میں قریبی ہاسٹل میں رہتی ہوں اور خود چلی جاؤں گی، تم فکر مت کرو تم جاؤ گھر''۔ فاطمہ نے یاسیت سے کہا۔

''کیا ہاسٹل...... گھر کیوں نہیں، کیا ہوا ہے فاطمہ؟ بتاؤ مجھے''۔ اب کے برہان نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''وہ دراصل میرے شوہر کی تین سال پہلے ڈیتھ ہو گئی تھی ایک حادثے میں تو میری ساس نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا، ماں باپ نے کوئی رشتہ تو رکھا نہ تھا میں اکیلی کہاں جاتی، کیا کرتی بس ایک دوست کے توسط سے فیکٹری میں جاب مل گئی اور میں ہاسٹل میں رہنے لگی، اپنی تعلیم مکمل کی میں نے پھر بس اب یہی میری دنیا ہے برہان......!'' فاطمہ نے دکھ سے کہا تو برہان کی آنکھوں میں بھی نمی آ گئی، کس قدر تکلیف سہی تھی اس نے فقط اس کی جھوٹی محبت اور فلرٹ کی سزا میں، برہان کو خود سے نفرت محسوس ہوئی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں ہاسٹل میں رہنے کی آئی سمجھ اور یہ جاب واب کرنے کی، تم میرے ساتھ میرے گھر چل رہی ہو، بس ہو گیا یہ طے''۔ برہان نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

''پاگل ہو گئے ہو برہان......! میں تمہارے گھر کسی صورت نہیں جا سکتی اور وہ بھی آخر کس رشتے سے، پلیز تم جاؤ اب''۔ فاطمہ نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کسی چیز کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس میں نے کہہ دیا اور رہی بات حیثیت کی تو تم میرے گھر میں میری بیوی کی حیثیت سے چل رہی ہو اور میرے فیصلے پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ فاطمہ پلیز...... شاید مجھے 6 سال پہلے ہی یہ کہہ دینا چاہیے تھا مگر ستم ظریفی...... مجھ سے شادی کرو گی؟'' برہان نے اس سے پوچھا تو فاطمہ نے اس کے کندھے پر سر ٹکا کے آنسوؤں کو بہنے دیا، اب کے برہان نے بھی اس کے آنسو نہ پونچھے کیونکہ دل کا غبار نکل جائے تو اچھا تھا۔

''میں تمہیں کبھی رونے نہیں دوں گا، بس آج آخری بار رو لو جی بھر کے، اب صرف مسکرانا ہی ہے ہمیں، I love you so much'' برہان نے شدت سے فاطمہ کو بانہوں میں بھرتے ہوئے کہا تو دونوں کے اندر ایک سکون کی لہر دوڑ گئی۔ آج ان دونوں کو اُن کی غلطیوں کی سزا کے بعد ان کی ریاضت کا پھل مل گیا تھا اور آج ان کی سزا ختم ہو گئی تھی۔

☆

نائلہ طارق

قسط نمبر 14۔

سلسلے وار ناول

شاہ رخ کے پیچھے ہی باہر نکلتے ہوئے وہ بری طرح ان سے ٹکرائی تھیں جو شاہ رخ کو راستہ دیتے ہوئے حق دق کھڑے تھے۔

''اوہو...... واٹ آ رومینٹک سین' ارے کوئی کیمرہ لاؤ تصویر بناؤ''۔ سدرہ کا سر مزید ان کے سینے سے لگاتے ہوئے مومو نے آواز لگائی تھی۔

''بھابی کو پکڑ کے رکھو' میں تصویر لے رہا ہوں''۔ شاہ رخ نے فوراً ہی اپنا سیل نکالا تھا۔

''کیا کر رہے ہو تم' بتاؤں ابھی تمہیں''۔ وہ شاہ رخ پر دھاڑے تھے' مومو نے فوراً ہی سدرہ کو پکڑ کے پیچھے ہٹایا تھا۔

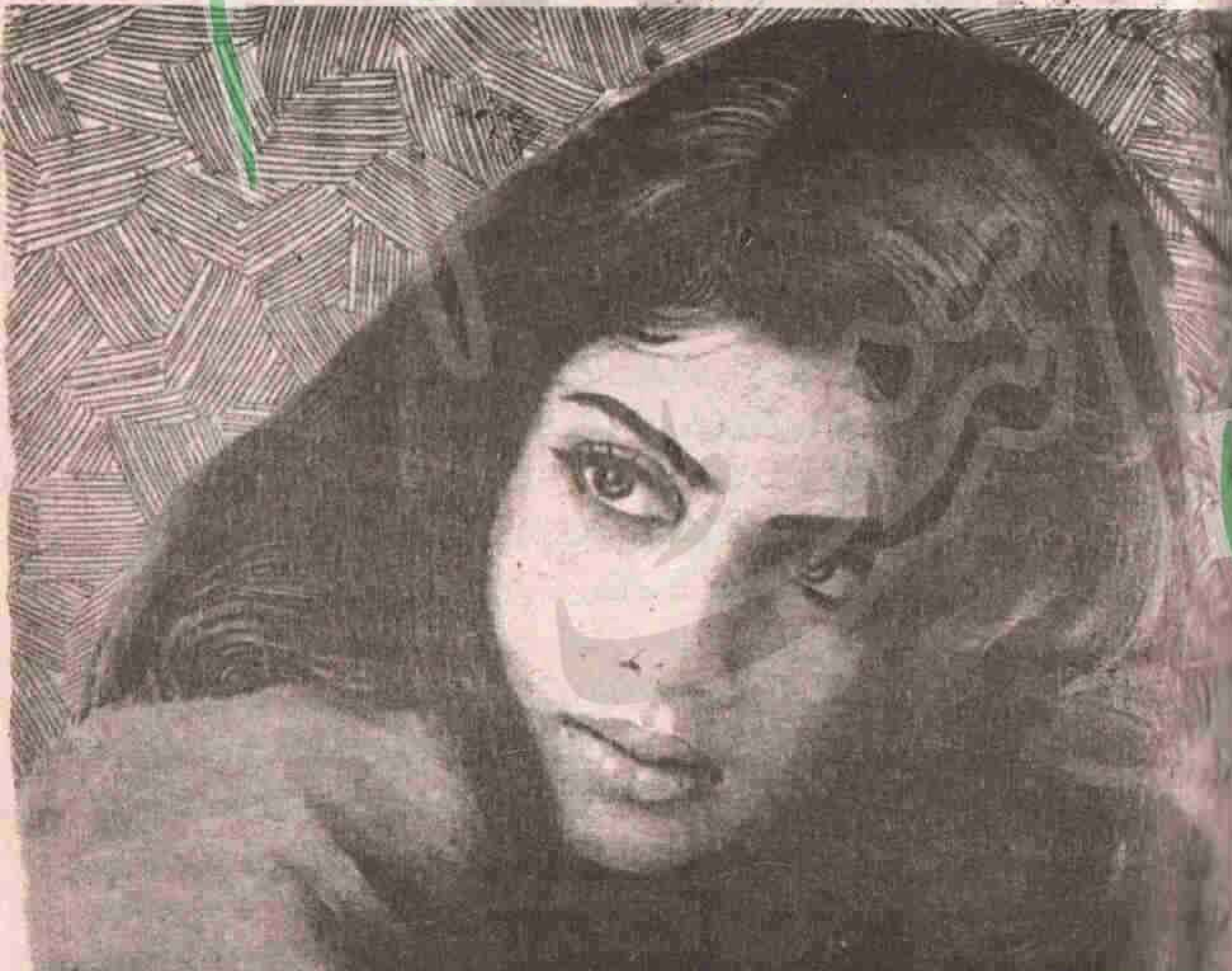
''کسی دن مجھ سے مار کھا کر تم یہاں سے جاؤ گی' ہٹو''۔ اسے گھرک کر پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

''تمہاری کمر کی لچک بھی ابھی تک نہ گئی''۔ اس نے سدرہ کو پکڑ کے اپنی طرف کھینچا تھا۔

''دفع ہو جاؤ تم''۔ مسکراہٹ چھپائے وہ اس کا ہاتھ جھٹکتیں آگے بڑھ گئی تھیں۔

''ارے تو کہاں جا رہا ہے' میری مکھن ملائی''۔ لپک کر اس نے باہر جاتے شاہ رخ کی شرٹ دبوچ لی تھی۔

''ارے چھوڑیئے ہمیں...... سب کے سامنے ہماری عزت خراب کر کے رکھ دیتی ہیں''۔ خود کو چھڑاتے





ہوئے وہ جھلایا تھا۔

''لاحول ولاقوۃ''۔ ایک جھٹکے سے خود کو چھڑاتے ہوئے وہ باہر نکلا تھا جبکہ وہ ہنستے ہوئے اندر کی سمت آ گئی تھی۔

ٹی وی سے نظر ہٹا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور اگلے ہی پل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ملکہ جذبات ڈرامے نہ کر' بیٹھ جاواپس''۔ اس کے لتاڑنے والے انداز پر وہ خفت زدہ نظروں سے اسے دیکھتی واپس بیٹھ گئی تھی۔

''نہ بھئی تجھے اب مجھ سے بھاگنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے اوکے' تجھ سے اپنی ساری دشمنی ختم''۔ وہ بولتے ہوئے اس کے قریب جا بیٹھی تھی جو سارہ نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ارے ایسے کیا دیکھ رہی ہے دیدے پھاڑ کے' نہ بیٹا ہم سے نہ کچھ چھپا ہے نہ چھپا رہ سکتا ہے ارے دل خوش کر دیا تو نے بیٹا تو سورج مکھی کی چھاؤں میں بیٹھ کر ہمارے بچوں کو کہانیاں سنائے گی''۔ دنگ بیٹھی سارہ کی گردن پر ہاتھ ڈال کر موموں نے اسے قریب کیا تھا۔

''خدایہ ڈرامے کیا کر رہی ہے بھئی تو...... بڑے سے جنم کی دشمنیاں چل رہی ہیں تیری اور چھوٹے پر محبتیں نچھاور ہو رہی ہیں' ہو کیا رہا ہے یہ......؟''

''مجھے نہیں پتا''۔ اس کا ہاتھ گردن سے نکالتے ہوئے وہ اپنی مسکراہٹ نہیں روک سکی تھی۔

''ہاتھ کیسا ہے اب تمہارا' یہ تو اچھا خاصا جل گیا ہے''۔ اس کا ہاتھ پکڑے مومو نے پوچھا تھا۔

''ہاں' مگر اب تو بہتر ہے''۔ وہ بولی تھی۔

''فکر مت کرنا ایک بھی نشان باقی نہیں رہے گا اور اگر رہ بھی گیا تو بھی ہمارے سورج مکھی نے یہ ہاتھ نہیں چھوڑنا ہے''۔ اس کے تسلی دینے پر سارہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

☆

''لیجیے...... گرم گرم گلاب جامن''۔ ڈش ٹیبل پر رکھتے ہوئے سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''سارہ نے بنائے ہیں''۔ ایک مسکراتی نظر شوہر پر ڈال کر وہ دوسری جانب متوجہ ہو گئیں تھیں۔

''اور ان سب پر میرا حق ہے' شاہی تم تو ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی مت دیکھنا اور چھوٹے بھائی ایک آدھ آپ لے لیجیے گا' مجبوراً مجھے کہنا پڑ رہا ہے ورنہ......'' ایک معنی خیز نظر سامنے بیٹھی سارہ پر ڈالتے ہوئے شان نے مسکراتے ہوئے شیث کو دیکھا تھا۔

''تمہیں کس نے کہا ہے مجبور ہونے کیلئے' شیث کو میٹھا پسند نہیں' ابھی ابھی دنیا میں آئے ہو جو کچھ پتا نہیں ہے''۔ شمس حد درجہ خشک لہجے میں بولے تھے جس پر شان نے حیرت سے شیث کے سنجیدہ ہوتے چہرے کو دیکھا تھا' جیسے پوچھ رہا ہو کیا واقعی...... یہ کب ہوا......؟

دوسری جانب سارہ نے ایک چبھتی نظر بہن پر ڈالی تھی جو نظر چرا گئی تھیں' اگلے ہی پل اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے گلاب جامنوں کی ڈش ایک جھٹکے سے اٹھالی تھی۔

''میں نے اس میں زہر ملا رکھا ہے اس لیے اب کسی کو بھی یہ کھانے کی ضرورت نہیں ہے''۔ سلگ کر بولتے ہوئے وہ ڈش اٹھائے کچن کی سمت چلی گئی تھی۔ شدید ناگوار نظروں سے وہ اسے دیکھ رہے تھے جو کچن سے نکلتے ہوئے ایک تیز نظر ان پر ہی ڈالتی وہاں سے چلی گئی تھی۔



شدید بھناہٹ کے ساتھ اس نے سیل فون اٹھایا تھا۔

''کیا ہے؟'' پھاڑ کھانے والے لہجے میں وہ پوچھ رہی تھی۔

''مجھے ابھی اور اسی وقت گلاب جامن کھانے ہیں''۔ بہت سنجیدگی سے کہا گیا تھا۔

''اپنے بھائی کے سامنے یہ کیوں نہیں کہا' زبان بند ہو گئی تھی کیا تمہاری؟'' وہ بری طرح جل کر اسے لتاڑ رہی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں پتا' مجھے ابھی اور اسی وقت گلاب جامن کھانے ہیں' لے کر آؤ''۔ اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا جو دوبارہ بولا تھا۔

''بات سنو! اس وقت میرا دماغ مزید خراب کیا تو میں نے سیدھے تمہارے کمرے میں گھس کر تمہیں پنکھے سے لٹکا دینا ہے''۔ وہ بھڑک کر بولی تھی۔

''سارہ! میں انتظار کر رہا ہوں''۔ مزید کہا گیا تھا۔

''ارے تمہیں کیا میں......'' جھلا کر وہ کچھ کہنے جا رہی تھی مگر وہ لائن ڈسکنیکٹ کر چکا تھا۔



دروازے پر دستک ہوئی تھی تو وہ سرعت سے اٹھ کر دروازے تک گیا تھا۔

دنگ نظروں سے وہ ان دونوں کو دیکھ رہا تھا جو آگے پیچھے جھومتے جھامتے کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

''تم لوگ یہاں کیوں آ گئے ہو؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''کیونکہ ٹھنڈی مشین صرف اس کمرے میں چلتی ہے چھوٹے بھائی جان!'' نیند میں ڈوبی آواز میں اطلاع دیتے ہوئے شاہ رخ بیڈ پر دراز ہو گیا تھا۔

''چھوٹے بھائی! یہ نائٹ بلب بھی آف کر دیں ورنہ میری نیند ڈسٹرب ہو گی''۔ اسے ہدایت دیتے ہوئے شان بھی لمبی تان کر لیٹ گیا تھا۔

شدید کوفت کے ساتھ نائٹ بلب آف کرنے کے بعد وہ بیڈ کی سمت آ گیا تھا اور بچی ہوئی کچھ جگہ پر خود بھی دراز ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک تو وہ صبر کے ساتھ برداشت کرتا رہا مگر ایک بار پھر اس نے جھلائے انداز میں شاہ رخ کا ہاتھ اور پھر پیر خود پر سے ہٹایا تھا' سر کے نیچے ہاتھوں کا تکیہ بناتے ہوئے وہ آنکھیں بند کرتے کرتے رک کر شان کی طرف متوجہ ہوا تھا جو نیند میں گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھ بیٹھا تھا' یہ منظر اس کے لیے نیا نہیں تھا' شان اپنی آدھی نیند بیٹھ کر اور آدھی نیند لیٹ کر پوری کیا کرتا تھا' تاریکی میں آنکھیں کھولے وہ شان کی ساری کارروائیوں کو باآسانی دیکھ سکتا تھا جو اب شاہ رخ پر سے لڑھکتا ہوا اس کی سمت ہی آ رہا تھا۔ ناچار ایک تکیہ کھینچ کر نکالتے ہوئے اس نے نیچے کارپٹ پر رکھا تھا اور ایک بار پھر سونے کی کوشش کی تھی۔

دروازے پر ابھرتی مدھم دستک پر وہ جو نیم غنودگی میں تھا چونک کر دروازے کی سمت متوجہ ہوا تھا' ایک بار پھر دستک ہوئی تھی جس پر اس کے ہوش اڑے تھے' سرعت سے اٹھ کر وہ دروازے کی سمت بڑھ رہا تھا جب وہ خود ہی دروازہ کھولتے ہوئے اندر داخل ہو گئی تھی۔

دنگ کھڑا وہ اسے دیکھ رہا تھا جو بنا اس کے کسی بھی جانب دیکھے بغیر سیدھی اسٹڈی ٹیبل تک گئی تھی۔

''لو ٹھونس لو گلاب جامن!'' پلیٹ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ اس کی سمت پلٹی تھی مگر اگلے ہی پل اس کا اوپر کا سانس

اوپر اور نیچے کا نیچے ہی رہ گیا تھا' اس کے منہ پر سختی سے اپنا ہاتھ جمائے دوسرا بازو اس کی پشت کے گرد باندھے کھینچتا ہوا وہ ایک جانب بالکل دیوار کے قریب پہنچ گیا تھا' البتہ نظریں دائیں طرف بیڈ کی سمت ہی تھیں جہاں اوندھا لیٹا شان نیند میں کسمسا رہا تھا۔

دوسری جانب پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جس کے انتہائی قریب ہونے پر اس کی روح فنا ہونے لگی تھی' اگلے ہی پل پوری جان لگا کر سارہ نے اس کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹایا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے گرے ہوئے ہو سکتے ہو' اگر تم نے میرے ساتھ کوئی غلط حرکت کی تو......'' صدمے کے ساتھ وہ بھینچی ہوئی آواز میں غرا رہی تھی جب شیث نے دہل کر دوبارہ اس کے منہ پر ہاتھ جماتے ہوئے اس کی آواز بند کر دی تھی۔

''میں تمہارے ساتھ کچھ نہیں کر رہا ہوں بے وقوف لڑکی!'' وہ مدھم مگر جھلائی آواز میں بولا تھا مگر دوسری جانب سارہ نے کچھ بھی سنے بغیر دونوں ہاتھوں سے اسے پرے دھکیل دیا تھا' لڑکھڑاتے ہوئے بھی وہ اسے روکنے کی کوشش کرتا ہی رہ گیا تھا مگر وہ مچھلی کی طرح پھسل کر اس کی گرفت سے نکل کر بھاگی بھی تو بیڈ کی سمت ہی بھاگی تھی۔ اندھیرے میں وہ دھم سے پیر شان کی پشت پر جما کر بیڈ پر چڑھی تھی جس پر وہ کراہتے ہوئے یکدم ہی اٹھ بیٹھا تھا جبکہ اس کے اٹھنے پر سارہ کا توازن بگڑا تھا تو وہ سر کے بل گری تھی اور اگلے ہی پل شاہ رخ حلق کے بل چیختا ہوا اٹھا تھا کہ سارہ کا سر اس کے پیٹ سے جا کر ٹکرایا تھا' دوسری جانب شان نے سرعت سے جا کر لائٹ آن کر دی تھی۔

آنکھیں پھاڑے شاہ رخ اسے دیکھ رہا تھا جس کا سر اس کے اٹھنے پر لڑھک کر گھٹنوں پر چلا گیا تھا اس سے پہلے کہ سارہ کے حلق سے چیخیں نکلتیں ساکت کھڑے شیث نے ایک ہی جست میں جا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''کیا کر رہے ہو چھوٹے بھائی! میری ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی' پورا وزن ڈال دیا ہے''۔ شاہ رخ تکلیف سے چیخا تھا۔

''بڑے بھائی کی آواز آ رہی ہے' شاید وہ اوپر ہی آ رہے ہیں''۔ حق دق کھڑے شان کی اطلاع پر ان سب کے ہی چھکے چھوٹ گئے تھے۔

''تم مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو ذرا سی بھی آواز مت نکالنا''۔ شیث نے التجائی لہجے میں اسے ہدایت کی تھی جو سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اسی طرح شاہ رخ کے گھٹنوں پر سر رکھے ساکت تھی۔ دوسری جانب ایک سیکنڈ کا بھی وقت ضائع کیے بغیر شیث نے سرعت سے شاہ رخ کے کندھے سے لٹکتی چادر کھینچ کر سارہ پر ڈالی تھی اور اگلے ہی پل اسی بڑی سی چادر میں وہ اسے کسی رول کی طرح لپیٹتا ہوا بیڈ کی پائنتی تک لے گیا تھا اور پلک جھپکتے ہی وہ تیار رول اٹھا کر بیڈ کی دوسری جانب سے نیچے دھکیلنے میں اسے دیر بالکل نہیں لگی تھی۔

''کسی نے بھی اگر زبان کھولی تو......'' تنبیہی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اس نے بات ادھوری چھوڑی تھی' جن کے منہ اور آنکھیں ایک ساتھ ہی کھلے ہوئے تھے اس کارروائی پر۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے حیرت سے کمرے کے وسط میں کھڑے شان اور بیڈ پر گم صم بیٹھے شاہ رخ کو دیکھا تھا جبکہ وہ بیڈ کے دوسری جانب گھٹنوں کے بل بیٹھا اس وقت پسینہ پسینہ ہو چکا تھا۔

''کیا ہوا ہے' کون چیختا تھا یہاں؟'' حیرت سے پوچھتے ہوئے وہ مزید اندر آئے تھے جبکہ ان کے سوال پر ان

دونوں کی نظریں سیدھی شیث کی سمت گئیں تھیں جو کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

''بڑے بھائی! کمرے میں چھپکلی آ گئی ہے''۔ شان نے فوراً ہی پوزیشن سنبھالی تھی۔

''اور تم لوگ چھپکلی سے ڈر گئے' بے وقوف احمق ہو تم لوگ' میں پریشان ہو کر آیا ہوں' یہاں کہ جانے کیا ہوا ہے''۔ وہ بری طرح ڈانٹتے ہوئے بولے تھے۔

''تم وہاں کیوں بیٹھے ہو؟'' انہوں نے شیث کو دیکھا تھا۔

''بڑے بھائی! چھپکلی بیڈ کے نیچے ہے''۔ شیث کو گھورتے ہوئے شاہ رخ نے اطلاع دی تھی۔

''ہٹو...... میں دیکھتا ہوں''۔ شمس بولتے ہوئے آگے بڑھے تھے جو وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں دیکھ چکا ہوں کچھ نہیں ہے یہاں' مجھے ہی بس وہم ہو گیا تھا کہ کمرے میں چھپکلی ہے''۔ وہ بمشکل ہی خود کو نارمل کرتے ہوئے انہیں اطمینان دلا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تو پھر اب منہ بند کر کے سو جاؤ' دوبارہ کوئی بھیانک آواز مجھ تک نہ پہنچے''۔ تاکید کرتے ہوئے وہ جانے کیلئے پلٹ گئے تھے جو شیث کی جان میں جان آ گئی تھی مگر اگلے ہی پل پھر اس کا سانس رُکا تھا جب شمس رک کر دوبارہ پلٹے تھے۔

''یہ دونوں تمہارے کمرے میں کیا کر رہے ہیں؟'' وہ شیث سے پوچھ رہے تھے۔

''چلو تم دونوں نیچے اپنے کمرے میں' یہاں رہے تو ایسے ہی اودھم مچائے رکھو گے''۔ وہ ان دونوں کو باہر نکلنے کا اشارہ کر رہے تھے۔

''جی اچھا''۔ شان فرمانبرداری سے سر ہلاتا ان کے پیچھے جا رہا تھا جب شاہ رخ نے سرعت سے اس کا بازو پکڑ کے روکا تھا۔

''بڑے بھائی! نیچے والے کمرے میں بہت گرمی لگ رہی ہے' بس آج رات اور یہاں سونے دیں''۔ شان کا بازو دبوچے وہ ان سے التجا کر رہا تھا۔

''اس کی باتوں میں مت آئیں بھائی! لے جائیں ان دونوں کو مجھے بھی نہیں سونے دے رہے' تنگ کر رہے ہیں''۔ وہ فوراً ہی بولتا ہوا قریب آیا تھا۔

''چھوٹے! زبان کھلے نہ کھلے مگر چادر کھلنے میں دو سیکنڈ بھی نہیں لگیں گے''۔ شاہ رخ اس کے کان کے قریب منمنایا تھا تو اس نے ناگواری سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''اچھا رہنے دیں' یہ دونوں آج یہیں سو جائیں گے''۔ بالآخر اسے بلیک میل ہو کر شمس سے کہنا ہی پڑا تھا۔

اس کا رُکا ہوا سانس بحال ہوا تھا جب شمس' سارہ کے کمرے کے بند دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے سیڑھیاں اتر گئے تھے۔

دروازہ بند کرنے کے بعد وہ ان دونوں کی سمت پلٹا تھا جو سینے پر ہاتھ لپیٹے اسے اوپر سے نیچے تک گھورنے میں مصروف تھے۔

''کیا کہہ رہے تھے تم' کیا ہے بیڈ کے نیچے؟'' ناگواری کے ساتھ بولتے ہوئے وہ شاہ رخ کی سمت بڑھا تھا۔

''چھوٹے بھائی! مجھے ہاتھ بھی لگایا ناں تم نے تو قسم سے بڑے کو آواز دے کر بلا لوں گا''۔ پیچھے ہٹتے ہوئے شاہ رخ نے اسے دھمکایا تھا۔

''چھوٹے بھائی! آج آپ میری نظروں سے گر گئے''۔ شان نے بڑے دلگیر انداز میں کہا تھا۔

''بکواس نہ کر''۔ ناگواری سے اسے جھڑکتے ہوئے وہ تیز قدموں کے ساتھ بیڈ کی سمت گیا تھا۔

''وہ چلے گئے؟'' چادر سے سر نکالتے ہوئے وہ اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ ہانپتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''دم گھٹ رہا تھا میرا! اگر دو منٹ بھی اور وہ یہاں رُکتے تو دنیا جائے بھاڑ میں' میں نے تو اٹھ کر کھڑے ہو جانا تھا''۔ چادر سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بھنائے ہوئے بول رہی تھی۔

''ارے کہاں پھنس گئی تو بہ''۔ اپنے گرد بری طرح لپٹی چادر میں پھنسی وہ مزید جھلائی تھی جو شیث فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے چادر سے آزاد ہونے میں مدد دینے لگا تھا۔

''اور آفرین ہے تمہاری کو یک سروس پر جس کا نشانہ مجھے بنا کر کوڑے کرکٹ کی طرح پھینکا تھا تم نے مجھے اس شامیانے میں''۔ چادر اس کے ہاتھوں میں پٹختے ہوئے وہ مزید جل کر بولی تھی۔

''آئی ایم سوری' تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں لگی''۔ وہ بے حد شرمندگی کے ساتھ بولا تھا۔

''میرے دماغ میں چوٹ لگی ہے جو دوڑی چلی آئی تمہاری فرمائشیں پوری کرنے''۔ اس کے کھا جانے والے انداز پر شیث نے گڑبڑا کر سامنے ان دونوں کو دیکھا تھا جو مر جانے کی حد تک دنگ کھڑے تھے۔

''ابھی میرا دل بول رہا ہے کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں''۔ خونخوار نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے شاہ رخ کلس کر بولا تھا۔

''کیوں تمہارا منہ کس نے کالا کر دیا جو زمین میں سماؤ گے اور معاف کرنا وہاں بھی تم جیسوں کو جگہ نہیں ملے گی''۔ سارہ نے ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اور کیا کہہ رہے تھے تم...... یہ تمہاری نظروں سے گر گیا ہے؟'' آنکھیں سکیڑے وہ اب شان کو گھور رہی تھی جو ہونق چہرہ بنائے فوراً ہی نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے' تم سب کے کرتوت پتا ہیں مجھے' زبان نہ کھلوانا میری''۔ وہ خونخوار نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''کسی نے بھی میرے بھائی کو دھمکایا ناں......'' شاہ رخ نے اپنی ہتھیلی پر مکا مارتے ہوئے سارہ کو گھورا تھا۔

''تو قسم ہے مجھے اس کی پندرہ گرل فرینڈز کی...... باہر نکل کر ابھی شور مچا دوں گا''۔ شان کا سر اپنے شانے سے لگائے وہ دھمکا رہا تھا۔

''ہاں شوق سے جاؤ مگر یہ سوچ لینا مجھ پر انگلیاں اٹھیں تو میری انگلی تمہاری طرف اٹھ جائے گی''۔ وہ اطمینان سے بولی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو؟'' بمشکل مسکراہٹ روکتے ہوئے شیث نے اسے ٹوکا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں' اب آؤں گی نہ کھل کر اس کے سامنے تو ہوش ٹھکانے آئیں گے''۔ وہ سر جھٹک کر بولی تھی۔

''آج تو واقعی میرے ہوش ٹھکانے آ گئے ہیں' ارے تم لڑکیاں تو ہوتی ہی بے وفا ہو' محبتوں کے اظہار مجھ سے کرواتی ہو اور پھیرے میرے بھائی کے کمرے کے لگاتی ہو''۔ وہ کلس کر بولا تھا۔

''اسے تو میں آج......'' آستینیں چڑھاتی وہ آگے بڑھی ہی تھی کہ شیث نے فوراً ہی اسے روکا تھا۔

''بولنے سے پہلے کچھ سوچ لیا کرو شاہی! کیا بولے جا رہے ہو''۔ شیث نے ناگواری کے ساتھ اسے گھرکا تھا۔

''تو پھر مجھے بتاؤ یہ اس وقت تمہارے کمرے میں کیوں آئی تھی؟'' جل کر بولتے ہوئے شاہ رخ نے رک کر

شان کو دیکھا تھا جو سینے پر ہاتھ لپیٹے کھڑا تھا۔

''تو بھی کچھ بھاپ نکال لے منہ سے' سانپ سونگھ گیا ہے کیا؟'' وہ شان پر غرایا تھا۔

''میں کیا بولوں' مجھے تو ابھی تک شاک لگا ہوا ہے''۔ شان نے کہا تھا۔

''میں تھپڑ مار کر چہرہ بگاڑ دوں گی''۔ وہ شان پر غرائی تھی۔

''لو دیکھو' ابھی کچھ بول نہیں رہا تو بھڑک رہی ہیں' بولوں گا تو کیا کریں گی''۔ وہ ہنستے ہوئے شیث سے بولا تھا۔

''اب ان کے سامنے بھی منہ بند رکھو' بری تو میں بنوں گی ناں' مجھ پر ہی شک کیا جائے گا''۔ سارہ کا چہرہ اب بالکل رونے والا ہو گیا تھا تو وہ ہوش میں آیا تھا۔

''خوامخواہ رائی کے پہاڑ مت بنا لیا کرو' یہ میرے لیے گلاب جامن لے کر آئی تھی کیونکہ ایسا میں نے کہا تھا' بس اتنی سی بات ہے''۔

''ہاں...... بس اتنی سی بات ہے' آگے ہم خود سمجھدار ہیں' یہی کہنا چاہ رہے تھے ناں؟'' شاہ رخ نے جل کر درمیان میں کہا تھا۔

''چھوٹے بھائی! سچ کہہ رہے ہیں' گلاب جامن تو ہیں یہاں مگر چھوٹے' یہ تو آپ مجھ سے بھی منگوا سکتے تھے''۔ پلیٹ ہاتھ میں لیے گلاب جامن کھاتے ہوئے شان نے مسکراتی نظروں سے سارہ کے شرمندہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''خبردار! جو اب کسی نے مجھے کچھ کہا''۔ وہ یکدم ہی ساری شرمندگی بھول کر بھڑکی تھی۔

''اور تم مجھے بتا نہیں سکتے تھے کہ یہ دونوں گھسے ہوئے ہیں تمہارے کمرے میں''۔ وہ اب شیث پر بگڑ رہی تھی۔

''تم نے موقع ہی کب دیا کچھ بتانے کا' الٹا مجھ پر شک کر کے شرمندہ کر دیا مجھے''۔ وہ ناراضی سے اسے دیکھتا دور ہٹ گیا تھا۔

''معاف کر دو' غلطی ہو گئی تھی' مجھے اور کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا''۔ وہ کچھ نادم ہو کر بولی تھی۔

''رہنے دو بس' مجھے پتا چل گیا کتنا اعتبار ہے تمہیں مجھ پر''۔ وہ خفگی سے سر جھٹک کر بولا تھا۔

''تمہارے بھائی کم ہیں کیا جو تمہارے لاڈ بھی ختم نہیں ہوتے''۔ سارہ ندامت بھول کر پھر اس پر بگڑی تھی جو شان کے ہنسنے کی آواز بلند ہو گئی تھی۔

''چھوٹے بھائی! اس سے پہلے کہ میں گریبان پھاڑ کے باہر نکل بھاگوں' سچ سچ بتا دو یہ کون سے سین پاٹ چل رہے ہیں اور کب سے چل رہے ہیں''۔ شاہ رخ بری طرح جھلائے ہوئے بولا تھا' دوسری جانب شیث شرمندگی کے ساتھ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''بات سنو! زیادہ مت بولو تم' سمجھے''۔ سارہ نے ناگواری سے اسے گھورا تھا۔

''کیوں نہ بولوں میں' سب سمجھ میں آ رہا ہے مجھے' آنکھیں کھل گئی ہیں آج میری' اور مس سارہ! تم مجھے یہ بتاؤ میں جو تمہیں آئی لو یو کہہ چکا ہوں اس کا کیا ہو گا؟'' وہ پیر پٹختا ہوا سارہ کی طرف آیا تھا۔

''اس کی پتنگ بنا کر اڑا دی ہے میں نے' شکل دیکھی ہے آئینے میں' چھچھورا کہیں کا''۔ ناگواری سے اسے جھڑکتے ہوئے وہ آگے بڑھی تھی جبکہ اس نے کھا جانے والی نظروں سے قہقہہ لگا کر ہنستے شان کو اور شیث کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''بات سنو! ان کی شکل پر فدا ہوئی ہو ناں تم' تو جاتے جاتے میری بات سنتی جاؤ''۔ شیث کی سمت اشارہ کرتے

ہوئے اس نے للکارا تھا۔ وہ رک کر پلٹی تھی۔

”مستقبل میں ہمارے چھوٹے بھائی کے دس بچے ہوں گے اور سب کے سب سورج مکھی ہوں گے“۔ اس کے انکشاف پر شان نے ایک بار پھر بے ساختہ ہنستے ہوئے دنگ کھڑے شیث کے چہرے کو دیکھا تھا۔

”اگر تمہاری یہ پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی ناں تو تمہاری دس نسلوں کو میں نگل جاؤں گی‘ سمجھے“۔ کھا جانے والی نظروں سے شاہ رخ کو دیکھتے ہوئے وہ دروازہ کھولتی باہر نکل گئی تھی‘ جبکہ اس کے نکلتے ہی شاہ رخ نے ایک نظر دنگ کھڑے شیث کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل وہ ابلتے قہقہوں کے ساتھ بیڈ پر گر گیا تھا۔

”وہ تو سنجیدہ بھی ہو گئی مگر چھوٹے ...... ایمجن کرو...... دس بچے ......“ بیڈ پر لوٹ پوٹ ہوتا وہ قہقہوں کے درمیان مزید بولا تھا۔

”بہت ہی واہیات انسان ہو تم“۔ جھینپے ہوئے انداز میں اس نے ناگواری سے شاہ رخ کو گھورا تھا۔

”وہ تو ایسے ہی بک رہا ہے چھوٹے بھائی! آپ کے پسینے کیوں چھوٹ رہے ہیں“۔ شان کے سنجیدگی سے کہنے پر اس نے غائب دماغی سے اپنی پیشانی اور چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا مگر اگلے ہی پل رک کر ناگواری سے شان کے ہنستے چہرے کو گھورتے ہوئے اس سے گلاب جامن کی پلیٹ چھینی تھی۔

”باہر نکلو دونوں‘ فوراً سے بیشتر باہر نکل جاؤ“۔ شان کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے وہ شاہ رخ کی طرف بڑھا تھا جو پہلے ہی بیڈ سے جمپ لگا کر دور ہٹ گیا تھا۔

”ٹھیک ہے چھوٹے! آج تو دھکے دے کر اپنے کمرے سے نکال رہے ہو مگر یاد رکھنا کل تمہارے چھوٹے چھوٹے دس بچوں کو ہم نے ہی سنبھالنا ہے“۔ طعنہ دینے والے انداز میں شاہ رخ نے اسے جتایا تھا اور اگلے ہی پل بھیانک انداز میں ہنستا شان کے پیچھے ہی کمرے سے باہر بھاگا تھا۔



”میں ان کے گھر میں رہوں تو انہیں کانٹے کی طرح چبھتی ہوں‘ گھر سے چلی جاؤں تو آگ پر لوٹنے لگتے ہیں‘ میری جان کے دشمن بن چکے ہیں وہ“۔ تیز بائیک کے شور میں بھی وہ مستقل بھنا رہی تھی۔

”آج کے بجائے اگر میں کل آ جاتی تو کون سی آفت نازل ہو جاتی اور تم بھی اتنے فرمانبردار بلکہ ڈھیٹ ہو‘ مجھے پھپھو کے گھر سے لے کر ہی اٹھے ہو تم“۔ وہ اب اس پر برس رہی تھی جس نے کان مکمل بند کر رکھے تھے۔

”کسی دن ایسا بھاگوں گی تمہارے گھر سے کہ بڑے چھوٹے سب ہی سر پیٹتے رہ جائیں گے‘ حد ہوتی ہے اس طرح دھونس جماتے ہیں جیسے میں زر خرید غلام ہوں ان کی‘ تم کچھ بول کیوں نہیں رہے؟ اتنی دیر سے میں ہی بولے جا رہی ہوں تمہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا کیا؟“ یکدم ہی اسے احساس ہوا تھا جو رک کر شان کے کندھے کو ٹھونکا تھا مگر اس بار بھی جواب ندارد۔

”کمال ہے سارے بھائیوں کے دماغ ہی عرشِ معلیٰ پر پہنچے ہوئے ہیں“۔ ناگواری سے اسے گھورتے ہوئے وہ بڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

”تم یہاں کیوں رک گئے ہو؟“ ایک نظر سامنے ریسٹورنٹ کی عمارت پر ڈال کر وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

”تم زبان کہاں رکھ کر بھول گئے ہو‘ میری کسی بات کا جواب تک نہیں دے رہے؟“ وہ حیرانگی سے خاموش شان کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”مجھے چھوٹے بھائی نے خاص ہدایت کی تھی کہ کان بند کر کے سب سنتے رہنا مگر زبان نہ کھولنا“۔ اس بار وہ اطمینان سے بولا تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اس کے پھاڑ کھانے والے انداز پر شان نے فوراً ہی کان پر ہاتھ رکھا تھا۔

”تم مجھے آخر یہاں لائے کیوں ہو؟“

”یہ تو اس ریسٹورنٹ کے اندر جا کر پتا چلے گا“۔ شان نے فوراً ہی کہا تھا۔

”معاف کرنا‘ مجھے بچوں کے ساتھ ریسٹورنٹ میں گھسنے کا شوق ہرگز نہیں ہے“۔ وہ ناگواری سے بولی تھی۔

”ہیں...... میں تمہیں بچہ نظر آتا ہوں؟“ شان دنگ ہوا تھا۔

”ابھی اگر تمہارا ہاتھ پکڑ کے زبردستی یہاں سے لے جاؤں تو تم بھی مجھے نہیں روک سکو گی‘ کن ہواؤں میں ہو“۔ شان نے بمشکل مسکراہٹ روکی تھی۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے‘ کیا بول رہے ہو تم‘ ذرا سی شرم نہیں آئی تمہیں جو مجھے یہاں لے کر آ گئے ہو‘ مجھے تو بہت شریف لگتے تھے تم مگر یہاں تو تمہیں بھی ہوا لگی ہوئی ہے‘ صبر کرو ذرا“۔ غصیلی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے سارہ نے اپنے بیگ سے سیل فون نکالا تھا‘ جبکہ شان بمشکل مسکراہٹ چھپائے اس کے قریب میں دیکھ رہا تھا جہاں وہ قریب آتا دکھائی دے رہا تھا۔

”وہ کون سے کمینے مرد ہوتے ہیں جو اپنی محبوبہ کی خاطر اس کے بھائیوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو کر اسپتالوں میں پہنچ جاتے ہیں‘ اور ایک یہاں میں ہوں جو تمہارے بھائیوں کے طفیل کسی دن پاگل خانے پہنچ جاؤں گی اور تم......“ یکدم ہی رک کر وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو سیل فون کان سے لگائے اس کے برابر ہی آ رکا تھا اور اب مسکراتی نظروں سے اس کے بپھرے ہوئے سرخ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

”بولو بولو‘ رک کیوں گئیں‘ ان کے سامنے بھی تم ہمارے قصیدے پڑھ سکتی ہو“۔ شان ہنستے ہوئے بولا تھا۔

”ویسے چھوٹے بھائی! سارہ کے ساتھ چند منٹ بھی گزارنے کیلئے بندے کو طبیعت سے ڈھیٹ ہونا چاہیے“۔ شان نے مزید کہا تھا۔

”بکو مت اور چلو اب نو دو گیارہ ہو جاؤ‘ بس یہیں تک کے روپے دیئے تھے تمہیں“۔ مسکراہٹ روکتے ہوئے اس نے شان کو ہدایات دی تھی۔

”وہ تو ان محترمہ کو یہاں تک لانے کے تھے‘ اب منہ بند رکھنے کیلئے بھی تو کچھ دیں“۔ وہ شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

”میں زہر نہ دے دوں تمہیں“۔ وہ بھڑکی تھی جبکہ شان نے فوراً ہی بائیک اسٹارٹ کر دی تھی۔

”اور تمہارے سر پر کوئی بھوت سوار ہے جو مجھے یہاں بلایا ہے‘ تم سب نے آخر مجھے سمجھ کیا رکھا ہے‘ میں کیا کوئی کٹھ پتلی ہوں جو سب مجھے اپنے اشاروں پر......“

”بس چپ“۔ اس کے یکدم ہی درمیان میں ٹوکنے پر وہ دنگ ہوئی تھی۔

”اب چلیں“۔ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

ٹیبل کے دوسری جانب اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ بغور اس کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

”میں تمہاری ہر بات سننے کیلئے بالکل تیار ہوں لیکن پہلے یہ بتاؤ کیا کھانا ہے؟“ مینیو کارڈ اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”اس وقت تو تمہیں ہی کھانے کو دل چاہ رہا ہے وہ بھی چبا چبا کر“۔ وہ غرا کر بولی تھی۔

”سالم نگل جاؤ یا چبا چبا کر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے‘ بسم اللہ کرو“۔ وہ بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''تمہارا یہ غصہ کسی دن میری جان ہی لے جائے گا''۔ وہ اس کے بگڑے تاثرات دیکھتے ہوئے مزید بولا تھا۔

''اس سے پہلے تو تم کبھی مجھے اس طرح ہوٹلنگ کیلئے نہیں لائے' آج کون سی مصیبت آ پڑی تھی؟'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''آج مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا ہے ورنہ تم جانتی ہو میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا ہوں''۔ وہ سنجیدگی سے بولا تھا' دوسری جانب وہ ناگواری سے سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

''سارہ! میں جانتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ زیادتی کر جاتے ہیں مگر......''

''اگر مگر کی بات رہنے دو شیث! تمہارے بھائی نے کسی چیز کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے''۔ سارہ نے فوراً ہی اس کی بات کاٹی تھی جو وہ چند لمحوں کے لیے خاموش سا ہو گیا تھا۔

''کیا تم بعد میں بھی اس طرح مجھے چھوڑ کر اپنی پھپھو کے گھر چلی جایا کرو گی؟'' اس کے کہنے پر سارہ نے ناگوار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کوئی کسر باقی نظر آ رہی ہے تمہیں جو ''بعد'' کی بات کر رہے ہو؟ میرا دماغ نہیں پلٹ گیا تھا جو منہ اٹھا کر تمہارے گھر سے چلی گئی تھی''۔ وہ بگڑ کر بولی تھی۔

''ذرا سی بات کا تماشا بنا رکھا تھا انہوں نے' میں ان کے بچوں سے محبت کروں تو یہ ان سے برداشت نہیں ہوتا' بے نیاز ہو جاؤں تو بھی انہیں چین نہیں پڑتا' کل کچن میں ہنی کے لیے میں نوڈلز بنا رہی تھی پتا نہیں کہاں سے اس کے ہاتھ میں چھری آ گئی' اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے اس لیے میں نے زبردستی اس سے چھری لے لی مگر وہ بضد رہی کہ چھری چاہیے' میں نے اسے ڈانٹ کر کچن سے باہر نکل جانے کا کہہ دیا اور بس ہی غضب ہو گیا' نازل ہو گئے وہ اتنی بری طرح میرے سامنے انہوں نے ہنی کو ڈانٹا کہ میں خود شرمندہ ہو گئی' میں نے روکا تو جھڑک کر رکھ دیا مجھے۔ وہ کوئی لحاظ نہیں رکھتے تو میں کیوں خاموشی سے سب سنتی رہوں مگر پھر بھی کچھ کہنے سے پہلے مجھے تمہارا خیال آ گیا اور بس آپی کو اطلاع دے کر شان کے ساتھ پھپھو کے گھر چلی گئی' کیونکہ مجھے پتا تھا کہ اگر میں وہیں رکی رہی تو کوئی نہ کوئی ایسی بات دوبارہ ہو گی جو مجھے ان کے منہ لگنا پڑے گا' انہیں یہ تو کبھی نظر نہ آیا کہ میں ان کی اولاد پر جان دیتی ہوں مگر میری ڈانٹ ڈپٹ ضرور نظر آ جاتی ہے''۔ سرخ چہرے کے ساتھ وہ جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

''اگر پھپھو کو ان سب باتوں کا پتا چل گیا تو وہ کبھی مجھے تمہارے گھر نہیں رہنے دیں گی''۔

''ہمارے گھر کے معاملے میں تمہاری پھپھو کو درمیان میں آنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ جو اتنی دیر سے سب کچھ خاموشی سے سن رہا تھا اس کے آخری جملے پر خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

''یہاں بات میرے معاملے کی ہے اور انہیں پورا حق ہے درمیان میں آنے کا' وہ محبت کرتی ہیں مجھ سے''۔

''اتنے فخر سے تم نے کبھی کسی اور کی محبت کا تو اعتراف نہیں کیا''۔ اس کے فوراً ہی کہنے پر سارہ نے ایک نظر اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''کوئی فخر کرنے والی محبت بھی تو کرے''۔ وہ ناگوار لہجے میں بولی تھی۔

''تم نے ٹھیک کہا' قصور شاید میرا ہی ہے کہ میں نے کبھی اپنے بھائی کے سامنے سر اٹھانے کی کوشش نہیں کی' مگر میں یہ بھی کبھی نہیں چاہتا تھا کہ مجھ پر سے تمہارا بھروسہ ہی ختم ہو جائے''۔ ٹیبل کی سطح پر نظر جمائے وہ سنجیدہ اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں یہ کہا کس نے ہے کہ تم ان کے سامنے سر اٹھاؤ' تم بس بیٹھ کر تماشے دیکھو''۔ اس کے تلخ لہجے پر شیث کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

''شان کو بلاؤ یہاں فوراً' مجھے نہیں بیٹھنا تمہارے سامنے مورت بن کر''۔ وہ بگڑے انداز میں بولی تھی۔

''چلو''۔ وہ یکدم ہی اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

''مجھے تمہارے ساتھ نہیں شان کے ساتھ جانا ہے''۔ وہ اسی ناگواری سے بولی تھی' دوسری جانب وہ اس کے چہرے پر سے نظر ہٹاتا تیز قدموں کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا جبکہ وہ بری طرح تلملا کر اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی تھی جو اب جا چکا تھا' اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں تھیں کہ اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس طرح اسے یہاں چھوڑ کے چلا جائے گا' تب ہی وہ کچھ چونک کر اس ٹیبل کی جانب متوجہ ہوئی تھی جہاں کچھ لڑکے اسے اپنی طرف ہی متوجہ نظر آئے تھے' مگر چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے دو لڑکے اٹھ کر اس ٹیبل کی طرف آ رہے تھے جو بالکل اس کے سامنے کچھ فاصلے پر موجود تھی' کرسیوں کا رخ سارہ کی جانب کرتے ہوئے وہ دونوں اب بیٹھ چکے تھے' دوسری جانب وہ سن ہونے لگی تھی اسے تنہا بیٹھے دیکھ کر وہ سب کیا سمجھ رہے تھے اسے سمجھ نہیں آیا تھا' مگر ان کی مستقل خود پر جمی آر پار ہوتی نظروں پر وہ ٹھنڈی پڑ گئی تھی ورنہ وہ اتنی جلدی گھبرا جانے والی نہیں تھی۔

سرعت سے مینیو کارڈ اٹھا کر چہرے کے سامنے کرتے ہوئے اس نے بیگ سے سیل فون نکالا تھا اور مدھم آواز میں چند لفظوں کی ادائیگی کرنے کے بعد ریسٹورنٹ کے گلاس ڈور کی جانب دیکھا تھا' اس کے ساتھ ہی اس کا رکا ہوا سانس بحال ہونے لگا تھا۔

حیران نظروں سے سارہ کے فق چہرے کو دیکھتا ہوا وہ قریب آیا تھا اور پھر ایک نگاہِ غلط ان دونوں پر ڈالی تھی جو اپنی جگہ سے اٹھ کر واپس اس ٹیبل کی سمت بڑھ گئے تھے جہاں ان کے ساتھی لڑکے موجود تھے۔

''تمہیں یہ لگ رہا تھا کہ میں یہاں تمہیں تنہا چھوڑ کر چلا گیا ہوں؟'' اس کے سنجیدہ لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''میں نے تو صرف کہا تھا اور تم نے یقین بھی دے دیا کہ تمہیں ذرا سا بھی بھروسہ نہیں ہے مجھ پر''۔

''مجھے خود پر بھروسہ نہیں ہے''۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی تھی۔

''یہاں سگنل نہیں مل رہے تھے اس لئے شان کو کال کرنے باہر چلا گیا تھا' وہ ابھی کچھ دیر میں آ جائے گا''۔ وہ بولا تھا۔

''مجھے معاف کر دو' غصے میں پتا نہیں میں نے......'' شرمندگی کے ساتھ وہ بات بھی مکمل نہیں کر سکی تھی۔

''کوئی ایکسکیوز مت دو' اگر تم اپنے دل کی بات مجھ سے نہیں کہو گی تو کس سے کہو گی' ابھی بھی کچھ غبار اندر ہے تو وہ بھی نکال دو''۔ اس کا لہجہ مصالحانہ تھا مگر وہ پھر بھی نظر نہیں اٹھا سکی تھی۔

''کوئی پین وغیرہ ہے تمہارے پاس''۔ چند لمحوں بعد اس کی آواز پر سارہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر خاموشی سے اپنا بیگ کھولا تھا' پین تو اس کے پاس بھی موجود نہیں تھا مگر جو تھا وہ کچھ تذبذب کے ساتھ اس نے شیث کے سامنے رکھ دیا تھا اور کچھ حیرت سے اسے دیکھا تھا جو ٹیبل پر خوبصورتی سے سجے ٹشو پیپرز میں سے ایک ٹشو نکال کر سامنے رکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' پنسل کا کیپ اتارتے ہوئے اس نے سارہ سے پوچھا تھا۔

”پنسل ہے“۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی تھی۔
”یہ کیسی پنسل ہے؟“ اس نے مزید پوچھا تھا۔
”لپ پنسل ہے“۔ وہ اسی سنجیدگی سے بولی تھی۔
”کبھی استعمال بھی کرتی ہو؟“ پیپر پر کچھ لکھتے ہوئے اس نے مسکراتی نظروں سے سارہ کے چہرے کو دیکھا تھا۔
”کبھی کبھی کرتی ہوں“۔ جواب دیتے ہوئے اس بار سارہ نے نظر اٹھا کر اس کے لبوں پر دبی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

”اچھا...... پھر اس وقت میں کہاں ہوتا ہوں؟“ بولتے ہوئے اس نے ٹشو پیپر سارہ کی سمت بڑھایا تھا تو اس نے بے ساختہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ ٹشو لے لیا تھا۔
”بیوٹی فل پکچر آر ڈیویلپڈ فرام نیگیٹوز اِن آ ڈارک روم......
سو اِف یو سی ڈارک نیس
اِن یور لائف بی شیور دیٹ
گاڈ اِز میکنگ آ بیوٹی فل پکچر فار یو“
ٹشو پیپر پر لکھی کلرفل تحریر پر سے نظر ہٹا کر سارہ نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔
”کچھ سمجھ آیا مائی پرنسس آف ہیون!“ وہ مسکراتے لہجے میں بولا تھا۔ جواباً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ کھل کر مسکرائی تھی۔
”مجھے تو تم اچھی طرح گردن تک فل کر چکی ہو مگر تمہاری انرجی جو ضائع ہوئی ہے اس کیلئے تو تمہیں کچھ کھلانا ہی پڑے گا‘ میں خود ہی کچھ منگواتا ہوں“۔ بولتے ہوئے وہ مینیو کارڈ اٹھا چکا تھا۔
”مگر شان آنے والا ہے“۔ سارہ کو یاد آیا تھا۔
”نہ وہ اتنا احمق ہے نہ میں بے وقوف ہوں‘ میں باہر اسی لئے اسے کال کرنے گیا تھا کہ اسے یہ بتا دوں وہ تمہیں ایک کے بجائے دو گھنٹے بعد لینے آئے‘ کیونکہ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ایک گھنٹہ تو تمہارا موڈ ٹھیک ہونے میں لگے گا ہی‘ اب باقی جو ایک گھنٹہ بچا ہے اس میں صرف میں بولوں گا اور تم سنو گی‘ اچھا“۔ اس کے جتانے پر وہ بس مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو ویٹر کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

☆

لاؤنج میں آتے ہوئے انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی جو چادر میں چھپی صوفے پر دبکی ہوئی تھی۔
”کیا ہوا ہے اسے؟“ انہوں نے سدرہ سے پوچھا تھا۔
”طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے“۔
”کب سے؟“ دوبارہ ایک نظر اس پر ڈال کر مزید پوچھا تھا۔
”شام سے ہی کچھ ٹمپریچر تھا مگر اب ٹھیک ہے‘ میں نے ٹیبلٹ دے دی تھی اور آپ سب نے کتنا وقت لگا دیا واپس آنے میں“۔ بولتے ہوئے وہ رک کر موموکی طرف متوجہ ہوئی تھیں جو بگڑے چہرے کے ساتھ آ رہی تھی۔
”اپنی تو اتنی خوبصورت گائے لے آئے اور ہماری اتنی کالی خوفناک گائے لائے ہیں“۔ وہ جل کر بولی تھی۔
”تمہارے بھائیوں کی آنکھوں میں سما گئی تھی وہ‘ ان کا سر کھاؤ جا کے“۔ شمس نے گھر کا تھا۔
”مجھے نہیں پتا‘ گائے ایکسچینج کریں“۔ وہ بضد تھی۔

”خوامخواہ روک دیا میں نے عاطف کو ورنہ مارتا تمہیں سب کے سامنے تب شانت ہو کر بیٹھتیں تم“۔
”آپ مجھے اپنی والی گائے دے رہے ہیں یا نہیں“۔ وہ درمیان میں بگڑی تھی۔
”جاؤ باہر کھڑی ہے لے جاؤ“۔ ناگواری سے اسے گھورتے وہ آگے بڑھ گئے تھے۔
”اور وہ جو گائے کے باڈی گارڈ کھڑے کر رکھے ہیں آپ نے ان سے کون نبٹے گا؟“ وہ پیچھے سے چیخی تھی۔
”بہت ہی احمق ہو تم‘ یہ ہماری آپ کی کب سے شروع ہو گئی ہے اس گھر میں‘ خبردار جو قربانی کے جانور میں مین میخ نکالے تم نے‘ یہ شکر ادا نہیں کر رہیں اللہ نے اس قابل تو کیا ہے ہمیں“۔ سدرہ نے اسے ٹھیک ٹھاک لتاڑا تھا۔
”میں شیث سے کہہ دیتی ہوں وہ اِدھر والی گائے بھی تمہارے حوالے کر دے“۔
”رہنے دیں‘ باہر سب اس کالی گائے کا مذاق بنا رہے ہیں“۔ وہ بھڑک کر بولی تھی۔
”تم ہی موقع دے رہی ہو سب کو اس طرح جل بھن کے“۔ سدرہ نے مزید گھرکا تھا جبکہ وہ سر جھٹکتی اس کی طرف بڑھ گئی تھی جو آوازوں پر اٹھ بیٹھی تھی۔
”چلو تم پہلے ہماری گائے دیکھو“۔ اس نے بولتے ہوئے سارہ کا ہاتھ پکڑ کے اٹھایا تھا۔
باہر آتے ہوئے وہ دنگ ہوئی تھی گائے بکروں کی رونق دیکھ کے‘ مومو کے ہمراہ اس کے پورشن کی جانب بڑھ رہی تھی جب عقب سے آتی پکار پر رک کر پلٹی تھی۔
”مت جاؤ بلیک بیوٹی کے پاس ڈر جاؤ گی“۔ وہ یقیناً سارہ کو خبردار کر رہا تھا۔
”لو...... گاؤں کے پرانے پیپل کے درخت کے نیچے اُگا ہوا ستر فیصد ٹنڈ منڈ سورج مکھی بھی بول اٹھا“۔ کھا جانے والے انداز میں اس پر مومو برسی تھی جو سارہ بے ساختہ ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھ گئی تھی۔
اس وقت وہ اپنے چند کزنز کے ہمراہ محو گفتگو تھا جب یکدم ہی چونک کر شاہ رخ کو دیکھا تھا جس نے سفید گائے کی رسی چھوڑ کر اسے اس جانب بڑھا دیا تھا جہاں وہ دونوں بلیک گائے کے پاس موجود ڈسکشن میں مگن تھیں۔
ایک ساتھ ہی دونوں کی پشت سے کچھ ٹکرایا تھا وہ چونک کر پلٹی تھیں‘ گلے ملتی گائے کی موٹی موٹی آنکھوں سے ان کی پھٹی ہوئی آنکھیں ملی تھیں اور اگلے ہی پل دونوں کی بلند چیخیں فضا میں گونجتی چلی گئی تھیں۔

☆

اسے کمرے سے باہر آتے دیکھ کر سارہ نے کھڑکی کا گلاس ایک طرف سرکایا تھا۔
”سوری...... اگر تم سو رہے تھے تو مجھے بتا دیتے‘ میں نے تمہاری نیند خراب کر دی“۔ اس کی نیند سے بوجھل آنکھیں دیکھتے ہوئے وہ شرمندہ ہو کر بولی تھی۔
”نہیں میں سو تو نہیں رہا تھا ہاں نیند ضرور آ رہی تھی مجھے اس لئے کچھ دیر پہلے ہی سونے کے لیے لیٹا تھا“۔ وہ اس کی شرمندگی دور کرتے ہوئے بولا تھا۔
”اور آج خیریت تو ہے ورنہ تو میں ہی آتا ہوں‘ تم مجھے اس طرح یاد نہیں کرتی ہو“۔
”ہاں آج مجھے یاد آ گیا کہ تین چار دن سے تمہارا چاند چہرہ میری کھڑکی میں روشن نہیں ہوا تو ذرا آج خود ہی بلا کر دیدار کر لوں“۔ وہ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔
”اب تمہارے اس سچ نے تو مجھے آسمان پر پہنچا کر ساری نیند ہی اڑا دی ہے“۔ وہ بولا تھا جبکہ وہ بمشکل ہی اپنی ہنسی روک سکی تھی۔
”آج تم نے کھڑکی کا پورا شیشہ ہٹا دیا ہے‘ اگر میں اندر آ گیا تو......؟“ وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے

ہوئے بولا تھا۔

’’ہاں آجاؤ‘ کھڑکی سے اندر آؤ گے اور دروازے سے نکل کر باہر بھاگو گے‘‘۔ وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

’’اچھا سنو! مجھے تم سے کام تھا اس لئے اس وقت بلانا پڑا تھا‘ مجھے کل بینک جانا ہے اور تمہارے علاوہ مجھ کوئی وہاں نہیں لے جا سکتا‘ آپی کو اگر بھنک بھی لگ گئی میرے بینک جانے کی تو بہت ناراض ہوں گی‘‘۔ وہ کہہ رہی تھی۔

’’مگر کیوں...... بینک کیوں جانا ہے؟‘‘ وہ پوچھ رہا تھا۔

’’سبزی خریدنے جاؤں گی وہاں‘‘۔ وہ خشمگیں لہجے میں بولی تھی۔

’’میرا مطلب ہے کہ رقم کی ضرورت ہے تو تم بھابی سے بھی لے سکتی ہو‘‘۔

’’کیوں ان سے کیوں لے لوں‘ ان کے شوہر کے روپوں کو تو میں کبھی ہاتھ بھی نہ لگاؤں‘‘۔ اس کی بات کاٹ کر وہ ناگواری سے بولی تھی۔

’’اب ایسا تو مت کہو‘‘۔ وہ خفگی سے بولا تھا۔

’’ایسا ہی کہوں گی میں‘ اگر تم مجھے بینک لے جا سکتے ہو تو بتاؤ فضول مشورے نہ دو‘‘۔ وہ اسی لہجے میں بولی تھی۔

’’کوئی ضرورت نہیں ہے بینک جانے کی‘ کتنی رقم چاہیے بتاؤ مجھے‘ ابھی تمہیں دے دیتا ہوں‘‘۔ وہ بولا۔

’’شیث! اگر میں نے مجبوراً تم سے مدد مانگ لی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مجھے شرمندہ ہی کر دو‘‘۔ اس کے ناگواری سے کہنے پر وہ حیران ہوا تھا۔

’’اس میں شرمندہ ہونے کی بات کہاں سے آ گئی سارہ! میں نے شرمندہ کرنے کیلئے تم سے یہ نہیں پوچھا تھا‘ کیا میں کوئی غیر شخص ہوں جو تم اس طرح کہہ رہی ہو‘‘۔

’’دیکھو! جس دن مجھے تمہارے روپوں پر حق حاصل ہو گیا اس کے بعد تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہو گی‘ میں خود تم سے مانگ لوں گی مگر ابھی یہ بات مت کرو‘‘۔ وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

’’اب تمہاری یہ بات سن کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ کل ہی تمہیں یہ حق دے ڈالوں‘ کیا خیال ہے؟‘‘ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

’’اچھا...... اور کل یہ معجزہ کیسے رونما ہو سکتا ہے‘ بتانا پسند فرماؤ گے؟‘‘ وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

’’میرا خیال ہے کہ اس کیلئے مجھے کل تم سے کورٹ میرج کرنی پڑے گی‘‘۔ وہ جس طرح سوچ کر سنجیدگی سے بولا تھا سارہ بمشکل ہی اپنی ہنسی روک سکی تھی۔

’’ویسے جس طرح کے حالات چل رہے ہیں ناں‘ لگتا ہے کورٹ کی شکل اندر سے دیکھنی ہی پڑے گی‘‘۔ اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

’’اپنے بھائی کے سامنے میری طرف دیکھتے ہوئے بھی تمہاری جان نکلتی ہے اور چلے ہو کورٹ میرج کرنے‘‘۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

’’سنو! اگر تم مجھے چیلنج کرو گی تو میں کل واقعی ایسا کر بھی لوں گا‘‘۔ اس کے بے حد سنجیدگی سے کہنے پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

’’تمہارے اور بھائی کے تیوروں نے مجھے بہت پہلے سے ہی اس کام کیلئے ذہنی طور پر تیار کر رکھا ہے‘ مجھے تو بس اب کوئی بہانہ مل ہی جائے دو سیکنڈ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر سیدھا کورٹ جا پہنچوں گا‘‘۔

’’ہائے توبہ...... کتنی جلدی ہو رہی ہے تمہیں شادی کی جو بہانہ ڈھونڈ رہے ہو‘‘۔ حیرت سے بولتے ہوئے وہ ہنسی تھی۔

’’تم دونوں نے مجھے اتنے عرصے سے ہولا کر جو رکھا ہوا ہے‘ کوئی نہ کوئی راستہ تو مجھے نکالنا ہی ہے اور کیا کروں میں؟‘‘ وہ خفگی سے بولا تھا۔

’’میں بات کیا کر رہی تھی اور تم کہاں سے کہاں لے گئے‘‘۔ وہ اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

’’ٹھیک ہے میں کل تمہیں بینک لے جاؤں گا‘ اگر اجازت ہو تو پوچھ سکتا ہوں کہ ایسی بھی کیا ضرورت ہے جو کل ہی بینک جانا ہے‘‘۔ وہ بولا تھا۔

’’دراصل میں کل پھپھو کے گھر جا رہی ہوں کیونکہ وہ سب جا رہے ہیں شہر سے باہر فارم ہاؤس پکنک کیلئے اور ماہدولت کو پہلے ہی ہدایت مل چکی ہے کہ جانا ضروری ہے کیونکہ میرے بغیر تو سب کچھ ادھورا ہی رہتا ہے‘‘۔ وہ مسکراتے ہوئے فخریہ انداز میں بولی تھی‘ دوسری جانب شیث کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے تھے۔

’’سارہ! تم کل ان کے ساتھ نہیں جا رہی ہو‘‘۔ وہ ایک پل کو رک کر بولا تھا۔

’’کیا...... مگر کیوں......؟‘‘ وہ دنگ ہوئی تھی‘ شیث نے کبھی اس طرح اسے روکا ٹوکا نہیں تھا۔

’’بس...... میں کہہ رہا ہوں تم مت جاؤ‘‘۔ وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔

’’پہلے تمہارے بڑے بھیا نے دس ہزار اعتراضات اٹھا دیئے تھے کہ جیسے میں تین دن کیلئے نہیں بلکہ تین سالوں کیلئے جا رہی ہوں‘ انہیں تو ویسے ہی پرخاش ہے میری پھپھو اور ان کی اولاد سے اور اب تم بھی‘‘۔ سارہ نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

’’اگر تم اپنے بھائی کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہو تو فکر مت کرو‘ آپی نے انہیں راضی کر لیا ہے وہ اب کچھ نہیں کہیں گے‘‘۔

’’میں بھائی کی وجہ سے نہیں کہہ رہا ہوں‘ بس تم مت جاؤ‘‘۔ وہ ہلکی سی جھنجھلاہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

’’ابھی پچھلے ہفتے ہی تو تم ان کے گھر گئیں تھیں اور اب پھر......‘‘

’’تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے شیث! وہ تو میں ان سے بس ملنے گئی تھی مگر کل تو میں ان سب کے ساتھ پکنک پر جا رہی ہوں‘ پہلے ہی میری پھپھو کی طرف سے یہاں کوئی نہیں آتا ہے تمہارے بھائی کے تیور وہ سب بھی اچھی طرح پہچان گئے ہیں‘‘۔ وہ ناگواری سے بولی تھی۔

’’سارہ! میری ہر بات میں تم میرے بھائی کو درمیان میں کیوں لے آتی ہو‘ میں تم سے جو کہہ رہا ہوں بس اس پر بات کرو‘‘۔ اس کے یکدم ہی خشک لہجے پر سارہ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا‘ اس کی بات سے زیادہ وہ اس کے لہجے پر دنگ رہ گئی تھی۔

’’سب کی طرح اب تمہیں بھی مجھ میں ہی کیڑے نظر آنے لگے ہیں‘‘۔ اس کے شکایتی لہجے پر وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔

’’ایسا سوچا بھی کیسے تم نے؟ مجھے بس یہ چیز بری لگ رہی ہے کہ ہمارے درمیان وہ کیسے آ جاتے ہیں‘‘۔

’’اب یہ بھی بتا دو کہ تمہیں اور کیا کیا چیزیں بری لگنے لگی ہیں؟‘‘ وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

’’سب سے زیادہ مجھے تم ہی بری لگتی ہو‘ بس یا اور کچھ......‘‘ وہ خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

’’تم مجھے کوئی وجہ تو بتاؤ وہاں نہ جانے کی؟‘‘ وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ بولی تھی۔

"سارہ! تم ان سے ملنے جاؤ یا وہاں سے کوئی اس گھر میں آئے یہ اچھی بات ہے' مگر اب تم وہاں جا کر رکنے کی بات مت کرنا' اور کل تمہارے جانے پر مجھے اس لئے اعتراض ہے کہ اتنے دن تم گھر میں نہیں ہو گی تو مجھے اچھا نہیں لگے گا کچھ بھی"۔ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"بول تو اس طرح رہے ہو جیسے یہاں گھر میں ہر وقت مجھے اپنے سامنے بٹھا کر تکتے رہتے ہو"۔ اس کے فوراً ہی جل کر کہنے پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"شیث! مجھے کھل کر بتاؤ سب' تم نے اس سے پہلے کبھی مجھے پھپھو کی طرف جانے سے نہیں روکا ہے' اگر میں وہاں رکتی ہوں تو اب کیا ہو جائے گا جو تم اس طرح کہہ رہے ہو کہ وہاں جا کر رکنے کی بات نہ کروں' جو بھی وجہ ہے صاف کیوں نہیں کہہ دیتے تم؟" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی جواباً وہ اس کے چہرے سے نظر ہٹا گیا تھا۔

"سارہ! میں کچھ محسوس کر رہا ہوں اس لئے یہ بات کہہ دی' اب تم مزید کچھ مت پوچھو"۔ وہ تذبذب کے ساتھ بولا تھا۔

"مگر میں پھر بھی تم سے پوچھ رہی ہوں' کیا محسوس کر رہے ہو تم؟ کس چیز کا خطرہ ہے تمہیں' میری پھپھو کے بیٹے شادی شدہ اور بچوں والے ہیں اور جو فارغ ہیں وہ مجھ سے چھوٹے ہیں"۔ وہ جتاتے ہوئے بولی تھی۔

"اور اپنے عاشر بھائی کے بارے میں کیا کہو گی تم؟" اس کے فوراً ہی کہنے پر وہ حیران ہوئی تھی۔

"شیث! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے' وہ ایک بچے کے باپ ہیں"۔ وہ حیرانگی سے بولی تھی۔

"مگر ان کی بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے اگر تمہیں یاد ہو تو"۔ وہ بولا تھا۔

"مگر ان دونوں کے درمیان کوئی حتمی فیصلہ بھی نہیں ہوا ہے' سمجھے' اتنی ٹوہ میں کب سے لگے ہو تم' وہ میرے بھائی ہیں اور بس"۔ وہ ناگواری سے بولی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ جو میں محسوس کر رہا ہوں اس بارے میں تم مجھ سے مزید کچھ نہ پوچھو' میں اتنی بڑی بات ایسے ہی تو منہ اٹھا کر نہیں کہہ سکتا"۔ وہ خفگی کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"وہی تو پوچھ رہی ہوں کہ تم ایسا بھی کیا محسوس کر رہے ہو جو ایسی فضول بات کر رہے ہو؟" سارہ کی حیرت ختم نہیں ہو رہی تھی۔

"مجھے خاموش ہی رہنے دو' دیکھا تھا میں نے جب وہ یہاں آئے تھے تمہیں لینے کے لئے' میرا خون کھولے جا رہا تھا ان کی نظریں ہی تم پر سے نہیں ہٹ رہی تھیں' اب اس سے زیادہ کیا کہہ کر سمجھاؤں تمہیں"۔ وہ شدید ناگواری کے ساتھ بولا تھا۔

"شیث! تمہارا تو لگتا ہے دماغ خراب ہو گیا ہے' تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو ان کے بارے میں کہ وہ مجھے......" شدید بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے وہ بات بھی مکمل نہیں کر سکی تھی۔

"تمہیں ابھی وہ سب نظر نہیں آ رہا ہے سارہ! جو مجھے نظر آ چکا ہے' میں مرد ہوں اسی لئے دیکھ سکتا ہوں سمجھ سکتا ہوں کہ کسی دوسرے مرد کی نظروں میں کیا ہے اور کیا نہیں"۔ وہ اسی ناگوار لہجے میں بولا تھا۔

"شیث! تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"تمہارے لئے میں کسی دوسرے پر بھروسہ نہیں کر سکتا' تم پر بھی نہیں"۔ اس کے فوراً ہی کہنے پر وہ بس ایک پل کو ساکت ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل اس نے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑکی کا گلاس بند کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ سرعت سے اسے ایسا کرنے سے روک گیا تھا۔

ایک لمحے کو رک کر سارہ نے شیث کے کنارے رکھے اپنے ہاتھ پر موجود اس کے ہاتھ کو دیکھا تھا اور پھر اس کے چہرے کو جو کچھ شرمندگی کے ساتھ اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا رہا تھا۔

"بلاوجہ میں نے تمہیں زحمت دی' مجھے بینک جانا ہی نہیں ہے اور تمہارے ساتھ تو ہرگز نہیں' بہت شکریہ"۔ وہ سلگ کر بولی تھی۔

"میں جانتا ہوں تمہیں میری باتیں بری لگی ہیں مگر جو سچ ہے اس سے بھی تم انکار نہیں کر سکتیں"۔ وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"تو پھر تم بھی دوسرا سچ سن لو' میں کل جا رہی ہوں گڈ نائٹ"۔ تلملا کر بولتے ہوئے اس نے گلاس بند کیا تھا اور ایک جھٹکے سے پردہ بھی پھیلا دیا تھا۔ شیث کے خدشات کو تو اس نے رد کرنے کی کوشش کی تھی مگر اب سر پکڑے بیٹھی تھی کہ خطرے کی گھنٹیاں تو بہت دنوں سے اس کے کانوں میں بھی بج رہی تھیں' مگر اس چیز سے وہ بھی بے خبر نہیں رہا تھا یہ بات اسے پریشان کر گئی تھی۔



وارڈروب میں تہہ شدہ کپڑے رکھنے کے بعد انہوں نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا جو بیک کراؤن سے پشت لگائے تنے ہوئے چہرے کے ساتھ بیٹھا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے کنارے بیٹھ گئی تھیں۔

"اب اس طرح چہرہ بنا کر رکھو گے تو کیا سب کچھ وقت سے پہلے ٹھیک ہو جائے گا"۔ وہ اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"تو آپ بتائیں کیا کروں میں؟ زبان بند رکھ کر سب کچھ دیکھ تو رہا ہوں' اب یہ بھی نہ کروں تو کیا آنکھیں بھی بند کر لوں"۔ وہ تلخی سے بولا تھا۔

"تم پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ وہ اتنا ہی بول سکی تھیں۔

"کیا ٹھیک ہو جائے گا بھابی! اتنے سالوں سے سب ٹھیک ہونے کی امید کرتے کرتے یہ وقت آ گیا ہے کہ......" بگڑے انداز میں بولتے ہوئے وہ ایک پل کو رکا تھا۔

"میں کچھ کہنا چاہتا ہوں تو یہ خوف حاوی ہو جاتا ہے کہ اس گھر میں کہیں بھونچال نہ آ جائے' اور اگر خاموش ہی رہوں تو کب تک سانس لے سکوں گا اس گھٹن میں"۔

"تم پھپھو کی طرف سے فکرمند نہ ہو' میں انہیں سنبھال لوں گی"۔ وہ بولی تھیں۔

"ان کا تو ذکر ہی نہ کریں آپ' سارہ کی اور آپ کی محبت کا وہ بس ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہیں' انتہا ہے خودغرضی کی' انہیں صرف اپنے بیٹے اور اس کی اولاد کی فکر ہے' بھینٹ وہ سارہ کو چڑھانے پر تلی ہیں' آپ کو پوچھنا چاہیے ان سے کہ انہوں نے ایسا سوچا بھی کیسے' انہیں کیا لگتا ہے کہ وہ جو چاہیں گی آپ اور سارہ آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کر لیں گی"۔ وہ پھٹ ہی پڑا تھا۔

"اب میں پھپھو سے یہ سب تو نہیں کہہ سکتی ہوں' اور پھر باقاعدہ صاف طور پر انہوں نے یہاں آ کر کوئی بات نہیں کی ہے' بس ڈھکے چھپے الفاظ میں شاید وہ میری رائے جاننا چاہ رہی ہیں"۔

"آپ کی رائے کے بعد کچھ اور رہ ہی کیا جاتا ہے' انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر تو کر دیا ہے صاف طور پر اور کیا کہیں گی وہ"۔ وہ ناگواری سے سر جھٹک کر بولا تھا۔

''پتا نہیں پھپھو کو یہ کیا سوجھی' بہو بیٹے میں مصالحت کروانے کے بجائے یہ کیا کرنے چلی ہیں' اب انہوں نے اس بارے میں کوئی بات کی تو میں سمجھاؤں گی انہیں مگر شمس تک تو انہیں ہرگز نہیں پہنچنے دوں گی''۔

''اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی آپ کے شوہر مطمئن ہیں' اگر وہ ان سے بات کریں گی بھی تو انہوں نے کون سا کوئی اعتراض کرنا ہے' وہ تو الٹا آپ کو بھی فورس کریں گے' کیا آپ انہیں کچھ نہیں سمجھا سکتی ہیں؟'' وہ تھکے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''شیث! میں کیا سمجھاؤں انہیں' تم جانتے ہو کہ وہ ہمیشہ کیلئے سارہ کو کبھی اس گھر میں نہیں رہنے دے سکتے' جس کے قریب بھی وہ تمہیں نہیں دیکھ سکتے ہیں اس کیلئے جو فیصلہ تم کر چکے ہو وہ اسے برداشت بھی نہیں کریں گے''۔ وہ صاف گوئی کے ساتھ بولی تھیں۔

''جتنی بار میں نے ان سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی ہے وہ اتنا ہی سارہ سے بدظن ہوئے ہیں' حالانکہ سب سمجھتے ہیں ہر حقیقت سے واقف مگر...... وہ میری بہن ہے اس کیلئے میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی ہوں' شمس کے سارے عتاب کا شکار ایک وہی بن کر رہ جاتی ہے' کبھی کبھی تو مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ میں اور تم بس دیکھتے ہی رہ جائیں گے اور کسی دن وہ خود ہی شمس کے سامنے زبان کھول دے گی''۔ وہ فکر مند لہجے میں بولی تھیں۔

''اچھا ہے کہہ دے وہ سب' میں تو انتظار کر رہا ہوں''۔ وہ بولا تھا۔

''ہاں تا کہ رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے' اس کی زبان ہی کاٹ کر ہاتھ پر رکھ دیں گے وہ''۔ سدرہ ناراضی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

''مگر میں اب ایسا نہیں ہونے دوں گا' آپ سب کچھ دیکھ سکتی ہیں مگر اب میں خاموشی سے سب کچھ نہیں دیکھتا رہوں گا''۔ وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔

''آپ ان سے کچھ مت کہیں اب' جو کہنا ہے مجھے ہی کہنا ہے' اور کبھی نہ کبھی تو مجھے ان سے یہ سب کہنا ہی ہے''۔ اس کے کہنے پر وہ بس پریشان نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں' سارہ کیلئے وہ کتنا حساس اور سنجیدہ ہے اس کا اندازہ انہیں بہت پہلے سے ہو چکا تھا' اس لئے اسے کسی چیز سے روکنا بےکار تھا جبکہ دوسری جانب وہ اپنی بہن کی حد درجہ جذباتی فطرت سے بھی بخوبی واقف تھیں' یہ بھی صحیح تھا کہ سارہ نے کبھی شیث کے حوالے سے اپنے تاثرات صاف طور پر ان کے سامنے نہیں کھولے تھے مگر وہ بہن تھیں' اس کے کچھ کہے بغیر ہی اس کے دل میں چھپے جذبوں سے باخبر تھیں' ان دونوں کی اس اٹیچمنٹ کو وہ آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ قبول کر چکی تھیں' لیکن ان کے شوہر کبھی اس حقیقت کو قبول کر لیتے یہ ایک ناممکن سی بات تھی۔



اردگرد پھیلی تاریکی میں بوجھل قدموں کے ساتھ ٹہلتے ہوئے اس نے رک کر دور کھڑی اس عمارت کو دیکھا تھا۔

''تمہیں یہ حقیقت شاید قبول کرنی پڑے گی کہ جتنی جگہ میرے لیے تمہارے دل میں ہے اتنی جگہ میرے لئے تمہارے گھر میں نہیں ہو سکتی''۔ ایک مانوس آواز بہت قریب سے سنائی دی تھی۔

''مگر تم یہ یقین رکھو کہ اس گھر میں بھی تمہارے لئے اتنی ہی جگہ ہو گی جتنی میرے دل میں ہے''۔ اسے اپنی ہی آواز سنائی دے رہی تھی مگر اجنبی سی۔

''تم جانتے ہو' انہیں دیکھتی ہوں تو کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ وہ مجھ سے بھی ویسی ہی محبت کریں جیسی وہ تم سے کرتے ہیں' تمہارے لئے وہ اس دنیا کو بھی تہس نہس کر سکتے ہیں' میں نے غور کیا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ تم سے بات کرتے ہیں تو ان کے لہجے میں ہی نہیں ان کی آنکھوں میں بھی تمہارے لئے اتنی محبت ہوتی' اتنی شفقت ہوتی ہے کہ مجھے تم پر رشک آنے لگتا ہے''۔ کچھ دن پہلے سارہ نے یہ اس سے کہا تھا اور اس وقت یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں ایک عجیب سی یاسیت اور حسرت تھی جو وہ محسوس کر سکتا تھا۔

''تمہارے لئے وہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں' لیکن اگر کچھ برداشت نہیں کر سکتے تو وہ صرف میری ذات ہے' کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ کاش کوئی معجزہ ہو اور ان کی وہ ساری نفرت ختم ہو جائے جو وہ مجھ سے کرتے ہیں' مجھ سے بات کرتے ہوئے بھی ان کے لہجے میں وہی نرمی وہی محبت ہو جو تمہارے لئے ہوتی ہے مگر...... پتا ہے تمہارے لئے ان سے جھگڑا کرنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے لیکن مجھے یہ چیز بھی بہت دلبرداشتہ کرتی ہے کہ دن بدن میرے لیے ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے''۔ ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے وہ باؤنڈری کے کنارے بیٹھ گیا تھا۔

''میں ان ساری نفرتوں کو ختم کر دوں گا' اگر ایسا نہ کر سکا تو خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا' یہ سب اب صرف زندگی اور موت کا سوال نہیں ہے' اس سے بھی کچھ بڑھ کے ہے' کیا ہے؟ یہ میں خود بھی نہیں جانتا''۔ سر جھکائے وہ جلتی آنکھوں کے ساتھ اس سے مخاطب تھا جو اس وقت پہنچ سے دور تھی۔

قدموں کی آہٹ پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا جو اس پر نظر جمائے قریب آ رہے تھے' دوسری جانب وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اتنی رات میں تم یہاں کیا کر رہے ہو' سوئے کیوں نہیں اب تک' طبیعت ٹھیک ہے نہ تمہاری؟'' کچھ پریشان نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ پوچھ رہے تھے جواباً وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''شیث! کیا ہوا ہے تمہیں' جواب کیوں نہیں دے رہے؟'' اس کے بس خاموشی سے دیکھنے پر وہ مزید پریشان ہو کر بولے تھے۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔ اس کے مدھم لہجے پر وہ کچھ چونکے تھے' چند لمحوں تک خاموشی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ بولے تو لہجہ مکمل سپاٹ تھا۔

''مجھے اندازہ ہے تم کیا کہنا چاہتے ہو' مگر کچھ بھی سننے سے پہلے میں صرف تم سے یہی کہوں گا کہ مجھ سے اس چیز کی توقع مت کرو جو آگے چل کر تمہارے لئے بھی زندگی کو دشوار کر ڈالے' میں دشمن نہیں ہوں تمہارا' تم جو چاہے مجھ سے مانگ لو مگر ایسا کچھ مت چاہو اپنے لئے کہ تم خود اذیت میں مبتلا ہو جاؤ' اور تم جانتے ہو کہ میں تمہاری ذرا سی بھی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا ہوں' تمہارے لئے بہتر ہے کہ اپنے دل و دماغ سے وہ سب کچھ نکال باہر کرو جو صرف اور صرف ایک خبط ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں''۔ ان کے سخت اور قطعی لہجے پر وہ بہت چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں سکا تھا' سارے لفظ اندر ہی اندر سر پٹختے رہ گئے تھے۔

''بہت رات ہو چکی ہے جاؤ جا کر سو جاؤ''۔ اس کے چہرے سے نظر ہٹاتے ہوئے وہ بولے تھے جبکہ وہ ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی تیز قدموں کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا اور وہ وہیں کھڑے گزری باتوں کو سوچنے لگے تھے جو بہت تلخ تھیں۔

(جاری ہے)

حنا مقبول

ناولٹ

محبت ایسی بھی ہوتی ہے

"ہیلو! اسلام علیکم"۔ فون اٹینڈ کرتے ہی ہادیہ نے کہا۔
"وعلیکم اسلام! کتنی بار کہا ہے کہ جو فون کرے اسے سلام لینے دیا کرو منہ پھاڑ کے سلام لینے بیٹھ جاتی ہو"۔ دوسری طرف سے سلام کے جواب کے فوراً بعد کہا گیا



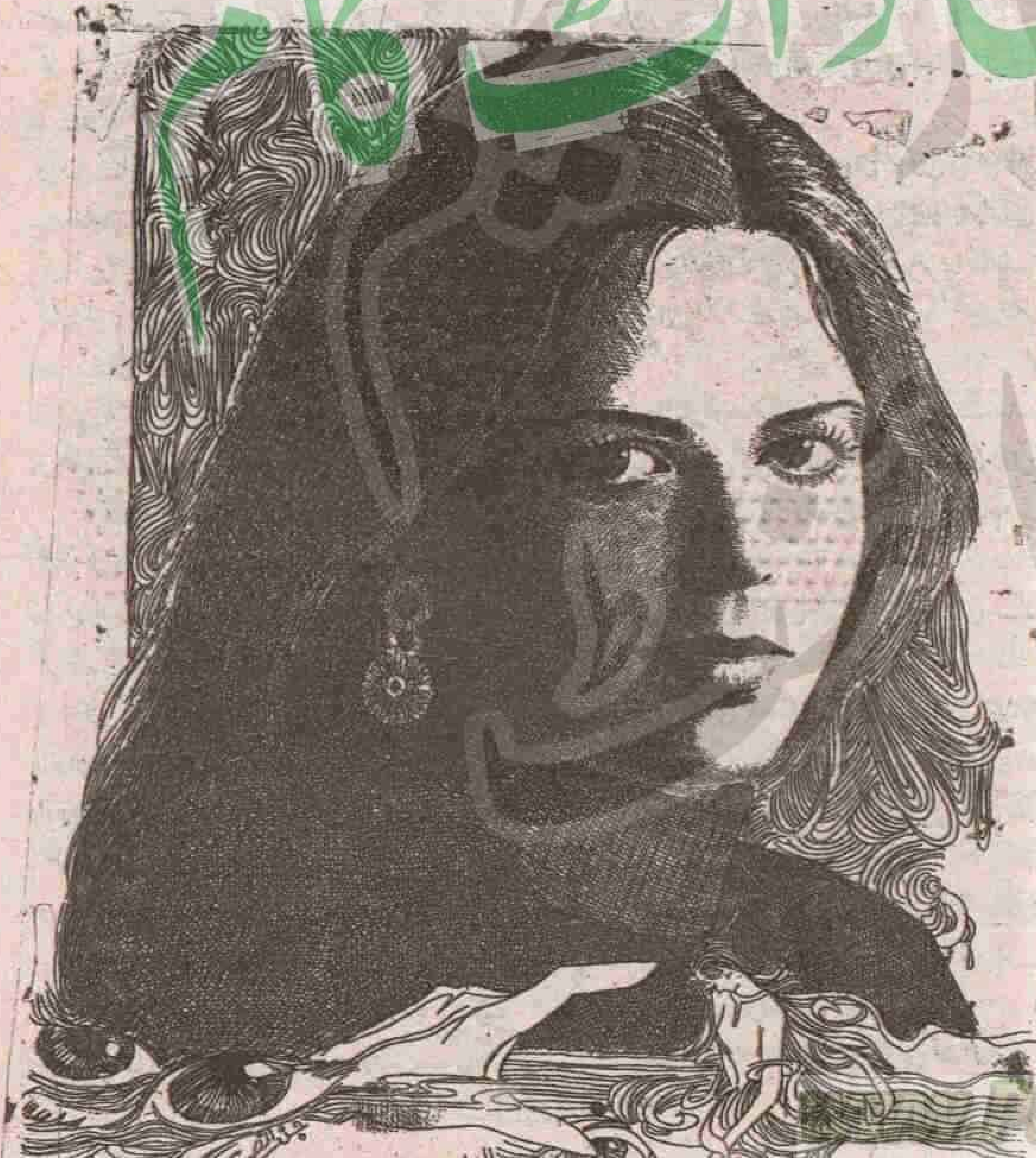
اور ہادیہ کے تو سر پر لگی تلووں پر بجھی۔
"کاشان! تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ میرے منہ نہ لگا کرو لومڑ"۔
"اچھا لومڑی صاحبہ"۔
"بدتمیز...... سمجھتا کیا ہے خود کو"۔ اور دوسری طرف کا پیغام سنے بغیر ہی فون پٹخ دیا گیا۔



حیدر ولا بہت ہی خوبصورت تھا' سرخ بجری کی بیرونی خوبصورت روش کے دونوں طرف خوبصورت کٹائی والے گھنے درخت تھے' روش کے بالکل سامنے اسکن اینڈ ریڈ کلر کے کمبی نیشن کا خوبصورت سا گیٹ تھا' گیٹ کی اندرونی طرف بھی اسی طرح کی خوبصورت روش تھی اور روش کے دونوں طرف ہرے بھرے خوبصورت لان تھے' روش کے بالکل سامنے گھر کی عمارت تھی پوری عمارت خوبصورت پتھروں اور زبردست کلر کمبی نیشن سے بجی ہوئی تھی' غرض ہر چیز گھر کے مکینوں کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھی۔



خلیل حیدر کی شادی ان کے والد کے دوست کی بیٹی ریحانہ بیگم سے ہوئی تھی' ریحانہ بیگم ہر طرح سے اچھی



بیوی ثابت ہوئی تھیں‘ خلیل حیدر اپنی ازدواجی زندگی سے بہت مطمئن تھے‘ خلیل حیدر کے دو ہی بیٹے سلیمان حیدر اور عثمان حیدر تھے‘ خلیل حیدر نے ان دونوں کی شادیاں اپنی زندگی میں ہی کر دیں‘ گھر میں بچوں کو کھیلتا دیکھتے تو خوشی سے پھولے نہ سماتے‘ لیکن وہ یہ خوشیاں زیادہ دیر نہ دیکھ سکے کہ خالق حقیقی کو پیارے ہو گئے۔

خلیل حیدر کے بڑے بیٹے سلیمان حیدر کی شادی ان کی دور پرے کے رشتہ داروں میں سلمٰی بیگم سے ہوئی‘ ان کی دو اولادیں ہادیہ حیدر اور حیدر خلیل تھے‘ حیدر بڑے تھے اور میکینکل انجینئرنگ کے بعد اپنے والد اور چچا کا بزنس سنبھالے ہوئے تھے‘ ہادیہ اپنا Msc مکمل کرنے کے بعد گھر داری سیکھ رہی تھی‘ ارادہ تو اس کا بھی بزنس فیلڈ میں جانے کا تھا لیکن کاشان حیدر (چچا زاد) نے ایسی مخالفت کی کہ اسے اپنا ارادہ بدلنا پڑا اور تب سے اسے کاشان حیدر سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا‘ صلح تو ان میں پہلے بھی کبھی نہ تھی لیکن اس واقعے کے بعد حالات مزید برے ہو گئے‘ خلیل حیدر کے چھوٹے بیٹے عثمان حیدر کی شادی ان کی پسند سے ان کی خالہ زاد سے ہوئی تھی ان کی بھی دو ہی اولادیں کاشان حیدر اور فیضان حیدر تھے‘ کاشان حیدر کی ماں شکیلہ بیگم ہادیہ سے بہت پیار کرتی تھیں۔

کاشان حیدر بھی اپنے کزن کی طرح میکینکل انجینئرنگ کے بعد کوئٹہ میں اپنا بزنس اسٹارٹ کر چکا تھا‘ فیضان حیدر ایف ایس سی کے ایگزامز کے بعد آج کل فارغ تھا‘ گھر میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے سبھی اپنا کام اس سے ہی نکلواتے‘ حیدر اور کاشان کی دوستی خاندان بھر میں مثالی سمجھی جاتی تھی‘ ہر کوئی ان کی دوستی کی داد دیتا تھا‘ سلمٰی بیگم اور شکیلہ بیگم نے ہادیہ کی پرورش بالکل گھریلو لڑکیوں کی طرح کی‘ شکیلہ بیگم کی کوئی بیٹی نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہادیہ کو ہی اپنی بیٹی مانتی تھیں۔

☆

’’ایک تو گھر میں اکیلی لڑکی ہونا بھی گناہ ہے‘ جیسے میں نے لڑکی ہو کر کوئی جرم کر لیا ہو‘‘۔ ہادیہ سب کی نکل اتار کر بتانے لگی۔

’’ہادیہ پلیز...... بہنا نہیں ہو میرے شوز پالش کر دو...... اچھا حیدر بھائی کرتی ہوں‘‘۔

’’ہادیہ...... پاپا کے کپڑے کہاں ہیں...... آئی ماما۔

ہادیہ آپی پلیز...... میرے دوست آرہے ہیں ان کے لئے زبردست سا لنچ تو تیار کر دیں‘‘۔ وہ منہ بناتے ہوئے نان اسٹاپ بولے جا رہی تھی اور شکیلہ بیگم اپنے بال بناتے ہوئے اس کے انداز پر اندر ہی اندر مسکرانے لگیں۔

’’ایک تو چچی جان کو بھی میرا خیال نہیں آیا کہ اس لومڑ کاشان کی جگہ کسی پیاری سی اپیا کو ہی جنم دے لیتیں‘‘۔

’’کیا کہا؟‘‘ کاشان جو ابھی ابھی آیا تھا اس کی بات سن کر بولنے لگا۔

’’ہاں تو ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں‘ تم کون سی کسی کام کے ہو ہائے میں مر گئی‘‘۔ کاشان نے اپنا جوتا اتار کر اتنی زور سے مارا کہ اس نے چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔

’’کاشان اگر اسے کچھ ہو جاتا تو......‘‘ شکیلہ بیگم بولیں۔

’’وہ ماما! میں تو......‘‘

’’کیا ماما ماما لگا رکھی ہے جاؤ جا کر میرے لئے جوس لے کر آؤ‘ دیکھو تو کتنے آنسو ضائع ہو گئے ہیں‘‘۔ ہادیہ روتے ہوئے کہنے لگی۔

’’جاؤ کاشان! جوس لے کر آؤ اس کے لئے‘‘۔ شکیلہ بیگم نے کہا۔

’’تمہیں تو میں بعد میں دیکھوں گا‘‘۔ وہ کہتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا‘ لیکن وہاں جاتے ہی حیران رہ گیا‘ فریج میں جوس سرے سے موجود ہی نہیں تھا‘ مطلب جوس خود بنانا پڑے گا‘ وہ بڑبڑایا۔

وہ جوس لے کر آیا تو ہادیہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا ہی تھا کہ ہادیہ بھاگتی ہوئی آئی اور جوس جھپٹ کر پینے لگی۔

’’تھینک یو کاشان!‘‘ کاشان حیران کھڑا دیکھ رہا

تھا کہ اس کے کون سے پاؤں پر چوٹ لگی ہے۔

’’ہائی داوے ہادیہ حیدر......! آپ کے کون سے پاؤں پر چوٹ آئی ہے؟‘‘ وہ چور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

’’وہ رائٹ والے پر نہیں شاید لیفٹ والے پر‘‘۔

’’ہائے کاشان پلیز......! میرے بال چھوڑو‘‘۔ کاشان نے اس کے بال اپنی مٹھی میں لے رکھے تھے۔

’’مجھے پاگل بنا کر جوس بنوا لیا اور خود یہاں آرام فرما رہی ہو‘‘۔

’’وہ کیا ہے نہ کاشان! میرا جوس پینے کو دل کر رہا تھا اور فریج میں جوس تھا نہیں اور بنانے کا میرا موڈ نہیں تھا‘ سوری...... اب معاف کر دو‘ قسم لے لو دوبارہ ایسا نہیں کروں گی‘‘۔

’’اچھا اور جو میں اتنی دور سے آیا ہوں وہ‘‘۔

’’اچھا پلیز...... اب کہا نا کہ سوری......‘‘

’’او کے......‘‘ وہ مسکراتے ہوئے باہر چلا گیا۔

☆

’’ہادیہ! فاؤل ہے‘‘۔ سبھی بچے باہر باغ والی روش پر کھیل رہے تھے‘ جب ہادیہ نے چیٹنگ کرتے ہوئے کاشان کو آؤٹ کر دیا تھا۔

’’بس بس اب بیٹ مجھے دو‘‘۔ ہادیہ نے کہا۔ لائٹ بے بی پنک کلر کے نفیس سے ہم رنگ دھاگے کی کڑھائی والے سوٹ میں کمر پر دوپٹہ باندھے‘ سر پر ہیلمٹ لئے وہ بالکل معصوم سی بچی ہی تو لگ رہی تھی‘ کاشان اس کے روپ سے نظریں چراتے ہوئے ہار مان گیا اور بیٹ ہادیہ کو دے دیا‘ لیکن بال کرواتے وقت بال اتنی تیز تھی کہ ہادیہ کے ماتھے پر لگی اور وہاں بڑا سا گومڑ کا نشان چھوڑ گئی۔

’’ہائے اللہ جی...... میں مر گئی‘ اوئی میری ماں......‘‘ وہ زمین پر بیٹھ کر باقاعدہ دہائیاں دینے لگی۔

’’اب تو گئے کام سے کاشی بھائی! آپ......‘‘ فیضان کہتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ کر اطلاع کرنے ہی والا تھا کہ حیدر نے پیچھے سے پکڑ لیا۔

’’اوئے فساد کی جڑ‘ اخباری نمائندے تو کہاں جا رہا ہے؟‘‘

’’وہ میں حیدر بھائی‘‘۔ وہ منمنانے لگا۔

’’پلیز ہادی! میں نے جان بوجھ کر تھوڑی ماری تھی وہ تو بس خود ہی لگ گئی‘‘۔

’’اچھا پلیز سوری...... چلو تمہیں آئس کریم کھلا کر لاتا ہوں‘‘۔ کاشان منتیں کرتے ہوئے کہنے لگا۔

’’چلو ہادی! اب معاف بھی کر دو بے چارے کو‘ دیکھو تو کتنی بری بری شکلیں بنا رہا ہے کہ مجھے ترس آنے لگ گیا ہے‘‘۔ حیدر نے کاشان کو چڑاتے ہوئے کہا۔

’’حیدر...... تم تو......‘‘ کاشان نے اسے مکا دکھایا۔

’’اچھا اب چلو بھی شام ہونے والی ہے‘‘۔ ہادیہ نے کہا اور وہ تینوں اپنی ہنسی روکنے لگے۔ آئس کریم بار پر گاڑی روک کر وہ لوگ آئس کریم کھانے لگے کہ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

’’اس کاشان کو سبق نہ سکھا دیا تو میرا نام بھی ہادیہ حیدر نہیں‘ کتنا برا لگ رہا ہے سوجا ہوا ماتھا‘‘۔ گاڑی کے شیشے میں اپنا ماتھا دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ہادیہ......! میری بچی یہ کیا ہوا؟‘‘ شکیلہ بیگم جو کچن سے نکل رہی تھیں بھاگتی ہوئی آئیں۔

’’ہائے بابا...... ہائے ماما...... ہائے چاچو جی...... میں مر گئی‘‘۔ وہ نئے سرے سے ایک بار پھر شروع ہو گئی۔

’’چلو جی...... اور کر لو بات اتنا پیسہ بھی لگایا اور کسی کام بھی نہ آیا‘‘۔ کاشان کہتے ہوئے نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

’’چچی جان......! اس لومڑ سے پوچھیں ذرا‘‘۔

’’ہادیہ! تمیز سے بات کیا کرو بڑا ہے وہ تم سے‘‘۔ سلمٰی بیگم غصے سے بولیں۔

’’بڑا ہے...... بڑے ایسے ہوتے ہیں ہائے میں مر گئی‘‘۔

’’آپی...... آپ کو درد ہو رہا ہے؟‘‘ فیضان نے

پوچھا۔

"ہاں......" ہادیہ نے سر ہلایا۔

"پھر بھی آپ کتنا بول لیتی ہیں"۔ وہ معصومیت سے کہنے لگا۔

"تم تو رکو ذرا"۔ ہادیہ اس کے پیچھے بھاگنے لگی پیچھے سے ان لوگوں کے قہقہے شروع ہو گئے۔

☆

"چاچو......! یہ آپ کی گرما گرم چائے" سلمیٰ بیگم اور شکیلہ بیگم شام کے کھانے کا بندوبست کر رہی تھیں اور حیدر والد اور چچا کو اپنی نئی ڈیل کے بارے میں بتا رہا تھا کہ کاشان شور مچاتے ہوئے اپنے کمرے سے برآمد ہوا۔

"کاشی...... یہ میری نئی شرٹس کو کیا ہو گیا ہے؟" کاشان کی ساری نئی شرٹس جو وہ کل ہی خرید کر لایا تھا ان سب پر کالا تیل لگا ہوا تھا' ہادیہ اپنی ہنسی چھپاتی ہوئی حیران ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔

"ہائے کاشی...... یہ کیسے ہوا؟"

"تمہیں تو میں بتاتا ہوں"۔ وہ کہتا ہوا اس کے پیچھے بھاگا۔

"کاشی! اس کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟" عثمان صاحب نے کہا۔

"اس چڑیل' لومڑی کے علاوہ یہ کام کوئی اور کر ہی نہیں سکتا"۔

"تم بتاؤ اخباری نمائندے...... جلدی بتاؤ ورنہ میرے ہاتھوں سے ضائع ہو جاؤ گے"۔ وہ اسے چھوڑ کر فیضان کے پیچھے ہولیا۔

"وہ قسم لے لیں کاشان بھائی......! میں نے صرف آپی کو تیل لا کر دیا تھا"۔

"کیا......؟" سب کے منہ کھل گئے' جبکہ عثمان صاحب اور شکیلہ بیگم ہنسنے لگے۔

"تم ایک دفعہ بابا لوگوں کو جانے دو پھر میں تمہیں بتاتا ہوں"۔

"اوں اوں"۔ وہ کانوں میں انگوٹھے دے کر اسے منہ چڑانے لگی۔

☆

"ہادی پلیز...... میری پیاری کزن......" کاشان اس کے کمرے میں آیا۔ وہ جو ہاتھوں میں مہندی لگا رہی تھی حیران ہو کر کہنے لگی۔

"لگتا ہے کوئی کام ہے جناب کو"۔

"نہیں تو ہادی...... تمہارے ہاتھوں پر مہندی کتنی پیاری لگ رہی ہے"۔ وہ محبت سے بھرپور لہجے میں کہنے لگا۔

"کاشی...... آر یو اوکے؟"

"ہاں' ہاں"۔ وہ جیسے سکتے سے باہر آیا۔

"ہاں وہ ہادی پلیز...... دو کپ چائے بنا دو' میرے دوست آئے ہیں"۔ وہ منہ پھیر کر فوراً سے پیشتر اس کے کمرے سے نکل گیا۔

"یہ اسے آج کیا ہوا ہے؟" وہ اپنے ہاتھوں کو حیرانگی سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

"ویسے ہاتھ تو میرے واقعی پیارے لگ رہے ہیں"۔ وہ شرمانے لگی اور کچن کی جانب چل پڑی۔

"ہادیہ! منیب آ رہا ہے کھانے میں اچھا سا بندوبست کر لینا بیٹا"۔

"اوکے ماما"۔

"ہائے تائی ماما"۔

"کہاں سے آ رہے ہو بیٹا؟" سلمیٰ بیگم نے پوچھا۔

"ایک دوست کی طرف گیا تھا' آپ بتائیں یہ منیب صاحب کون ہیں؟"

"یہ میرا بھانجا ہے ہادیہ کی خالہ سفینہ کا بیٹا' کچھ دن پہلے ہی سعودی عرب سے آیا ہے آج مجھ سے ملنے آ رہا ہے"۔

"ہوں......" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"تم نے دیکھا ہوا ہے منیب کو......؟" سلمیٰ بیگم کے جاتے ہی کاشان نے ہادیہ سے پوچھا۔

"ہاں جب یہاں تھے تو ایک دو بار ملی ہوں' کافی

ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہیں ویسے تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"نہیں کچھ نہیں"۔ وہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"ارے کھانا تو کھا لو"۔ وہ پیچھے سے آواز دیتی رہ گئی مگر وہ ان سنی کر گیا۔

"اسے پتہ نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے؟" وہ سوچنے لگی۔

☆

"ہائے منیب بھائی! کیسے ہیں؟"

"آئی ایم اوکے...... اینڈ یو؟"

"آئی ایم آلسو فائن"

"ہادیہ......! تم تو بہت پیاری نکل آئی ہو"۔

کاشان جو منیب کو ملنے کے بعد بظاہر لاتعلق بنا اپنے موبائل سے کھیل رہا تھا' اچانک ہادیہ کی طرف دیکھنے لگا' ریڈ اینڈ بلیک ریشمی سوٹ جس کے قمیص پر بلیک دھاگے سے ہلکے ہلکے موتی لگے ہوئے تھے' ہاف سلیوز سے دودھیا بازو جھانک رہے تھے' گلے میں دوپٹہ ڈالے بالوں کو کیچر میں بند کئے' کانوں میں ہلکے ہلکے گولڈ کے ٹاپس ڈالے اپنے حسن سے بے نیاز وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی' جس نظروں سے منیب اسے دیکھ رہا تھا' کاشان کو اتنا ہی ہادیہ پر غصہ آ رہا تھا۔

"ہادی......! آئی تھنک تمہیں تائی ماما بلا رہی ہیں"۔ وہ کسی بھی طریقے سے ہادیہ کو وہاں سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔

"لیکن مجھے تو آواز نہیں آئی"۔

"میں نے کہا نا...... کیا میں جھوٹ اور بکواس کر رہا ہوں"۔ اچانک ہی وہ غصہ کرنے لگا۔

"اوکے جا رہی ہوں"۔ وہ جانے کے لئے اٹھنے لگی۔

"میں ابھی آئی منیب بھائی"۔ وہ کہتے ہوئے چل گئی۔

"ایکسکیوز می"۔ وہ کہتا ہوا اس کے پیچھے ہی اوپر آ گیا۔

"جب میں نے تمہیں وہاں سے اٹھنے کو کہا تو تم وہاں سے اٹھی کیوں نہیں"۔ زور سے اس کے بازو کو جھٹکا دے کر بولا۔

"کیوں؟ جس طرح تم میرے کزن ہو وہ بھی میرا کزن ہے' تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے اور ویسے بھی وہ مہمان آئے ہوئے ہیں تو انہیں میں کمپنی نہیں دوں گی تو کون دے گا"۔

"ہادی پلیز...... سمجھنے کی کوشش کرو' وہ لڑکا ٹھیک نہیں ہے"۔

"اچھا جی...... تم تو ویسے ہی جیلس ہوتے رہتے ہو"۔ وہ کہتے ہوئے بیڈشیٹ درست کرنے لگی۔

"تم......" وہ غصے سے کمرے ہی سے نکل گیا۔

☆

"چچی جان......! کاشی کہاں ہے؟"

"فیضان سے پوچھو بیٹا"۔

"فیضان......! کاشی کہاں ہے؟" وہ اس کے کمرے میں آ کر پوچھنے لگی۔

"وہ تو چلے گئے"۔ جواب ملا۔

"کہاں؟ کہاں؟ کہاں؟ مجھے تو بتایا نہیں"۔

"واپس چلے گئے ہیں کسی کو بھی نہیں بتایا' غصے میں تھے کہہ رہے تھے وہاں پہنچ کر سب کو بتا دوں گا"۔

☆

"یس کم ان"۔ دروازہ بجنے کی آواز پر اس نے کہا۔

"ہائے ہادی......!" وہ اندر چلا آیا۔

"منیب بھائی...... آپ اس وقت رات کے نو بجے خیر تو تھی' اگر کچھ چاہئے تھا تو مجھے بتا دیتے"۔ وہ اچانک حیران ہوئی۔

"آپ مجھے بتا دیں اور اپنے کمرے میں چلیں میں آپ کو بھیج دیتی ہوں"۔

"اوکے تو پرامس کرو"۔

"کیا مطلب......؟" ہادیہ کو کچھ غلط کا الارم سنائی دینے لگا۔

"ہادیہ......! میں جب سے آیا ہوں مجھے تمہاری معصومیت بہت اٹریکٹ کر گئی ہے' میں جانتا ہوں کہ تم

میری کزن ہو تم سے یہ سب کہنا صحیح نہیں لیکن کیا کروں میں خود کو روک ہی نہیں پایا' میرا دل کرتا ہے کہ میں تمہیں دیکھتا رہوں' تمہیں چھو کر محسوس کروں' وعدہ کرو کہ آج رات تم میرے......"

"چٹاخ"۔ وہ جو آنکھیں پھاڑے حیرانگی سے اسے سن رہی تھی' پوری قوت سے اپنے ہاتھ کا نشان اس کے منہ پر چھوڑ گئی۔

"دفعہ ہو جائیں ورنہ میں سارے گھر والوں کو آپ کی کرتوتوں کے بارے میں ابھی بتا دوں گی"۔

"تمہیں تو میں دیکھ لوں گا"۔ وہ کہتا ہوا نکل گیا' اور وہ دروازہ بند کر کے رونے لگی۔

"آئی ایم سوری کاشان' ریئلی سوری......" وہ خود کلامی کرنے لگی۔

☆

ہیلو......ٹون جانے پر دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ہیلو اسلام علیکم"۔ ہادیہ نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں کہو...... اتنی رات گئے کیوں کیا ہے فون؟" دوسری طرف سے جواب دیئے بغیر کہا گیا۔

"سلام کا جواب تو دے دو"۔ ہادیہ نے کہا۔

"تم سے مطلب؟ جلدی بتاؤ کیا کہنا ہے' میرے پاس اتنا فضول وقت نہیں ہے' جو ضائع کرتا پھروں"۔

"کاشان سوری......"

"کیا......؟" وہ حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

"ہاں پلیز ریئلی سوری...... میں نے تمہارے ساتھ بہت بدتمیزی کی"۔ وہ کہہ کر رونے لگی۔ "بری ہوں میں بہت۔"

"ہادیہ......! تم رو رہی ہو' ارے میں ناراض نہیں ہوں' اچھا پلیز چپ کرو یار! مجھے تو چپ بھی کروانا نہیں آتا"۔

"کاشی ...... میں بری ہوں ناں مجھے سزا ملنی چاہئے"۔

"ہاں تم واقعی بہت بری ہو' جو اس وقت رو رہی ہو' پلیز اب رونا نہیں تمہارے آنسوؤں سے مجھے تکلیف ہوتی ہے' جاؤ معاف کیا' کیا یاد کرو گی۔" وہ بولا۔

"ہاں سزا ضرور دوں گا لیکن ابھی نہیں"۔ وہ اسے ستانے لگا۔

"کیا مطلب؟" ہادیہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

"اب تمہیں مطلب بھی سمجھاؤں لومڑی"۔

"کیا؟ بدتمیز لومڑ' دفعہ دور"۔ کہنے کے ساتھ ہی لائن کاٹ دی گئی اور دوسری طرف کاشان زندگی سے بھرپور قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

☆

"نیب......! تم کچھ دن رک جاتے تو......"

"نہیں خالہ جانی! پھر کبھی آؤں گا"۔

"ماما! میری طبیعت ٹھیک نہیں آپ میری طرف سے اللہ حافظ کہہ دیجئے گا"۔ وہ طبیعت خراب کا بہانہ بنا گئی اور نیب' خالہ سے اجازت لے کر چلا گیا۔

کاشان اور ہادیہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم تھے چاہے ان کی جتنی بھی لڑائی کیوں نہ ہو جاتی لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ شعور کی سیڑھی پر پہلا قدم پڑتے ہی ہادیہ کاشان کے لئے بہت اہم تھی' وہ پیاری سی گول مٹول سی گلابی رنگت والی گڑیا اسے بہت اٹریکٹ کرتی تھی' کاشان ہادیہ کو دیکھ کر جیتا اور ہادیہ' کاشان کی خوشی کے لئے ہر کام کرتی۔

☆

"چاچو......! آپ کی چائے"۔ آج عثمان صاحب باہر نہ آئے تو وہ چائے ان کے کمرے میں لے آئی۔

"ارے چاچو...... اب اٹھ بھی جائیں اور ویسے بھی آج موسم اتنا پیارا ہے کہ......" وہ اپنی دھن میں بولتی ہوئی واپس پلٹنے لگی کہ اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

"چاچو...... چاچو"۔ وہ زور زور سے چلانے لگی۔

"حیدر بھائی......! دیکھیں تو چاچو کو کیا ہوا ہے؟" وہ بری طرح گھبرا گئی۔

"حیدر بیٹا......! جلدی کرو گاڑی نکالو عثمان کو

ہاسپٹل لے جانا پڑے گا"۔

☆☆☆☆

"ہیلو......" ریسیور اٹھاتے ہی کاشان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"ہائے...... کیسے ہو؟"

"ہادیہ......! آر یو اوکے"۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں"۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟ گھر میں سب ٹھیک تو ہے نا"۔ وہ اس کے رونے سے پریشان ہوا۔

"ہادی......! کیا ہوا؟ ایسے کیوں رو رہی ہو"۔ کاشان کے کانوں میں کچھ غلط ہے کا الارم بجنے لگا۔

"ہادی پلیز...... ریلیکس ہو کر مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

"کاشی وہ...... چاچو کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے"۔ وہ اٹک اٹک کر بتانے لگی۔

"کیا......؟" دوسری طرف کاشان کے پاؤں سے زمین نکل گئی' اور وہ مزید رونے لگی۔

"اچھا تم رو نہیں' میں پہلی فلائٹ سے ہی واپس آ رہا ہوں' تم پریشان نہ ہو' میں بس آ رہا ہوں اور باقی لوگ کہاں ہیں؟" وہ پریشانی میں پوچھنے لگا۔

"سبھی ہاسپٹل گئے ہیں"۔

"اوکے تم رو نہیں' تم دعا کرو' میں آ رہا ہوں' اوکے بائے"۔

☆

عثمان صاحب کو دو دن ہاسپٹل کے آئی سی یو میں رکھا گیا' جس دن عثمان صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا کاشان اسی رات واپس سیدھا ہاسپٹل آ گیا۔

"کاشان......! ہادیہ گھر میں اکیلی ہے' تم اس کے پاس جاؤ اور آرام کرو جا کے تھکے ہوئے آئے ہو"۔

"نہیں تایا بابا......! میں ٹھیک ہوں"۔

"تمہارے تایا ٹھیک کہہ رہے ہیں جان! آپ جا کے آرام کرو"۔

"پر تائی ماما"۔

"میں نے کہا نا"۔ سلمیٰ بیگم نے کوئی بہانہ نہ سنا۔

حیدر سے گاڑی کی چابی لے کر وہ گھر آ گیا' رات ساڑھے گیارہ کا ٹائم تھا' آہستہ سے ٹی وی لاؤنج کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا ہی تھا کہ حیران رہ گیا' ہادیہ جائے نماز پر بیٹھی رو رو کر دعا کر رہی تھی۔

"کاشان......!" وہ تقریباً دوڑتی ہوئی اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔

"کاشان...... چاچو"۔

"پاگل کچھ نہیں ہوا بابا جانی کو...... میں وہیں سے آ رہا ہوں' چلو پہلے منہ ہاتھ دھو کر آؤ پھر میرے لئے کھانا لے کر آؤ یار! بہت بھوک لگ رہی ہے"۔ وہ اس کو نارمل کرتے ہوئے کہنے لگا' سوجی ہوئی آنکھیں اس بات کا اشارہ کر رہی تھیں کہ وہ صبح سے رو رہی ہے۔

"کاش اللہ میاں......" اس وقت کاشان نے بہت دل سے دعا کی۔

"کاشان......! کھانا"۔ اس نے اس کا کندھا ہلایا' وہ جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا چونک گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"ہاں...... نہیں کچھ نہیں' ویسے یار ہادیہ......! آج جب تم میرے گلے لگی تھی تو میں نے سوچا کاش کہ تم......"

"بدتمیز......" وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"یہ میں بے اختیاری میں کیا کر گئی"۔ وہ اپنی منتشر ہوتی سانسوں کو روکتے ہوئے سوچنے لگی۔

☆

"عثمان اٹھو یار...... یہ کیا بیمار بن کر لیٹ گئے ہو"۔ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے سلیمان صاحب نے کہا۔

"اور کیا عثمان......! یہ بھی کوئی عمر ہے بیمار بننے کی"۔ ڈاکٹر زیدی جو سلیمان صاحب کے دوست تھے کہنے لگے۔

''بالکل بابا......! زیدی انکل بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں''۔ فیضی قریب بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''چلیں انکل...... ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں''۔ زیدی صاحب کی بیٹی کاشفہ جو عثمان صاحب کو ملنے آئی ہوئی تھی چلنے کو تیار ہوئی۔

''بھئی ہماری بیٹی کو تو پروقت تم لوگوں کے گھر جانے کا شوق چڑھا رہتا ہے پتہ نہیں تم لوگوں نے اس پر کیا جادو کر دیا ہے''۔

''آپ کو ہمیشہ کے لئے اپنے گھر میں نہ لے جائیں......'' حیدر نے کاشفہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''اوئے شرم کرو' اس کا بھائی پاس کھڑا ہے''۔ کاشان نے حیدر کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

''اچھا بیٹا...... تم لوگ میرے گھر جانے کا بندوبست کرو''۔

''بھائی صاحب...... آپ رکئے انہیں جانے دیں' مجھے آپ سے بات کرنی ہے''۔ عثمان صاحب نے سلیمان صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھائی صاحب......! میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں......''

''پلیز عثمان! یہ کیسی باتیں کر رہے ہو''۔ سلیمان صاحب نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''بھائی صاحب میں چاہتا ہوں آپ کاشان کو اپنا بیٹا بنا لیں' پلیز...... انکار مت کیجئے گا' ہادی میری جان میری بیٹی مجھے دے دیں''۔

''عثمان......! ہادیہ جیسے میری بیٹی ہے ویسے ہی تمہاری بھی بیٹی ہے' تمہیں اسے مجھ سے مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں''۔

''تھینک یو بھائی صاحب......''

ارے واہ......'' کاشان جو گھر جانے کا بتانے آیا تھا خوشی سے جھومنے لگا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے جو بندر کی طرح ناچ رہے ہو''۔ حیدر نے انٹری دی۔

''تم چلو گھر جا کر بتاتا ہوں' مجھے شرم آ رہی ہے''۔ اس نے شرمانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

☆

''ارے چاچو......! آپ نے تو ہماری جان ہی نکال دی تھی''۔ ہادیہ بھاگتی ہوئے عثمان صاحب کے گلے لگ کر رونے لگی۔

''ارے چاچو کی جان...... جب تک آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں تب تک مجھے کچھ ہو ہی نہیں سکتا''۔

''ارے حیدر...... جاؤ بھئی بھاگ کر مٹھائی لے آؤ یار ڈبل ڈبل خوشیاں آئی ہیں گھر میں''۔ سلیمان صاحب بہت خوش تھے۔

''وہ تو میں لے آیا ہوں تایا بابا......'' کاشان اندر داخل ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

''شرم تو نہ آتی ہوگی خود ہی اپنی مٹھائی لاتے ہوئے''۔ حیدر نے کاشان کو شرم دلانے کی کوشش کی۔

''کیا مطلب......؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بننے لگا۔

''اس لومڑ کی مٹھائی کہاں سے ہوئی یہ تو چاچو کی صحت یابی کی خوشی کی ہے''۔ ہادیہ کہنے لگی۔

''مجھے بھی تو دیں''۔ وہ مٹھائی چھیننے لگی۔

''ہاں ہاں آپ نہیں کھائیں گی تو شگون کیسے پورا ہوگا''۔

''کیا مطلب ہے؟'' ہادیہ نا سمجھتے ہوئے کہا۔

''اچھا چھوڑیں آپ مٹھائی کھائیں''۔ فیضی نے کہا۔

''بھوکی' ندیدی کسی اور کے لئے بھی رہنے دیا کرو''۔ کاشان بڑبڑایا۔

''اور یہاں کوئی نہیں ہے''۔ وہ فوراً بولی۔

''کیا......؟ میں اتنی بڑی چیز تمہیں نظر نہیں آ رہا''۔ کاشان چیختے ہوئے بولا۔

''اچھا تو چاچو! کیا لومڑ بھی مٹھائی کھاتے ہیں؟'' وہ مذاق اڑانے لگی۔

''اب تو باز آ جاؤ یار......''

''کیوں کیا اب تمہارے سینگ نکل آئے ہیں''۔

وہ کچھ بھی نا سمجھتے ہوئے بولی۔

''شاید......'' وہ معنی خیزی سے بولا۔

☆

''یار حیدر! آج کاشفہ بھابی کی طرف نہ چلیں''۔

''تم...... تم بچ جاؤ مجھ سے کاشان''۔ وہ حیدر کو ستانے لگا۔

''یار......! اب اس میں' میں نے غلط کیا کہہ دیا ہے''۔

''تمہیں کس نے کہا کہ وہ تمہاری بھابی ہے؟''

''چلو ٹھیک ہے نہیں تو نہ سہی......''

''یہ تم فون کسے کر رہے ہو؟'' کاشان جو فون کرنے لگا تھا' حیدر نے پوچھا۔

''کاشفہ کو......''

''کیوں......؟'' حیدر نے کیوں کو لمبا کیا۔

''وہ اس لئے کہ وہ زیدی انکل کو کہہ کر ہمیں اور شادی کروا لیں''۔

''تم......'' حیدر نے مکا اتنی زور سے مارا کہ وہ اچھل پڑا۔

☆

اندر سلیمان صاحب کے کمرے میں بڑوں کی میٹنگ چل رہی تھی۔

''فیضان......! سنو تو اندر کیا ہو رہا ہے؟'' ہادیہ بے چینی سے ٹہلنے لگی۔

''اندر حیدر کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں''۔ کاشان کمرے سے برآمد ہو کر بتانے لگا۔

''کیا...... سچی'' ہادیہ تو اچھل ہی پڑی۔ حیدر جو بظاہر لاتعلق سا بنا بیٹھا تھا' اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں دیکھتا ہوں ذرا......''

''ارے رہنے دے یار! تمہاری کون سننے والا ہے اب تو بس ہاں ہاں ہاں''۔ کاشان اس کا مذاق اڑانے لگا۔

''دیساں دا راجا میرے بابل دا پیارا''۔ ہادیہ بھی باقاعدہ اس کے گرد گھومنے لگی۔

☆

''حیدر بیٹا......! ہم لوگ تمہاری شادی کے بارے میں سوچ رہے تھے' اگر تمہاری کہیں مرضی ہو تو بتا دو ورنہ ہم لوگوں نے تو زیدی کی بیٹی کے بارے میں سوچا ہے''۔ سلمیٰ بیگم بیٹے کے کمرے میں آ کر پوچھنے لگیں حیدر کی تو بن کہے دل کی مراد بر آئی۔

''ارے چھوڑیں تائی امی! زیدی انکل کی بیٹی بھی کوئی لڑکی ہے''۔ کاشان پتہ نہیں اچانک کہاں سے برآمد ہوا اور معنی خیز نظروں سے حیدر کو دیکھنے لگا۔

''ارے چھوڑیں ماما اسے' آپ لوگوں کی جیسے مرضی ہو ویسے کریں''۔ حیدر نے کاشان کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

''جیتے رہو بیٹا......! ہمیں تم سے یہی امید تھی''۔ سلمیٰ بیگم باہر نکل گئیں۔

''تیری تو......'' سلمیٰ بیگم کے جاتے ہی حیدر نے کشن سے کاشان پر حملہ کر دیا۔

''ارے میں......'' وہ خود کو بچاتے ہوئے خوشی سے اس کے گلے لگ گیا اور دونوں زندگی سے بھرپور قہقہے لگانے لگے۔

☆

شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

''کاشان...... وہ......'' ہادیہ جو اسے مارکیٹ لے جانے کا کہنے آئی تھی اسے نہ پا کر واپس پلٹنے ہی لگی تھی کہ کاشان کے سیل کی بیل ہونے لگی۔

''اٹھاؤں یا نہیں......'' وہ سوچ ہی رہی تھی کہ بیل دوبارہ ہونے لگی۔

''ہیلو...... اسلام علیکم......''

''جی وعلیکم اسلام''۔ ہادیہ لڑکی کی آواز سن کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

''جی کاشان ہیں گھر پر؟'' وہ لڑکی پوچھنے لگی۔

''نہیں وہ گھر نہیں ہیں' آپ میسج دے دیں' میں انہیں دے دوں گی''۔ اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے خوش اخلاقی سے بولی۔

"جی شکریہ...... میں ان سے خود ہی بات کرلوں گی"۔

"آپ کی تعریف؟" ہادیہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"سلویا رحمن......" اس سے پہلے کہ ہادیہ کچھ اور پوچھتی کال کٹ کردی گئی۔

"ایک دفعہ گھر تو آئے یہ گھنا میسنا' سمجھتا کیا ہے خود کو کیسے وہ پوچھ رہی تھی کاشان ہیں جیسے......" وہ غصے سے ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔

☆

"تمہارا فون تھا کاشان" وہ اپنے کمرے میں بیٹھا فائلز دیکھ رہا تھا جب وہ اسے بتانے چلی آئی۔

"کس کا تھا؟" وہ پوچھنے لگا۔

"سلویا کا......" وہ منہ بنا کے بتانے لگی۔

"کیا......؟ تمہیں کیا ضرورت تھی فون اٹینڈ کرنے کی......؟"

"واٹ...... تم مجھے کہہ رہے ہو؟" وہ حیران ہوئی۔

"دیکھو ہادیہ! میں تو جسٹ یہ کہہ رہا ہوں کہ فون کسی کا بھی ہو سکتا تھا' تم خوامخواہ میں غصہ ہو رہی ہو"۔

"اوہ...... ویسے کہاں تک پہنچی ہیں تمہاری رنگینیاں"۔

"دیکھو ہادی! تم......"

"کیا تم...... آج تمہاری چوری پکڑی گئی ہے اس لئے' پتہ نہیں تم نے کیا کیا ہوگا اس کے......" اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

"چٹاخ...... جسٹ شٹ اپ' تمہاری سوچ اتنی گھٹیا ہو سکتی ہے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کیا چوری پکڑی ہے تم نے میری' کون سی رنگینیاں دیکھ لی ہیں تم نے میری' موبائل پر فون کسی کا بھی آسکتا ہے اور میں ایک بزنس مین ہوں' دن میں ہزاروں لڑکیوں سے واسطہ پڑتا ہے میرا تو کیا؟...... میں ہی غلط تھا جو تم سے اچھی امید رکھی"۔ وہ دروازے کو ٹھوکر مارتا ہوا غصے سے باہر نکل گیا' ہادیہ سے تو وہاں سے ہلنا بھی دشوار ہو گیا تھا' کاشان کو اتنے غصے میں اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

☆

"کاشان......! تمہیں چاچو بلا رہے ہیں"۔ وہ کاشان کے کمرے میں عثمان صاحب کا پیغام لے کر آئی تھی کہ کاشان نے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی۔

"سنو تو...... ناراض ہو گیا مجھ سے سوری ہادیہ! دراصل تم نے بات ہی اتنی چھوٹی سوچ کی کی تھی کہ میں اپنے غصے کو کنٹرول نہیں کرسکا' پلیز...... سوری یار اب تم رو کیوں رہی ہو؟"

"آئی ایم سوری کاشان کہ میں نے تمہیں غلط سمجھا' آئی ایم رئیلی سوری"۔

"اچھا...... ٹھیک ہے' اٹس اوکے' اب رونا بند کرو"۔ وہ پھر کمرے سے چلا گیا۔

☆

"حیدر یار! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے' کیا ہمارے ساتھ جانے کے ارادے نہیں ہیں تمہارے؟"

"نہیں یار تم لوگ جاؤ' آج میں اور کاشف اکٹھے شاپنگ پر جارہے ہیں"۔

"اوئے ہوئے"۔ ہادیہ اور فیضان جو اندر داخل ہو رہے تھے ایک ساتھ بولے۔

"چلو یار...... ہمارا کیا ہے' ہم بھی ان کے ساتھ جایا کریں گے"۔ کاشان نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیں لے کر جارہے ہو یا نہیں؟" ہادیہ نے اسے صوفے پر پھیلتے ہوئے دیکھا۔

"جارہا ہوں ہٹلر کی کچھ لگتی"۔ وہ منمنایا۔

"بائے بھیا......! ماما کو انفارم کردیجئے گا کہ ہم چلے گئے ہیں"۔

"ہادیہ...... یار یہ حیدر کی شادی ہے تمہاری نہیں"۔ وہ جو گھنٹے بھر سے انہیں مارکیٹیں گھما رہی تھی تو کاشان نے تھک کر اسے کہا۔

"تم ٹینشن نہیں لو میری بھی ہو ہی جائے گی اور اپنی شادی پر بھی میں تمہارے ساتھ ہی شاپنگ کرنے آؤں گی سمجھے"۔ وہ اسے آنکھیں دکھانے لگی۔

"تو یہ پتہ نہیں کس غریب کے نصیب کے پھوٹے ہوئے ہیں تمہارے ساتھ......" ان دونوں کی نوک جھونک پھر شروع ہوگئی۔

"آپ کے پھوٹ چکے" فیضان نے کاشان کے کان میں گھستے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کیا کھسر پھسر کررہے ہو......" ہادی کو تشویش ہوئی۔

"وہ میں اس اخباری نمائندے کو سمجھا رہا ہوں کہ اگر کوئی غلط بات اس کے منہ سے نکلی تو اس کی بتیسی باہر نکال دوں گا"۔

"سمجھ گیا کاشان بھیا......" کاشان نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اپنے اور ہادیہ کے رشتے کے بارے میں بتانے سے روکا۔

"اچھا آپ لوگ رکیں' میں ذرا اب اپنے جوتوں کے بارے میں پتہ کرکے آیا"۔ فیضان کہتا ہوا چلا گیا۔

"ہادیہ! ایک بات کہوں......؟" وہ اسے بغور دیکھ کر بولا۔

"ہاں کہو......" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم...... تم بہت......" اس نے آنکھوں میں جہاں بسائے ہوئے اسے دیکھا۔ ہادیہ کے ہاتھ پاؤں پر پسینے پھوٹنے لگے' آنکھیں شرم سے جھک گئیں' چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔

"تم بہت بڑی چڑیل ہو......" اس نے جلدی سے کہتے ہوئے گاڑی کی طرف دوڑ لگادی۔

"کاشان......! تم بچو مجھ سے"۔ وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

"شرم کرو مارکیٹ ہے"۔ کاشان نے اسے یاد دلایا۔

"ہائے سویٹ ہارٹ...... تم یہاں......" وہ جو کوئی بھی تھی آتے ہی کاشان کے گلے لگ کر جھوم گئی۔

"یو نو کتنے دن ہو گئے ہیں تم سے ملے ہوئے اور آج کل تو تم میرے گھر بھی آنا بالکل چھوڑ چکے ہو اور کال پر بھی نہیں ملتے ہو' پرسوں بھی جب میں نے کال کی تو کسی لڑکی نے فون اٹھایا میرا تو حلق تک کڑوا ہو گیا"۔

ہادیہ جو حیرانگی اور غصے کے ملے جلے تاثرات لئے کھڑی تھی اس کی بات سے فوراً سمجھ گئی کہ یہ سلویا رحمن ہے۔

"سلویا......"

"کاشان......! میں گاڑی میں ہوں جب فری ہو تو آجانا"۔ وہ جو سلویا سے اس کا تعارف کروانے ہی والا تھا فوراً اس کی بات کاٹ کر بولی اور چلی گئی۔

"تو کاشان! تم نے مجھ سے جھوٹ بولا اور میں بھی کتنی بے وقوف ہوں کہ تمہارے غصے میں آنے کی وجہ سے تمہیں فوراً صحیح سمجھ بیٹھی' میں یہ تو بھول ہی گئی کہ غصہ ہمیشہ سچی بات پر ہی آتا ہے' کاش کہ تم سمجھ سکتے کہ تم ہادیہ حیدر کے لئے کیا اہمیت رکھتے ہو"۔ بے آواز آنسو اس کا چہرہ بھگونے لگے اور وہ گاڑی میں ہی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ گاڑی کا دروازہ کھلنے کی آواز پر جلدی سے اس نے اپنے آنسو صاف کئے لیکن اس کی سرخ ہوتی آنکھیں اس کا راز رکھنے میں ناکام رہیں۔

"ہادیہ!......" وہ اس کی بات کاٹ گئی۔

"پلیز کاشان صاحب......"

"میری بات تو سنو یار"۔

"ہاں کہاں ہو؟ جلدی آؤ گھر جانا ہے"۔ وہ اس کے بات کرنے سے قبل ہی فیضان کو کال ملا چکی تھی۔

"ہائے ایوری باڈی......" فیضان گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

"ارے خیر تو ہے اتنی خاموشی اور وہ بھی آپ دونوں میں؟" اس نے غیر معمولی خاموشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ہادیہ آپی......! آپ پچھلی سیٹ پر کیوں بیٹھ

گئیں؟"

"وہ فیضان.....! بس یاد آ گیا کہ اگر کاشان کی کسی گرل فرینڈ نے مجھے فرنٹ پر بیٹھے دیکھا تو میرے بال کھینچ کر نیچے اتار دے گی"۔ اس نے بات کو مذاق کا روپ دے دیا۔

"آپ رو رہی ہیں؟" فیضان پوچھنے لگا۔

"ارے نہیں وہ تو بھاگتی ہوئی آ رہی تھی کہ آنکھ میں کچھ چلا گیا' کاشان! تم گاڑی چلاؤ گھر چلیں"۔ اس نے آنکھوں میں آئے پانی کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

☆

"یار.....! کچھ لوگ دوسروں سے بڑا جیلس ہوتے ہیں"۔ ہادیہ اور فیضان ٹی وی لاؤنج میں نیچے کارپٹ پر بیٹھے کیرم کھیل رہے تھے جب کاشان نے ہادیہ کو دیکھتے ہوئے حیدر سے کہا۔

"پلیز فیضی..... پھر کھیلیں گے ابھی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں"۔

"یار کاشان..... یہ اپنی ہادیہ بدل نہیں گئی' کہیں تم سے لڑائی تو نہیں ہو گئی"۔ اس کے جاتے ہی حیدر نے کاشان سے کہا۔

"ویسے یہ تو تمہاری کسی بات کا جواب ہی نہیں دے رہی ورنہ تم سے لڑائی ہو اور یہ چپ رہ کر احتجاج کرے یہ ہو ہی نہیں سکتا"۔ حیدر خود ہی سوال کر کے جواب دینے لگا۔

☆

ہادیہ بیٹا..... اٹھ جاؤ' ڈنر تیار ہو گیا ہے"۔ سلمیٰ بیگم اس کے کمرے میں آئیں' کمرے میں ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

"ہادیہ' میری جان"۔ لائٹ آن کرتے ہی اسے بیڈ پر بے سدھ لیٹے دیکھا سلمیٰ بیگم تڑپ ہی پڑیں۔

"فیضان....." وہ زور سے چلانے لگیں۔

"کیا ہوا تائی ماما.....؟" فیضان بھاگتا ہوا آیا سامنے ہی بے سدھ لیٹی ہادیہ کو دیکھ کر اس کی بھی جان نکل گئی۔

"آپی..... آپی..... آنکھیں کھولیں"۔ گھر میں ایکدم کہرام سا مچ گیا۔

"میں گاڑی نکالتا ہوں آپ انہیں لے کر باہر آئیں"۔ وہ جلدی سے باہر بھاگا۔

☆

بلیک سوٹ میں' سوجی سرخ آنکھیں لئے' بکھرے ہوئے بال اس کے دل کے لٹنے کی داستان سنا رہے تھے' کاشان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں' کاشان تڑپ ہی تو گیا۔

"کیا ہوا ہے میری جان کو....." سلیمان صاحب نے بیٹی کا ماتھا چومتے ہوئے کہا وہ چاروں' سلیمان صاحب' عثمان صاحب' حیدر اور کاشان' فیضان کی فون کال پر ایک ساتھ آفس سے نکلے۔

"اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے ہماری بچی نے.....؟" عثمان صاحب بولے۔

"چاچو..... گھر چلیں....." وہ بس اتنا ہی بولی۔

"چلتے ہیں چاچو کی جان"۔

"ہاں بھئی ہادیہ بیٹے..... کیا ہوا ہے آپ کو؟ کس چیز کی ٹینشن لی ہے آپ نے؟" زیدی صاحب اس کی رپورٹس لے کر آئے۔

"تھینک گاڈ کوئی سیریس مسئلہ نہیں ہوا' آپ اسے جلدی لے آئے ورنہ نروس بریک ڈاؤن ہونے کا خدشہ تھا"۔ زیدی صاحب کی بات سن کر کاشان اپنی جگہ چور سا بن گیا پھر وہ اسے اسپتال سے گھر لے آئے۔

"بھائی کی شادی ہو اور بہن بیمار ہو جائے یہ ناخوش ہونے کی نشاندہی کرتا ہے' ہادی.....! اگر تم کہو تو ہم حیدر کی شادی اور کہیں کروا دیتے ہیں"۔ کاشان کی بات پر حیدر نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"اگر اچھا نہیں بول سکتے تو برا بھی نہ بولو"۔

"ارے ہادی..... اس کی بات کا جواب تو دیتی جاؤ"۔ اس کے وہاں سے اٹھتے ہی حیدر نے پکارا' جبکہ

وہ ان سنی کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"کاشان....." وہ جو کسی گہری سوچ میں تھا حیدر کی آواز پر چونک گیا۔

"تم نے کچھ کہا ہے ہادیہ سے؟ میں کچھ دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں کہ ہادیہ چپ سی ہو گئی ہے' کیسی بکھری بکھری لگ رہی ہے' کیسی حالت بنا رکھی ہے اس نے اپنی"۔ وہ مزید کچھ کہتا کہ فون کی بیل ہونے پر وہ کاشان کو ایکسکیوز کرتا ہوا اٹھ گیا۔

☆

"ماما! یہ ڈریس کیسا لگ رہا ہے مجھ پر.....؟" لائٹ بلیو سوٹ پر ریڈ کلر کا نفیس سے کام کیا سوٹ وہ ساتھ لگا کر دکھا رہی تھی۔

"واہ یہ سوٹ تو لگ رہا ہے جیسے میری بہنا ہی کے لئے بنا ہے"۔ حیدر گاڑی کی چابی انگلی میں گھماتے ہوئے اندر داخل ہوا' کاشان جو کف بند کرتا ہوا اپنے کمرے سے نکل رہا تھا دیکھ کر مبہوت سا رہ گیا' ہادیہ اپنا دکھ بھلا کے بھائی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھی۔

☆

"ہادیہ....." دروازہ کھلتے ہی اس کے کانوں میں آواز پڑی کاشان کی آواز پر اس نے جلدی سے اپنے دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کئے۔

"تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ میرے کمرے میں آنے سے پہلے ناک کر لیا کرو"۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی"۔

"ہاں کہو"۔ ہادیہ نے خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

"ناراض ہو مجھ سے؟"

"تم سے؟ نہیں تو' میں کیوں ہونے لگی ناراض"
وہ خود پر ضبط کر کے بولی۔

"اس دن مارکیٹ میں....." وہ فوراً اس کی بات کاٹ گئی۔

"شاید تم کچھ غلط سمجھ رہے ہو کاشان! وہ رونا بس اس لئے تھا کہ تم نے میرے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ مجھے کچھ بتاتے بلکہ الٹا تم نے مجھ سے جھوٹ بولا"۔

"تو کیا.....؟" کاشان اس کے انداز پر حیران رہ گیا۔

"اگر تم سمجھ رہے ہو کہ میں تم میں انٹرسٹڈ ہوں تو تم غلط سوچ رہے ہو اور میرا ٹیسٹ ابھی اتنا خراب نہیں ہوا کہ تم جیسے لومڑ سے شادی کروں"۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اچھا مجھے ماما بلا رہی تھیں"۔ وہ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو چھپاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"کاش..... تم کبھی تو سچ بولو مجھ سے ہادیہ....."

☆

"فیضی! ڈھولک ہی لے آتے تھوڑا شور شرابا تو ہو گھر میں"۔

"اچھا آپی.....! آج شام تک لے کر آؤں گا"۔ فیضان حکم بجالایا۔

"ہادیہ بیٹا! میرے کمرے میں آؤ ذرا مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے"۔ سلمیٰ بیگم اسے بلا کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"او کے ماما! آپ چلیں میں ابھی آئی"۔

"ہاں آجاؤ"۔ دروازہ ناک ہونے پر سلمیٰ بیگم نے کہا۔

"جی ماما....." وہ سلمیٰ بیگم کے پاس بیٹھ گئی۔

"بیٹا! گھر والوں کی خواہش ہے کہ حیدر کی شادی والے دن تمہاری اور کاشان کی انگیجمنٹ بھی کر دی جائے"۔

"واٹ....." ہادیہ اچھل ہی پڑی۔

"ماما! یہ سب جانتے ہوئے بھی کہ ہم ایک ساتھ گزارہ نہیں کر سکتے' آپ کہیں بھی میری شادی کر دیں لیکن کاشان سے نہیں اور ویسے بھی وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے' آپ لوگ اس کی پسند کا خیال رکھیں"۔ سلمیٰ بیگم بہت حیران ہوئیں اس کے انداز پر۔

"پلیز ماما....." وہ کہتی ہوئی اپنے کمرے میں

چلی آئی۔

''آئی ہیٹ یو کاشان...... تم نے میرا دل توڑا ہے' کتنا چاہتی ہوں میں تمہیں' تم کیا جانو' اسی لئے تو پیچھے ہو گئی ہوں کہ تمہاری خواہش پوری ہو سکے' تم خوش رہ سکو' تمہاری خوشی میں ہی میری خوشی ہے''۔

⟡............☆............⟡

''تم...... تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ میرے کمرے میں ناک کر کے آیا کرو''۔ ہادیہ جو دوپٹے سے بے نیاز لیٹی ہوئی تھی' کاشان کے آنے سے اچانک اٹھ بیٹھی، ہادیہ کے روپ سے نظریں چراتے ہوئے وہ بولا۔

''تم نے تائی امی کو کیا جواب دیا ہے؟''

''تم سے مطلب''۔ ہادیہ نے جواب دیا۔

''دیکھو ہادی پلیز......! وہ سب ایک......''

''کیا سب ایک...... کیا نام دو گے؟ یہ کہ سب ایک ڈرامہ تھا یا یہ کہ تم اس میں انوالو نہیں ہو' کیا کہو گے تم اپنی عیاشیوں کے بارے میں' میرا جو دل کرے گا میں وہی کروں گی اور نہیں کرنی مجھے تم سے شادی' جاؤ جا کے گھر والوں کو سلویا کے بارے میں بتا دو' کیوں خود کو مجبوری کی بھینٹ چڑھا رہے ہو' میرے پاس کیوں آئے ہو' میں تو خود ہی تمہارے رستے سے نکل گئی ہوں' اب مجھ سے کیا لینے آئے ہو؟'' وہ دانت رگڑتے ہوئے بولی۔

''اتنا تو تم مان لو کہ تم مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہو' میرے ساتھ کسی اور کو دیکھ کر تم سے برداشت نہیں ہوتا''۔ وہ غصہ ضبط کرتا ہوا بولا۔

''جسٹ شٹ اپ...... محبت اور وہ بھی تم سے''۔

''پلیز ہادیہ! میری ایک بار تو بات سن لو''۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

''پلیز کاشان...... مجھے تمہاری کوئی بھی بات نہیں سننی' پلیز تم جاؤ میرے کمرے سے''۔ اور وہ غصے سے اس کے کمرے سے نکل گیا' اس کے نکلتے ہی ہادیہ نے خود کو بیڈ پر گرا لیا۔

⟡............☆............⟡

''ہادیہ بیٹا...... کل مایوں ہے اور تم ایسے ہی بیٹھی ہوئی ہو' پارلر نہیں جانا تھا تمہیں''۔

''جانا ہے چچی پر وہ فیضان ابھی تھوڑا بزی ہے جیسے ہی فارغ ہوتا ہے میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی''۔

''کاشان بیٹا! تم کہاں جا رہے ہو؟'' کاشان جو جلدی میں سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ شکیلہ بیگم نے پوچھا۔

''میں ذرا ویڈنگ پلیس کی طرف جا رہا ہوں ماما...... تھوڑی چیکنگ کروانی ہے ڈیکوریشن میں''۔

''تو ہادیہ کو بھی ساتھ لیتے جاؤ' اسے پارلر تک چھوڑ دینا''۔

''نہیں چچی......! میں فیضان کے ساتھ چلی جاؤں گی''۔

''جانا ہے تو چلو مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں''۔

''جاؤ بیٹا...... چلی جاؤ اس کے ساتھ''۔ چچی کے کہنے پر وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔

''فرنٹ سیٹ پر بیٹھو ورنہ واپس چلی جاؤ''۔ وہ بیک ڈور کھول کر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔

''اگر چچی اور گھر کے باقی افراد کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی تمہارے ساتھ نہ جاتی''۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ہادیہ نے سوچا۔

''ہادی! تم بہت بدل گئی ہو''۔ وہ کہے بنا نہ رہا۔

''بس...... یہیں اتار دو مجھے''۔ فیملی پارلر پر گاڑی رکواتے ہوئے اس نے کہا۔

''واپس کب لینے آؤں؟''

''تھینکس تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں میں خود چلی جاؤں گی''۔ وہ مزید کچھ کہتا کہ وہ چلی گئی۔

آج مایوں تھی اور گھر میں ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔

''ہادیہ! بیٹا سارے کپڑے تو پریس کر لئے ہیں نا''۔

''جی ماما......! بس کاشی کے رہتے تھے وہ بھی ہو گئے''۔

''ہادیہ......! مجھے بلیک شیروانی نکال دو شام کے لئے''۔ کاشان نے اسے آواز دی۔

''ایک تو یہ لڑکا ناپے گا کسی دن مجھ سے' ہر چیز بے ترتیب ہے' میں نہ ہوں تو پتہ نہیں کیا کرے یہ لومڑ''۔ وہ اپنی دھن میں کہتی ہوئی اس کے کمرے کی حالت درست کر رہی تھی۔

''جب تمہیں پتہ ہے کہ میں تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں تو ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو''۔ وہ جو واش روم سے نکل رہا تھا اسے دیکھ کر واش روم کے دروازے کے ساتھ ہی ٹیک لگا کر رک گیا۔

''زیادہ چھیلنے کی ضرورت نہیں کاشان صاحب''۔

''ارے رے رے رکو تو سہی یار......'' وہ جو واپس جانے لگی تھی کاشان نے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی۔

''ہاتھ چھوڑو میرا''۔

''اچھا غصہ چھوڑو پلیز اور میری بات سنو' اچھا بات نہیں کرو پر یہ لو''۔ اس نے گفٹ پیک پکڑاتے ہوئے کہا۔

''کیوں لوں میں''۔

''جان پلیز''۔

''کیا......؟'' ہادیہ نے کیا کو اتنا لمبا کیا کہ کاشان ڈر کے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''تم...... تم نے جان کس کو بولا......؟''

''وہ اصل میں سلویا کو جان کہتا ہوں نا تو وہ عادت سی ہو گئی ہے''۔

''مرو تم کہیں......'' وہ گفٹ بیڈ پر پھینکتی ہوئی باہر نکل گئی اور پیچھے سے اس کا فلک شگاف قہقہہ برآمد ہوا۔

⟡............☆............⟡

رات کو بھی تیار ہو کر گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے' کاشفہ کی مہندی کا ارینجمنٹ ہوٹل میں کیا گیا تھا۔

''ہادیہ آپی......! جلدی آ جائیں''۔ فیضان نے شور مچایا۔

''جاؤ دفعہ ہو جاؤ مجھے نہیں جانا' پہلے سب نے اپنا کام کروایا اب جلدی جلدی کی رٹ لگا رکھی ہے''۔

اس نے اندر ہی سے آواز لگائی۔

''فیضان......! تم جاؤ میں اسے لے آؤں گا''۔ کاشان نے کہا۔

''اوہ تھینک یو سو مچ بھیا......'' وہ کہتا ہوا تیزی سے باہر بھاگا کہ حیدر باہر گاڑی میں اس کا ویٹ کر رہا تھا۔ بلیک شیروانی پر آف وائٹ اسکارف گلے میں ڈالے بالوں کو خوبصورت اسٹائل دیئے وہ بالکل شہزادہ ہی لگ رہا تھا۔

''چلو فیضان......'' وہ اپنی ہی دھن میں کمرے سے برآمد ہوئی' پنک اور وائٹ لانگ شرٹ جس کی شرٹ پر وائٹ موتیوں کا کام تھا' ٹراؤزر پر بھی پنک موتیوں کا ہلکا سا کام' سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ لئے چہرے پر پنک ہی میک اپ کئے' بالوں او ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے ڈالے' کپڑوں کی ہم رنگ جیولری پہنے وہ کوئی آسمان سے اتری حور ہی لگ رہی تھی' لمحے بھر کو تو وہ پلکیں جھپکنا ہی بھول گیا۔

''سوری وہ تمہارے پوچھے بغیر میں نے تمہاری الماری کو ہاتھ لگایا وہ اصل میں مجھے یہ ڈریس زیادہ اچھی لگی تو میں نے پہن لی۔

''وہ...... وہ فیضان کہاں ہے؟'' وہ اس کی نظروں سے کنفیوژ ہوتے ہوئے بولی۔

''وہ چلا گیا ہے' تمہیں میرے ساتھ جانا ہو گا''۔

''سوری میں تمہارے ساتھ نہیں جا رہی''۔ وہ اپنی دھن میں واپس آتے ہوئے بولی۔

''میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی''۔ وہ باہر کی جانب بڑھی کہ اس نے آگے بڑھ کر اسے اپنی طرف کھینچا ہی تھا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے کاشان کے گلے جا لگی۔

''یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' آواز جیسے اس کے حلق میں ہی پھنس گئی تھی۔

''میں دیکھتا ہوں تم کیسے میرے ساتھ نہیں جاتی ہو''۔ وہ اسے کھینچتا ہوا باہر لے جانے لگا۔

''میرا بازو چھوڑو' آرام سے نہیں چلا سکتے ہو؟''
اس پر کاشان اس کو آنکھیں دکھانے لگا۔
اللہ اللہ کر کے نیچے اتری ہی تھی کہ سامنے ہی فیضان کی شامت اسے کھینچ لائی۔
''تم خبیث انسان...... تمہیں میں نے کہا تھا نا کہ میرا انتظار کرنا' تمہیں تو میں......''
''ارے رے کیا کر رہی ہیں؟'' اچانک پیچھے سے آواز آئی۔
''آپ کی تعریف......؟'' ہادیہ نے پوچھا۔
''آئی ایم ریحان زیدی' مس ہادیہ......''
''اوہ......سوری دراصل مجھے پتہ نہیں تھا''۔
''ویسے آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں''۔ ریحان نے کہا۔
''آخر فیانسی کس کی ہے''۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی کاشان وہاں آ ٹپکا۔
''ایکسکیوزمی''۔ وہ معذرت کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔
''تم سے کس نے کہا کہ میں تمہاری فیانسی ہوں؟'' تپ کر پوچھا گیا۔
''گھر والوں نے''۔ معصومیت سے کہا گیا۔
''تم گھر والوں کو اپنی پسند کے بارے میں بتا کیوں نہیں دیتے ہو''۔ ہادیہ غصے سے بولی۔
''وہ کیا ہے نا کہ گھر والے سارے راضی ہیں تو میں نے کہا کہ کیوں نہ یہ کڑوا گھونٹ پی لیا جائے''۔
''جسٹ شٹ اپ''۔ وہ کہتے ہوئے مڑی۔
''اوکے اوکے......'' وہ ہنستے ہوئے اسے روکنے لگا۔
''مجھے تمہاری قسم یار! سلویا جسٹ میرے بزنس پارٹنر کی لائف پارٹنر ہے اور کچھ بھی نہیں' بس وہ تھوڑی زیادہ فری ہو جاتی ہے''۔
''اوہ......فری مطلب گلے مل لینا اگر تمہارے بس میں ہوتا تو تم......'' وہ تیزی سے بولتے ہوئے رک گئی۔
''ہاں ہاں کہو...... میں......'' وہ دھکا دے کر بھاگ گئی۔

☆

''ہائے جان......! تم یہاں ہو اور میں گھنٹے بھر سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں''۔ ہادیہ نے آتے ہی کاشان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں وہ جو سلویا کے آنے سے پہلے ہی پریشان تھا ہادیہ کے رویئے سے حیران ہو گیا۔
''کاشان......! یہ کون ہیں؟'' سلویا جو پاس کھڑی تھی ہادیہ کی اتنی زیادہ اٹیچمنٹ دیکھ کر پوچھے بنا نہ رہ سکی۔
''او کاشان...... تم نے انہیں بتایا نہیں' چلیں میں آپ کو بتا دیتی ہوں مس سلویا...... میں فیانسی ہوں کاشان کی اور بہت جلد شادی ہونے والی ہے ہماری''۔ وہ معنی خیزی سے کاشان کو دیکھتے ہوئے مسکرائی۔
''سلویا چلو یار......'' ریحان صاحب کی آواز آئی۔
''ایکسکیوزمی''۔ وہ ایکسکیوز کرتے ہوئے چلی گئی۔
''یہ کبھی مت سوچنا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گی سمجھے''۔ اس کی حیران شکل دیکھ کر وہ ہنسنے لگی۔

☆

حیدر کے ولیمے والے دن کاشان اور ہادیہ کا بھی نکاح کر دیا گیا اور پھر رخصتی' سبھی گھر والے خوش تھے کہ اچانک......
''تم...... تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری گڑیا کو ہاتھ لگانے کی؟'' کاشان اور ہادیہ کے کمرے سے ہادیہ کے چیخنے کی آواز آئی۔
''کیا......؟ تم ابھی بھی گڑیا سے کھیلو گی لومڑی''۔
''کیا کہا؟ تم خود ہو گے لومڑ''۔ باہر سب اندر کی چیخ و پکار سے پریشان ہو کر وہیں سر پکڑ کر کارپٹ پر بیٹھ گئے' جبکہ وہ دونوں اندر اپنی شرارت پر مسکراتے ہوئے حسین شام منانے لگے۔

☆

سباس گل

قسط نمبر 7

سلسلے وار ناول

اعتبارِ عشق



"آپ...... کمرے میں چلیں میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں"۔ وہ اپنے آنسو پلکیں جھپک جھپک کر پیچھے دھکیلتے ہوئے بھیگتی آواز میں بولی۔

"تم آ گئی ہو اب کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے"۔

"پلیز...... مجھ سے آپ کی یہ حالت نہیں دیکھی جا رہی' چلئے اپنے کمرے میں"۔ وہ بھیگتی آواز میں بولی اور انہیں ان کے اور کنول کے مشترکہ بیڈ روم میں لے آئی اور بیڈ پر بٹھا دیا اس نے اپنے فیملی ڈاکٹر رحمانی صاحب کو فون کر دیا۔

"یہ سب لوگ کہاں ہیں؟ روشی' شان' کنول آپا......" وہ آوازیں دینے لگی۔

"گھر پر کوئی نہیں ہیں"۔ نفیس نے مدھم آواز میں کہا۔

"تو کہاں گئے سب؟"

"لندن"۔

"لندن' مگر کس لئے؟" وہ ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر نیچے بیٹھتے ہوئے حیرانگی سے بولی۔

"مجھے اپنی اہمیت اور میری غلطی کا احساس دلانے کے لئے"۔

"آپ کی غلطی...... آپ نے کیا غلطی کی ہے؟"

"میں نے تم سے شادی جو کی ہے"۔ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ حیرت اور ندامت سے چند لمحے ان کے چہرے کو تکتے گئی پھر نظریں جھکا کر پرنم لہجے میں بولی۔

"غلطی آپ نے نہیں کی' غلطی میں نے کی ہے"۔

"یہاں آنے کی غلطی"۔ وہ اس کے چہرے کو ہاتھ سے اوپر کرتے ہوئے بولے۔

"تم نے تو کچھ دن رہنا تھا امی کے پاس' پھر تین دن بعد ہی کیوں چلی آئیں؟"

"مجھے آپ کی فکر تھی"۔ اس نے پہلی بار ان سے واضح اعتراف کیا تھا تو وہ اندر سے پرسکون ہو گئے اور مسکراتے ہوئے بولے۔

"کمال ہے بھئی' میں سوچ رہا تھا اور بہت ہرٹ ہو رہا تھا یہ سوچ کر کے میری دو بیویاں ہیں اور میری بیماری میں ایک بھی میری تیمارداری کے لئے میرے پاس موجود نہیں ہے' دونوں میں سے کسی کو بھی میری فکر نہیں ہے' مگر مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تمہیں میری فکر ہے اور تھی"۔

"اور ہمیشہ رہے گی"۔ عینی نے دل سے کہا اور اٹھ کر جانے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" نفیس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

"آپ نے ناشتہ نہیں کیا ہو گا نا' میں آپ کے لئے کچھ کھانے کو لاتی ہوں"۔ اس نے کہا۔

"ناشتہ کیا میری جان! میں نے تو دو دن سے کچھ نہیں کھایا پیا' سوائے پانی کے"۔

"او گاڈ! بہت کیئرلیس ہیں آپ اپنے معاملے میں"۔ وہ تڑپ کر بولی۔

"شاید اس لئے کہ میں جن کی کیئر کرتا ہوں ان سے اپنی کیئر کی توقع بھی رکھتا ہوں حالانکہ ایسا ہونا تو نہیں چاہئے مگر کیا کروں تمہارا ہمارا رشتہ ہی ایسا ہے"۔ نفیس نے مسکرا کر کہا تو وہ شرمندہ سی کمرے سے باہر نکلی اور سیدھی کچن میں آ گئی۔

☆

ڈاکٹر نے نفیس کا مکمل چیک اپ کیا اور کچھ دوائیں لکھ دیں۔

"انکل! اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو پلیز اپنے ملازم کے ہاتھ یہ دوائیں بھجوا دیں گھر پر کوئی نہیں ہے"۔ عینی نے کہا تو وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"تو کیا ہوا میں تو ہوں نا تم فکر نہیں کرو میں ابھی یہ دوائیں بھجوا دیتا ہوں' نفیس صاحب کو کچھ کھلاؤ پلاؤ کمزوری ہو گئی ہے انہیں اور کم از کم ایک ہفتہ تو مکمل ریسٹ کرائیں انہیں"۔

"جی انکل! آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھینک یو ویری مچ انکل"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"یو آر ویلکم بیٹا! کوئی پرابلم ہو تو بے شک مجھے دوبارہ فون کر لینا ویسے میں شام کو خود بھی چکر لگا لوں گا"۔

"بہت شکریہ انکل"۔ وہ دل سے بولی۔ عینی انہیں گیٹ تک چھوڑ کر واپس کمرے میں آ گئی اور نفیس کو دلیہ کھلانے لگی۔

"اتنی جلدی تم نے یہ سب بنا لیا"۔ نفیس نے دلیہ ختم ہونے پر سوپ پی کر کہا۔

"کنول آپا میری وجہ سے لندن گئی ہیں ناں"۔ اس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"نہیں وہ اپنے بھائی کی شادی کی وجہ سے گئی ہیں"۔ نفیس نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تو عینی ان کی بات کو بمشکل درست سمجھتے ہوئے بولی۔

"بچوں کی تعلیم کا بہت حرج ہو گا"۔

"وہ تو ہو گا"۔

"آپ کم از کم گھر فون کر کے امی کو ہی اپنی بیماری کا بتا دیتے۔ یوں بھوکے پیاسے رہ کر کیا حالت بنا لی ہے آپ نے اپنی اور گھر بھی سارا کھلا ہوا تھا"۔ عینی نے انہیں سوپ پلاتے ہوئے کہا تو وہ معنی خیز بات کہہ گئے۔

"بار بار گیٹ تک جانے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں اس لئے گیٹ لاک نہیں کیا تھا کہ آنے والا گیٹ بند دیکھ کر واپس نہ پلٹ جائے"۔

"اب آپ اگر گیٹ بند بھی کر لیں گے تو بھی آنے والا اندر آنے کا رستہ خود تلاش کر لے گا کیونکہ جب منزل کا نشان مل جائے تو راستے خود بخود دکھائی دینے لگتے ہیں"۔ عینی نے بھی ان کی معنی خیز بات کا جواب معنی خیز اور گہرے جملے سے دیا تو وہ باوجود نقاہت کے بہت خوش دلی سے ہنس پڑے۔

"واہ میری عینی تو سچ مچ بڑی ہو گئی ہے"۔

"بڑے بڑے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے تو کچھ تو بڑا مجھے بھی ہونا ہی تھا"۔ اس نے سوپ کا پیالہ ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا اور ڈور بیل بجنے پر وہاں سے اٹھ گئی' ڈاکٹر رحمانی نے نفیس کی دوائیں ملازم کے ہاتھ بھجوائی تھیں' عینی نے اندر آ کر نفیس کو فوراً ٹائم ٹیبل کے مطابق دوا کھلا کر لٹا دیا تھوڑی دیر میں انہیں نیند آ گئی۔

☆

سمیرہ بیگم' ثوبیہ بھابی اور ردا' نعیم بھائی اور بچوں سمیت پھل پھول وغیرہ لے کر نفیس کی عیادت کو چلے آئے' نفیس سو رہے تھے' سو وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔

"عینی! میری ذہین ترین بہن مبارک ہو تمہارا رزلٹ آؤٹ ہو گیا ہے یہ پھول تمہارے لئے لایا ہوں میں"۔ نعیم بھائی نے بکے اسے دیتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو بھائی جان! مگر میرا رزلٹ کیسا رہا جلدی بتایئے پلیز"۔ وہ حیرت اور بے تابی سے بولی تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بتایا۔

"تم نے سائنس گروپ میں دوسری پوزیشن حاصل کی ہے"۔

''سچ...... یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے، میں تو شکرانے کے نفل ادا کروں گی''۔ عینی نے خوشی سے معمور لہجے میں کہا تو سمیرہ بیگم نے اس کا ماتھا چوم کر ممتا بھرے لہجے میں کہا۔

''میری بیٹی تو ہے ہی بہت لائق مبارک ہو اللہ تمہیں اور کامیابیاں عطا کرے''۔

''شکریہ امی جان! یہ سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے''۔ وہ خوشی سے بولی۔

''تمہارے لئے گفٹ اور مٹھائی ہم نفیس کی بیماری کی وجہ سے نہیں لائے اچھا نہیں لگتا اس طرح، نفیس صحت یاب ہو جائیں پھر ہم تمہاری کامیابی کو بہت شاندار طریقے سے سیلیبریٹ کریں گے ٹھیک ہے''۔ نعیم بھائی نے اسے اپنے ساتھ لگا کر محبت سے کہا۔

''جی بھائی جان! آپ ان کے کمرے میں جائیں ہو سکتا ہے وہ جاگ گئے ہوں''۔

''میں دیکھتی ہوں''۔ سمیرہ بیگم اٹھ کر نفیس کے کمرے میں آ گئیں نفیس واقعی جاگ گئے تھے اور شاید عینی کی تلاش میں نظریں دوڑا رہے تھے عینی بھی سمیرہ بیگم کے پیچھے چلی آئی اور باقی سب اس کے پیچھے تھے۔

''پھپھو جان! آپ اسلام علیکم آپ کب آئیں؟'' نفیس نے انہیں دیکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

''کافی دیر ہو گئی تم سو رہے تھے اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' سمیرہ بیگم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''پہلے سے بہتر ہے''۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''بہتر کیوں نہیں ہوگی، عینی جو ہے ان کے پاس''۔ ردا نے شرارت سے کہا تو ہنس دیئے، عینی نے ردا کو گھور کر دیکھا وہ اپنی شوخیوں سے کبھی بھی باز نہیں آتی تھی۔

''اور تم نے بتایا کیوں نہیں کہ کنول لندن چلی گئی ہے اور تمہاری طبیعت خراب ہے فون ہی کر دیتے'' وہ تو عینی کا دل پریشان ہوا جا رہا تھا کہنے لگی نفیس کی طبیعت خراب ہو گی مجھے گھر جانا ہے اور اس کی پریشانی درست نکلی''۔ سمیرہ بیگم نے بتایا تو انہوں نے عینی کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا جو انہیں ہی دیکھ رہی تھی، ان کے دیکھنے پر نظریں جھکا لیں، نفیس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو اس کی محبت ہے کہ یہ میرے لئے پریشان رہی اور میں فون کر کے آپ سب کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، عینی کی تو اپنی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، میں نے اسے اسی لئے آپ کے ہاں چھوڑا تھا تاکہ یہ ریسٹ کر سکے اور یہ دو تین دن بعد ہی چلی آئی''۔

''آپ کی محبت کھینچ لائی ہے''۔ ثوبیہ بھابی نے کہا۔

''اچھا...... عینی یہ ثوبیہ بھابی کیا کہہ رہی ہیں؟'' وہ ہنس کر عینی سے پوچھنے لگے۔

''سمجھ میں نہیں آیا تو دوبارہ پوچھ لیجئے ان سے''۔ عینی نے خفگی و حیاء سے ان دونوں کو دیکھا اور اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے باہر چلی گئی سب کو ہنسی آ گئی۔

وہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر باہر آئی تو سب واپس جا رہے تھے اور فون پر رابطہ رکھنے اور صبح پھر آنے کا کہہ کر چلے گئے وہ ڈرائنگ روم میں صوفے پر آ بیٹھی۔

''آپ بدلے لے رہے ہیں نا مجھ سے، لیکن میں آپ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی پلیز جلدی سے تندرست ہو جایئے''۔ عینی نے ان کے قریب بیٹھ کر ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پرنم آواز میں کہا تو انہوں نے مسکرا کر اس کے چہرے کو دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا، عینی کی نس نس میں زندگی سے بھرپور حرارت

دوڑنے لگی۔ اس نے جلد ہی سارے گھر کی کھڑکیاں، دروازے لاک کر دیئے اور نفیس کے پاس آ گئی اور کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب ہی بیٹھ گئی، اسے اس بڑے گھر میں ڈر سا لگ رہا تھا، نفیس کی آنکھ کھلی تو اسے جاگتا اور کرسی پر بیٹھا دیکھ کر حیران ہو کر بولے۔

''تم سوئیں نہیں ابھی تک''۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی''۔ عینی نے ان کی دوا کی شیشی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''تم کل رات بھی میری وجہ سے پریشانی میں جاگتی رہی ہو اور اب پھر جاگ رہی ہو، میرے ساتھ خود بھی بیمار پڑنے کا ارادہ ہے کیا؟''

''نہیں تو''۔

''تو اٹھو یہاں سے بیڈ پر آ کر لیٹو چلو شاباش''۔ انہوں نے محبت سے کہا۔

''یہ میری جگہ تو نہیں ہے''۔ اس نے سیرپ چمچ میں ڈالتے ہوئے کہا وہ کنول کی جگہ نہیں لیٹنا چاہتی تھی۔

''تو جو تمہاری جگہ ہے وہاں جا کر سو جاؤ''۔ نفیس نے نرمی سے کہا۔

''مجھے ڈر لگے گا اکیلے میں، اتنا بڑا گھر خالی خالی ہو گیا ہے ان تینوں کے جانے سے، مجھے تو باہر جاتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا''۔ عینی نے سیرپ انہیں پلا کر کہا۔

''تو آپ کے اس ڈر کا کیا علاج کیا جائے؟''

''آپ میرے کمرے میں چلیں وہیں سو جایئے گا''۔ عینی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''وہاں میرے لئے جگہ ہے''۔ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا، اس کے لبوں پر شرمیلی مسکان سج گئی تھی جس نے نفیس کے حواس تر و تازہ کر دیئے ان کی روح کو سرشار اور شاداں کر دیا۔

''تو چلو''۔ نفیس نے کمبل اتارتے ہوئے کہا اور وہ انہیں پکڑ کر اپنے بیڈ روم میں لے آئی۔

☆

دو دن تک نفیس کا بخار بھی اتر گیا اور ان کے چہرے کی تازگی اور شادابی بھی لوٹ آئی اور یہ سارا کمال عینی کی توجہ اور تیمارداری کا تھا کہ نفیس دو دن میں پہلے کی طرح فریش نظر آ رہے تھے آج انہوں نے شیو بنائی نہا کر کپڑے تبدیل کیے تو عینی کو دلی سکون ملا انہیں تندرست دیکھ کر وہ ان کے لئے گرم گرم یخنی لے آئی۔

''یہ تم پی لو تمہیں بھی اس کی ضرورت ہے، میں اب بالکل فٹ ہوں''۔ نفیس نے کہا۔

''پھر بھی آپ کو کم از کم ایک ہفتے تک پرہیز اور احتیاط کرنا ہے''۔ نفیس نے یخنی کا پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے شوخی سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''کس سے؟''

''کنول آپا کا فون نہیں آیا کل آپ ہی انہیں فون کر لیجئے''۔ اس نے بات بہت عمدگی سے بدل دی۔

''تم میرے جذبوں کا خون مت کیا کرو''۔ وہ پیار بھری خفگی سے بولے۔

''اچھا...... زیادہ ڈائیلاگ بولنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹھیں ادھر اور یہ یخنی پئیں''۔ عینی نے انہیں پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا وہ ہنس پڑے اور اس نے فوراً ہی یخنی کا پیالہ ان کے سامنے کر دیا، انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا اور پیالہ اس کے ہاتھوں سے لے لیا وہ اس کی محبتوں پر سرشار اور حیران تھے کہاں تو وہ انہیں دیکھ کر ان سے بات کرنے کیلئے راضی نہ تھی اور کہاں یہ سب کر رہی تھی کہ اس کے ایک ایک انداز سے ان کے لئے محبت اور اپنائیت

نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ جب تک یخنی پی کر فارغ ہوئے اور اخبار پڑھنے لگے تب تک عینی نہا کر کپڑے تبدیل کر آئی۔ رائل بلیو کلر کے شلوار قمیض اور دوپٹے میں اس کی رنگت اور بھی نکھر گئی تھی۔ گلے اور کف پر سفید موتیوں اور سفید دھاگے کا ہلکا سا کام کیا ہوا تھا۔ وہ بال خشک کر کے برش کر کے نفیس کے بیڈ کے قریب آئی اور یخنی کا خالی پیالہ اور ٹرے اٹھا کر جانے لگی تو انہوں نے اسے پکارا۔

''عینی......''

''جی......'' وہ ان کے چہرے کو دیکھنے لگی تو انہوں نے اخبار بند کرتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس بیٹھو۔''

''جی......'' وہ برتن واپس رکھ کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ ان کی سنجیدگی اسے نروس کر رہی تھی۔ اس نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی اور پھر نظریں جھکا لیں۔

''تمہارا بی ایس سی کا رزلٹ آؤٹ ہو گیا ہے۔'' انہوں نے پوچھا تھا یا بتایا تھا وہ سمجھ نہ سکی بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''جی......''

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' نفیس نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں پوچھا تو اس کا دل بہت بری طرح پریشانی کے عالم میں دھڑکا۔ وہ تو پہلے ہی ان سے نادم تھی اپنے رویے پر۔ ان سے معذرت کرنے کا سوچ رہی تھی اس پر یہ نئی حماقت اس سے سرزد ہو گئی تھی۔ اور وہ یقیناً اس سے ناراض تھے کم از کم عینی کو تو ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا وہ مزید پریشانی اور الجھن کا شکار ہو گئی۔ انہیں بتانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی کون سا انہیں اپنی دوستی اور محبت کا احساس دلاتی رہی تھی وہ جو اس مان پر یہ خوشخبری سناتی۔

''عینی! میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے؟'' اس کی مسلسل خاموشی پر وہ خود ہی بول پڑے۔

''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں آپ کو کیسے بتاؤں اور بتاؤں بھی کہ نہیں۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا تو وہ اس کے جھکے جھکے ندامت سے سفید ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''مجھے تو اسی روز معلوم ہو گیا تھا تمہارے گھر آنے سے پہلے ہی میں پتا کر چکا تھا پھر پھپھو نے بتایا۔ لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا۔ تین دن بلکہ آج چار دن ہو گئے ہیں تمہارا رزلٹ آؤٹ ہوئے اور تم نے مجھے خود سے نہیں بتایا کیوں عینی؟'' اب وہ انہیں کیا جواب دیتی۔ نظریں اور سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو گود میں رکھے خاموش بیٹھی رہی۔ اس کے بال ڈھلک کر اس کے چہرے کے گرد ہالہ بنا رہے تھے اور نفیس کی نظروں سے اس کا چہرہ اوجھل ہو گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اس کے بالوں کو نرمی سے پیچھے کیا تو اس کے گالوں پر آنسوؤں کی قطاریں جاری دیکھ کر پریشان ہو گئے اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اوپر کیا۔

''عینی! ظالم لڑکی...... یہ ہے میرے سوال کا جواب۔'' وہ بے قراری سے بولے۔

''تو کیوں...... کر رہے ہیں مجھ سے ایسے سوال؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''ادھر دیکھو۔'' نفیس نے اس کے چہرے اور آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہوں...... تو یہ بات ہے، تم کیوں شرمندہ ہو، میں تم سے خفا نہیں ہوں نہ پہلے تھا اور نہ کبھی ہو سکتا ہوں۔ تم نے اپنی ذرا سی غلطی اور ندامت کی وجہ سے مجھ سے اتنی بڑی خوشخبری چھپائے رکھی۔''

''آپ کو تو...... سب معلوم ہو جاتا ہے میں جو بھی سوچتی ہوں۔'' عینی نے بھیگتی آنکھوں میں حیرانگی بھرے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''معلوم کیسے نہیں ہو گا میری جان! دل کی دھڑکن کی طرح سینے میں بسی ہو تم تو اب یہ آنسو بہانا بند کرو اور اگر زحمت نہ ہو تو میرا پینٹ شرٹ والا کوئی سوٹ نکال دو، میں کچھ دیر کے لئے باہر جاؤں گا ضروری کام ہے۔'' انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بہت محبت سے کہا تو وہ ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے خفگی سے بولی۔

''میں نہیں نکال رہی آپ کے کپڑے مجھے بہت زحمت ہو گی خود ہی نکال لیجئے۔''

''ارے ناراض ہو گئیں۔'' وہ ہنس پڑے۔

''اور اتنے دن سے جو میری خدمت اور تیمارداری کر رہی ہو وہ کس لئے گڑیا؟''

''آپ کا مجھ پر حق ہے۔ میں بیوی ہوں آپ کی اور میرا فرض بنتا ہے کہ میں آپ کا خیال رکھوں۔'' عینی نے اپنے چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

''آں ہاں ویری گڈ! بڑی اچھی بات کہی آپ نے۔ اب ذرا ادھر تو آیئے بھئی آپ کا شوہر ہونے کے ناطے میرا بھی تو کچھ فرض ہے نا کہ میں اپنی پیاری بیوی کے حقوق ادا کروں۔'' نفیس نے بہت شوخ و شریر لہجے میں کہتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اسے قریب آنے پر مجبور کر دیا اور پہلی بار ان کے اس پر استحقاق انداز پر سٹپٹائی تھی۔

''جی تو جانو! اب تو آپ کو مجھ سے نفرت نہیں ہے نا۔'' انہوں نے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگا کر محبت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نفرت تو پہلے بھی نہیں تھی۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''تو کیا تھا؟'' وہ بولے۔

''غصہ تھا۔'' عینی نے جواب دیا۔

''اب کہاں ہے وہ غصہ؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ بولی۔

''پتا نہیں۔''

''تو گویا! دشمنی اور ناراضگی ختم اور دوستی اور صلح شروع۔'' نفیس نے ہنس کر کہا تو وہ شرمیلے پن سے مسکرانے لگی۔

''کیوں جانو! آج سے دوستی پکی۔'' نفیس نے اسے چاہت سے دیکھتے ہوئے کہا اور اپنا دایاں ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا۔

''جی......'' عینی نے ان کے ہاتھ پر اپنا نرم ملائم دودھیا رنگت والا ہاتھ رکھ دیا۔ جسے نفیس نے اپنے ہاتھ میں بند کر لیا تو اسے ایسا لگا جیسے زندگی نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بہاروں کے دیس میں پہنچا دیا ہو۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان کے چہرے کو دیکھا۔

''اب تو غصہ نہیں ہو گی۔'' نفیس نے محبت سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں...... میری طرف سے آپ کو کبھی ایسی شکایت نہیں ہو گی کہ میں نے اس گھر کو آپ کو اور بچوں کو اپنا نہیں سمجھا۔ میں اس گھر کی خوشیوں کی خاطر کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ آپ سے مجھے صرف اعتبار چاہئے۔'' عینی نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور پیار۔'' وہ مسکرائے۔

''وہ تو آپ کو مجھ سے پہلے ہی سے ہے۔'' اس نے شرمیلے پن سے کہا۔

''اعتبار پیار سے پہلے آتا ہے۔ جیتی رہو تم نے آج مجھے بہت بڑی خوشی دی ہے۔'' نفیس نے بہت محبت سے کہا اور اس کی پیشانی چوم لی۔ جیسے وہ چار سال کی عینی ہو تو وہ شرمیلی ہنسی ہنس دی اور پھر ان کے سینے میں چہرہ چھپا لیا وہ خوش دلی سے ہنس پڑے۔ اور ان دونوں کی شادی شدہ زندگی میں خوشیوں اور محبتوں کے پہلے دن کا آغاز ہو گیا۔ عینی

پچھلے ایک مہینے کی ساری بدمزگیاں اور اذیتیں بھول کر ان کی محبتوں میں کھوگئی۔

☆

آج پہلی بار وہ نئی نویلی دلہن کی طرح نفیس کے لئے تیار ہوئی تھی' آسمانی رنگ کی جارجٹ کی ساڑھی جس کے گلے بازوؤں اور پلوؤں پر سفید نگوں اور جھلملاتے ستاروں کا کام کیا ہوا تھا' اس نے زیب تن کی' بالوں میں میچنگ کلپ اور ہیئر پنز لگائیں' مناسب میک اپ کرنے کے بعد اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو مسکرادی' ایک سکون اور اطمینان اس کے رگ و پے میں سما گیا۔

''عینی! کہاں ہو باہر آؤ''۔ نفیس جو کافی دیر سے باہر لان میں تھے منیجر صاحب آئے ہوئے تھے' ان کے جانے کے بعد انہوں نے اندر آکر اسے آواز دے کر کہا۔

''باہر کیا ہے؟'' عینی نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تو وہ اس کے سراپے پر نگاہ ڈالتے ہی مبہوت ہوگئے' پلک جھپکنا بھول گئے اور اس کے قریب آکر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کے چہرے کو حیرت اور محبت سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''باہر تو کچھ بھی نہیں ہے' جو کچھ ہے اندر ہے میرے سامنے''۔

''آپ کے سامنے تو میں ہوں''۔ وہ شرمیلی مسکان لبوں پر سجا کر بولی۔

''ہمیشہ میرے سامنے ہی رہنا عینی! نظروں سے اوجھل مت ہونا ورنہ میرا دل دھڑکنا بھول جائے گا''۔ نفیس نے اسکے رنگ وروپ کو اپنی نگاہوں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

''پلیز..... مجھ سے ایسی باتیں مت کریں میرا دل بہت کمزور ہے''۔ وہ تڑپ کر بولی۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں جان! کہ میرا دل بہت کمزور ہے اسے اپنی دوری کا موسم مت دکھانا''۔ نفیس نے محبت سے کہا عینی انہیں دیکھے جا رہی تھی اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی' عینی کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

''ٹیلی فون کی بیل سے ڈرگئی مائی سویٹ ہارٹ''۔ نفیس نے ہنس کر کہا اور اس کے گال تھپتھپا کر فون سننے کے لئے بڑھ گئے' فون کنول کا تھا' عینی نے محسوس کیا تو خود ہی کچن میں چلی گئی اور کھانا ہاٹ پاٹ میں نکال کر ڈائننگ ٹیبل پر سجانے لگی۔

''عینی! کہاں چلی جاتی ہو ادھر آؤ تمہیں کچھ دکھانا ہے''۔

''کیا دکھانا ہے؟'' وہ ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آگئی۔

''ماشاء اللہ چشم بددور' گڑیا لگ رہی ہو اس لباس میں''۔ نفیس نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بولی۔

''گڑیا یا بڑھیا''۔

''تم تو بڑھیا بھی ایسی ہی گریس فل بنوگی''۔ وہ ہنس کر بولے۔

''اچھا.....'' وہ ہنس پڑی۔

''آپ نے کچھ دکھانا تھا شاید''۔

''ہاں آؤ' وہ دیکھو باہر نیو ہونڈا کار''۔ نفیس نے اسے کھڑکی کے قریب لے جا کر کھڑکی کھول دی اور باہر روش پر ٹیوب لائٹس کی روشنی میں جگمگاتی وائٹ کلر کی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

''زبردست یہ آپ نے خریدی ہے کیا؟'' عینی نے گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے خوشی سے کہا۔

''ہاں..... یہ لو اس کی چابی''۔ نفیس نے اپنی قمیض کی جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

''یہ چابی آپ نے مجھے کیوں دی ہے؟''

''کیونکہ یہ گاڑی تمہاری ہے''۔

''میری''۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کا سمندر امڈ آیا۔

''ہاں تمہاری..... بی ایس سی میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کرنے پر یہ تمہارا انعام ہے میں نے کہا تھا نا کہ اگر رزلٹ میری مرضی کا ہوا تو میں تمہیں سرپرائز گفٹ دوں گا' اور یہ ہے تمہارا گفٹ کہو پسند آیا''۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا وہ تو ان کی محبت کے اس قیمتی تحفے پر ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطے لگا رہی تھی خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھ رہی تھی وہ خود کو اس قدر قیمتی گفٹ کی مستحق نہیں سمجھ رہی تھی۔

''بہت زیادہ لیکن.....''

''نو لیکن.....'' نفیس نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا۔

''یہ گفٹ تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے''۔

''میرے لئے تو ہے کیونکہ یہ آپ نے مجھے دیا ہے''۔ عینی نے محبت سے انہیں دیکھا۔

''ہوں..... تو شکریہ ادا کیجئے ہمارا''۔ وہ بڑے سرشار ہو کر بڑی ادا سے بولے۔ عینی نے خوشی سے بھیگتی آنکھوں سے انہیں دیکھا تو وہ تڑپ گئے مگر لہجے کو شوخ رکھتے ہوئے بولے۔

''اتنا بھیگا بھیگا شکریہ نہیں جانو! یہ نہیں چلے گا' آپ ہمارے ساتھ باہر چلیں آج ہم آپ کو چائنیز ریسٹورنٹ میں کھانا کھلائیں گے''۔

''چائنیز کھانا تو ہم گھر پر بھی کھا سکتے ہیں' آیئے میرے ساتھ''۔ عینی نے مسکراتے ہوئے کہا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔

''او ہو پھول اور کارڈ''۔ نفیس نے ٹیبل پر رکھا گلدستہ اٹھا کر سونگھا اور کارڈ کو مسکراتے ہوئے دیکھا جس پر دو سرخ گلاب اور دو دل بنے ہوئے تھے اور انگلش میں بڑا سا لو لکھا تھا' نفیس نے کارڈ کھول کر دیکھا اس میں ''آئی لو یو'' لکھا تھا۔

''تھینک یو عینی! پیار بھی لے لو اعتبار بھی لے لو بھی کچھ تمہارا ہے''۔ نفیس نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگا کر کہا وہ خوشی سے مسکرائے گئی۔

''عینی جان! تمہاری محبت کی ایک نظر ہی میرے لئے بہت تھی' بہر حال اس اہتمام کا بھی بہت شکریہ' مجھے تمہاری محبت اور وفا پر ان پھولوں اور کارڈ کے ان لفظوں سے زیادہ اعتبار ہے''۔ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے دل سے کہا تو اس کا دل سکون سے بھر گیا اور پھر ان دونوں نے اکٹھے کھانا کھایا۔

''تمام ڈشز بہت مزیدار ہیں تمہیں انعام ملنا چاہئے''۔

''آپ کی تعریف ہی میرا انعام ہے''۔ وہ خوشی سے نہال ہوتے ہوئے بولی۔

''عینی! مجھے تم پر فخر ہے تم ماشاء اللہ بہت ذہین اور سمجھدار ہو کامیابی بہت بہت مبارک ہو مگر میری طرح فسٹ پوزیشن نہیں لی تم نے' سیکنڈ پوزیشن ہے تمہاری''۔ وہ اسے محبت سے مذاق سے چھیڑتے ہوئے بولے۔

''میں نے کب انکار کیا ہے اس حقیقت سے' میری پوزیشن سیکنڈ ہی تو ہے''۔ عینی نے ذومعنی بات کہی تھی نفیس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے چونک کر اسے دیکھا۔

''محبت کی پوزیشن ہمیشہ فرسٹ رہتی ہے' اس میں تمہاری پوزیشن کبھی سیکنڈ نہیں ہوسکتی اور تم تو اپنی پیدائش کے دن سے میری اولین محبت رہی ہو' رشتے کی نوعیت بدل جانے سے پہلی محبت ختم نہیں ہوئی بلکہ اس کو تو تقویت ملی ہے یہ رشتہ مزید پختہ اور مضبوط ہوگیا ہے آئندہ ایسا مت سوچنا کہ تمہاری پوزیشن میرے دل میں سیکنڈ ہے سمجھیں''۔ نفیس

نے بہت نرمی سے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆

صبح نفیس آفس جانے کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ عینی انہیں ناشتہ کرانے کے بعد سو گئی تھی۔ رات پھر وہ نجانے کب کب کی باتیں کرتے رہے تھے' جاگتے رہے تھے' عینی کو اب نیند آ رہی تھی۔

''عینی! اٹھو میں آفس جا رہا ہوں' گیٹ بند کر لو میرے ساتھ چلو میں تمہیں پھپھو کے پاس چھوڑ جاؤں گا''۔ نفیس بالوں میں برش کرتے ہوئے بولے۔

''عینی!'' وہ اسی طرح لیٹی رہی تو انہوں نے اس کے قریب آ کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے پکار کر کہا۔

''میں آفس جا رہا ہوں''۔

''کیوں؟'' اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

''کام بہت ہے وہاں''۔ وہ مسکرا کر بولے تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آپ کو پتا ہے مجھے اتنے بڑے گھر میں اکیلے میں ڈر لگتا ہے''۔

''پتا ہے''۔ وہ مسکرائے۔

''پھر بھی جا رہے ہیں''۔ وہ خفگی سے بولی۔

''جا رہا ہوں اسی لئے تو جگا رہا ہوں کہ تیار ہو جاؤ میں تمہیں پھپھو کے پاس چھوڑ دوں گا' واپسی پر لیتا آؤں گا''۔ وہ اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے بولے۔

''آفس جانا ضروری ہے کیا؟ چند دن آرام نہیں کر سکتے' فون پر انسٹرکشن دے دیں اپنے منیجر کو' بخار اترا اور چل دیئے آفس''۔ وہ بارعب لہجے میں بولی تو انہیں ہنسی آ گئی۔

''کیا کریں عینی ڈیئر! اتنی محنت سے جس بزنس کو اسٹیبلش کیا ہے اسے وقت تو دینا ہو گا' ابھی تو یہاں نیا سیٹ اپ ہے اس لئے زیادہ توجہ اور وقت مانگتا ہے''۔

''آپ کی زیادہ توجہ اور وقت کی ضرورت مجھے بھی ہے''۔ وہ ان کے شانے پر سر رکھ کر نرمی سے شرمگیں لہجے میں بولی تو خوشی کی لہر ان کے رگ و پے میں سما گئی' روح جھوم اٹھی۔

''میں نے کب انکار کیا ہے' تم اس وقت بھی مجھے آفس نہ جانے پر اکسا رہی ہو مگر مجبوری ہے تین چار گھنٹے کیلئے تو جانا ہی ہو گا''۔ وہ اس کے گرد اپنا بازو حمائل کر کے بولے۔

''تو جائیں''۔ وہ سر اٹھا کر خفگی سے بولی' انہیں ہنسی آ گئی۔

''خفا مت ہو' اٹھو شاباش چینج کر لو' میں تمہیں پھپھو کے پاس چھوڑ جاؤں''۔ نفیس نے بہت محبت سے کہا تو وہ مزید کچھ بولے بغیر تیار ہونے کیلئے اٹھ گئی۔

☆

شام کو نفیس آفس سے سیدھے ''عظیم ہاؤس'' آ گئے جہاں سب ہی شام کی چائے پر ان کے منتظر تھے۔ صبا باجی بھی آئی ہوئی تھیں' سب نے خوشگوار ماحول میں چائے پی' عینی نے امتحان میں پاس ہونے کی خوشی میں کیک کاٹا جو نعیم بھائی لائے تھے' سب نے اسے تحائف دیئے۔ نفیس کے تحفے کا اس نے انہیں بتا دیا تھا اور وہ اسی گاڑی میں آئی تھی ان کے ساتھ' گاڑی سب کو بہت پسند آئی تھی۔

''نفیس...... ! بیٹا اتنا قیمتی تحفہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟'' سمیرہ بیگم نے محبت سے کہا۔

''پھپھو جان! عینی کیا کم قیمتی ہے''۔ نفیس نے عینی کی خوشی اور حیا سے دمکتی صورت کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیں' عینی کے چہرے پر حیا کے رنگ مزید گہرے ہو گئے۔

''بھائی جان! پتا ہے آپ کو' عینی کو جب آپ نے پرپوز کیا تھا تو اس نے آپ کو کن کن القابات سے نوازا تھا؟'' ردا نے شرارت سے کہا۔

''ردا! خبردار جو کچھ بولی''۔ عینی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''ارے' کیوں منع کر رہی ہو میری بہن کو' ہاں ردا کیا القابات تھے بتاؤ؟'' نفیس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور ردا کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

''ردا! میں بات نہیں کروں گی تم سے' اپنی باری بھی یاد رکھنا''۔ عینی نے خفگی سے کہا۔

''کیوں دھمکا رہی ہو میری بہن کو' ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟'' نفیس بھی عینی کو ستانے کے موڈ میں لگ رہے تھے اسے روک کر ردا سے مخاطب ہوئے۔ عینی کو بہت غصہ بھی آیا اور اپنی پچھلی باتوں پر شرمندگی بھی محسوس ہونے لگی جواب ردا انہیں بتانے جا رہی تھی۔

''نفیس بھائی! عینی آپی نے آپ کو نفیس کی بجائے ''ابلیس'' کہنا شروع کر دیا تھا''۔ ردا نے مسکراتے ہوئے بتایا تو عینی نے کشن اٹھا کر ردا کے سر میں دے مارا' شرم سے اس کی رنگت مزید سرخ ہو گئی۔ نفیس کو اس کی حالت بہت لطف دے رہی تھی' اس کے ردعمل سے تو وہ واقف تھے۔

''عینی! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟'' نفیس نے مصنوعی سنجیدگی اور حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور سنئے بھائی جان! انہوں نے آپ کو فلرٹ' فراڈ اور......''

''ردا! جسٹ شٹ اپ''۔ عینی نے خجل ہو کر غصیلے لہجے میں کہا اور کھڑی ہو گئی۔

''اوہو آپی! میں کوئی جھوٹ تو نہیں بول رہی' وہی بتا رہی ہوں جو آپ نے کہا تھا''۔ ردا نے بہت معصومیت سے کہا' نفیس اور ثوبیہ بھابی کو ہنسی آ گئی۔

''ٹھیک ہے اگلے پچھلے' نئے پرانے سارے بھانڈے پھوڑ دو ان کے سامنے' میں جا رہی ہوں''۔ عینی نے ناراض لہجے میں کہا اور ان سب کو ہنستا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

''ردا! ناراض کر دیا تم نے اسے''۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

''تو آپ منا لیں ناں''۔

''واہ...... یہ بھی خوب رہی' ناراض تم نے کیا ہے اور مناؤں میں؟ عینی کو منانا اتنا آسان نہیں ہے' بہت ضدی لڑکی ہے وہ مگر اچھی بھی بہت ہے''۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا تو ثوبیہ بھابی مسکراتے ہوئے بولیں۔

''پھر تو وہ مان جائے گی' اس کا غصہ وقتی ہوتا ہے' جائیں اسے منا لیں''۔

''او کے بھابی! ویسے بھی کافی دیر ہو گئی ہے اب ہم گھر ہی جائیں گے' پھپھو جان نے نماز پڑھ لی کیا؟'' وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

''شاید''۔ ردا نے کہا۔ وہ ان سب سے مل کر لان میں آ گئے جہاں عینی ڈوبتے سورج کو بہت انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ ان کی خوشبو محسوس کر کے گردن گھما کر انہیں دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''تم اس ابلیس اور فلرٹ شخص کو جو فراڈ بھی ہے اُسے اندر چھوڑ کر باہر چلی آئیں''۔

''نفیس پلیز......! مجھے شرمندہ مت کریں' وہ سب غصے میں کہا تھا میں نے دل سے تو نہیں''۔ وہ خجالت سے بولی۔

''میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ وہ سب غصے میں کہا تھا تو اس میں شرمندہ ہونے' خفا ہو کر جانے کی کوئی بات ہے' دل سے تو تم مجھے بہت چاہتی ہو' مجھ سے پیار کرتی ہو' کرتی ہو ناں؟'' نفیس نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی''۔ اس نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا تو وہ شریر لہجے میں بولے۔

''جی تو گھر چلو فوراً' میرا ابھی جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں پیار کروں اور اس کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے''۔

''کیوں پہلے تو کر لیا کرتے تھے' اب کیا ہے؟'' وہ شرم سے سرخ ہوتے ہوئے بولی۔

''اچھا! تو پہلے کا ذکر کر کے مجھے چھیڑا جا رہا ہے' تو پھر کروں پہلے کی طرح عینی کو پیار''۔ نفیس نے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں''۔ وہ ان کی پیش قدمی بھانپ گئی تھی' ہنستے ہوئے تیزی سے ان کی دسترس سے دور نکل گئی۔ نفیس کو بھی ہنسی آ گئی اور یوں وہ ہنستے بولتے گھر آ گئے۔

ان دونوں کی خوشگوار ازدواجی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ دونوں ہی بہت خوش تھے۔ عینی کو تو اپنے پچھلے رویئے پر غصہ آتا کہ اس نے اتنے سارے دن اتنے پیارے شخص کی محبت سے بے رُخی برتتے اسے پریشان کرتے گزار دیئے' ضائع کر دیئے' مگر اب وہ ان سے بہت محبت بھرا رویہ اپنائے ہوئے تھی اور سچ تو یہ تھا کہ اسے نفیس سے بے پناہ محبت ہو چکی تھی اور وہ اب ان کے بغیر اپنی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ نفیس کی ثابت قدمی' نرمی' محبت اور اپنائیت' کشادہ دلی اور خلوص نے اسے جی جان سے جیت لیا تھا۔

⟡..........☆..........⟡

نفیس نے آفس دوبارہ باقاعدگی سے جانا شروع کر دیا تھا۔ صبح جاتے وقت وہ عینی کو ''عظیم ہاؤس'' چھوڑ جاتے اور شام کو واپسی پر اپنے ساتھ لے آتے۔ رات کو وہ باہر گھومنے چلے جاتے' ڈنر کبھی باہر کرتے تو کبھی گھر میں' عینی' نفیس کی پسندیدہ ڈشز بنا کر ان سے داد حاصل کرتی۔ ان کی ہر ضرورت ہر چیز اور آرام کا بہت خیال رکھتی اور وہ خوشی سے باغ باغ ہو جاتے اور اسے اپنی محبتوں سے نہال کرتے جاتے۔

وہ تھوڑی دیر پہلے ہی میکے آئی تھی۔ نفیس اسے چھوڑ کر فیکٹری چلے گئے تھے۔ ردا نے اسے گاجر کا حلوہ پلیٹ میں سجا کر پیش کیا تو اس نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا بات ہے ردا رانی! یہ تمہارا چہرہ کیوں گاجر کی طرح سرخ ہو رہا ہے؟''

''پہلے حلوہ کھاؤ پھر بتاؤں گی''۔ وہ شرمیلی ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔

''ہوں......لگتا ہے کوئی خاص بات ہے''۔ عینی نے مسکراتے ہوئے کہا' وہ ہنس پڑی۔

''ٹرن......ٹرن''۔ ٹیلی فون کی گھنٹی نے دونوں کی ہنسی کو بریک لگا دی۔

''ہیلو''۔ عینی نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔

''یہ عظیم ہاؤس ہے؟'' دوسری جانب کنول بول رہی تھیں۔ عینی نے ان کی آواز پر چونک کر کہا۔

''جی......آپ کون؟''

''میں کنول بول رہی ہوں لندن سے' عینی سے میری بات کراؤ''۔

''کنول آپا! میں عینی ہی بول رہی ہوں' کیسی ہیں آپ؟''

''میں کیسی ہوں یہ تو میں تمہیں واپس آ کر ہی بتاؤں گی' کان کھول کر سن لو اگر نفیس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تو تمہاری زندگی کی ڈور کاٹ ڈالوں گی''۔

''مجھے اپنے شوہر پر ڈورے ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ دھمکیاں آپ کو زیب نہیں دیتیں آپا! اور آپ نے یہاں کس لئے فون کیا ہے؟'' عینی نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تمہیں یہ بتانے کیلئے فون کیا ہے کہ میکے میں ہو تو میکے میں ہی رہنا' سسرال میں بسنے اور جانے کے خواب مت دیکھنا ورنہ بہت پچھتاؤ گی''۔ کنول کا لہجہ اور انداز بہت خطرناک اور سازشی تھا' عینی نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''پچھتا تو آپ رہی ہیں نفیس کو دوسری شادی کی اجازت دے کر' اپنی کم ظرفی چھپانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے تو اعلیٰ ظرفی کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی''۔

''بکواس بند کرو اور صرف اتنا یاد رکھو کہ تم میکے میں ہو' میکے میں ہی رہو' سسرال جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ کنول نے غصیلے اور سخت لہجے میں کہا۔

''تو آپ بھی اپنے میکے میں ہی ہیں ناں' تو میکے میں ہی رہیں سسرال آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ عینی نے انہی کی بات انہی کو لوٹا دی تھی' وہ آگ بگولہ ہو گئیں۔

''تم میرے ہی لفظوں سے مجھے نیچا دکھانا چاہتی ہو''۔ وہ چلا رہی تھیں۔

''آپ ہی اپنا مقام نیچا کر رہی ہیں آپا......!'' وہ اطمینان سے بولی۔

''مجھے آپا کہنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''واقعی آپ نے تو اس لفظ کا احترام بھی گنوا دیا ہے خود کو ''آپا'' کے لئے نااہل ثابت کیا ہے''۔

''شٹ اپ''۔ کنول نے غصے سے کہا اور لائن کٹ گئی۔ عینی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور سامنے کھڑی ردا کو دیکھا جو حیران پریشان ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''عینی آپی! یہ کنول آپا تو آپ کو بسنے نہیں دیں گی' کتنی اعلیٰ ظرف بنتی تھیں اور اب......''

''ردا! پلیز گھر میں کسی سے اس بات کا ذکر مت کرنا' خاص کر امی سے' وہ پریشان ہو جائیں گی اور میں نہیں چاہتی کہ وہ جس بیٹی کی شادی کر کے خوش ہیں اس کی بربادی کے منصوبے بنانے والوں کی باتیں اور سازشیں ان کے کانوں تک پہنچیں''۔ عینی نے سنجیدگی سے کہا۔

''آپ نفیس بھائی سے بات کریں گی''۔ ردا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں''۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

''نہیں' کنول آپا پر بہت مان ہے' اعتبار ہے اور میں ان کا مان اور اعتبار ٹوٹتا نہیں دیکھ سکتی اور شاید وہ اس بات کا یقین بھی نہ کریں گے''۔

''عینی آپی! آپ اکیلی کب تک ان کے طنز و تلخ جملوں اور رویوں کا مقابلہ کریں گی''۔ ردا نے پریشانی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''جب تک کوئی مناسب حل میری سمجھ میں نہیں آ جاتا' خیر چھوڑو......بھول جاؤ اس قصے کو' تم سناؤ جمال کا قصہ کہاں تک پہنچا؟'' عینی نے بات کا موضوع بدل دیا اور حلوہ کھاتے ہوئے اس کی باتیں سننے لگی' مگر اس کا ذہن کنول کے جملوں میں ہی اٹکا رہا' الجھا رہا۔

''آپی! میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں' امی جان چاہتی ہیں جمال کا رشتہ قبول کر لیا جائے''۔

"تو اچھا ہے ناں تمہیں بھی جمال پسند ہیں' پڑھائی بعد میں کر لینا' فی الحال نکاح کر الو۔" عینی نے حلوہ کھاتے ہوئے مشورہ دیا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

"ہاں یہ تجویز بہتر ہے' امی جان کے کانوں میں بھی پہنچا دیں۔"

"پہنچا دوں گی۔" عینی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سمیرہ بیگم کو اس نے یہ تجویز پیش کر دی تھی۔ شام کو نفیس اسے لینے آئے تو وہ خاموشی سے ان کے ساتھ گھر چلی آئی۔

"عینی! طبیعت ٹھیک ہے؟" نفیس نے اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

"جی ٹھیک ہے۔" وہ مسکرا دی۔

"تو ہماری بلبل چپ چپ کیوں ہے؟" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پیار سے بولے۔

"ردا اور بھابی کے ساتھ آج بہت باتیں کی ہیں' بول بول کر تھک گئی ہوں۔" اس نے کنول کے فون کا دانستہ ذکر نہیں کیا اور بہانہ بناتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"اور میں تمہاری آواز سن کر' تم سے باتیں کر کے اپنی مکمل تھکن اتارنا چاہتا ہوں۔"

☆

تین دن بعد جب وہ دوپہر میں ردا کے ساتھ گپیں لگانے اور مونگ پھلی کھانے میں مگن تھی پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ردا نے فون ریسیو کیا' دوسری جانب کنول تھیں اور عینی سے بات کرانے کا حکم جاری ہوا تھا' ردا نے ریسیور عینی کو تھما دیا۔

"جی کنول آپا! کہئے کیسے یاد کیا' کوئی بہت اہم بات ہے جو لندن سے بار بار مجھے فون کر رہی ہیں؟" عینی نے بہت پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیوں ڈر گئیں؟" کنول کا لہجہ طنزیہ تھا' وہ ہنس کر بولی۔

"میں کیوں اور کس بات سے ڈروں گی' ڈر تو آپ رہی ہیں اتنی دور بیٹھ کر بھی یہاں کے حالات جاننے کی بے چینی لگی ہوئی ہے آپ کو' اعتبار تو آپ کو اپنی محبت پر نہیں ہے جبھی تو مجھے فون پر الٹی سیدھی باتیں سنا رہی ہیں۔"

"یہ صرف باتیں نہیں ہیں میں عمل کرنا بھی جانتی ہوں' جہاں ہو وہیں رہو' سمجھیں۔" وہ غصیلے لہجے میں بولیں تو عینی نے بے حد سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"آپ بھی جہاں ہیں وہیں رہیں' بزدلوں کی طرح دھمکیاں مت دیں۔ مجھے دلہن بنا کر لے گئیں تھیں تو دشمن بن کر سامنے کیوں آ گئیں' میں نے آپ سے کچھ نہیں مانگا تھا' آپ کا شوہر آپ کا تھا اور ہے اور میرا شوہر بھی وہ شخص اتنا ہی ہے جتنا کہ آپ کا۔ میں اس کے پاس رہوں یا اس سے دور یہ میرا اور میرے شوہر کا معاملہ ہے' آپ سات سمندر پار بیٹھ کر مجھے دھمکی آمیز آرڈر مت جاری کریں۔"

"عینی بی بی! یاد رکھو میں تمہارے لئے ایسے حالات پیدا کر دوں گی کہ یا تو تم نفیس سے خود طلاق مانگ لو گی' انہیں چھوڑ کر چلی جاؤ گی یا نفیس خود تمہیں طلاق دے کر حقارت سے اپنے گھر سے نکال باہر کریں گے۔ یہ تمہارا حسن اور جوانی چار دن کی چاندنی ہے۔ جس نے نفیس کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے' تمہارے کردار کے زاویوں سے جب یہ چاندنی ماند پڑے گی تو نفیس خود ہی تمہیں ٹھوکر مار کر میری طرف پلٹ آئیں گے۔" کنول نے بہت ہی خطرناک' سازشی اور انتقامی لہجے میں کہا۔

"او تو آپ لندن اس مکروہ منصوبے کی ٹریننگ حاصل کرنے گئی ہیں اپنی ممی کے پاس' اچھا کیا جو جلد ہی اپنا مکروہ چہرہ دکھا دیا ورنہ میں خوش فہمی میں ہی مبتلا رہتی کہ میرے شوہر کی فسٹ وائف بہت عظیم خاتون ہیں لیکن افسوس آپ تو بہت چھوٹے دل و دماغ کی مالک نکلیں۔" عینی نے سنجیدگی سے کہا۔

"بکواس بند کرو۔" وہ غصے سے بولیں۔

"آپ فون کیوں نہیں بند کر دیتیں۔" عینی نے سخت لہجے میں کہا۔

"تمہارا تو میں وہ حشر کروں گی کہ تمہاری بولتی بند ہو جائے گی۔" کنول نے غصے سے کہا۔

"آپ کو احساس ہی نہیں ہو رہا کنول جی! کہ آپ کا کتنا برا اور مکروہ چہرہ سامنے آ رہا ہے' اپنی عقل سے کام لیں' اپنی ممی کے اشاروں پر چلنے سے آپ ہی کا نقصان ہوگا۔" عینی نے سنجیدہ اور ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں میرے نقصان کا اندازہ ہوتا تو نفیس سے شادی نہ کرتیں۔ تم نے نفیس کو تقسیم کیا ہے' میرے بچوں کا پیار اور توجہ تقسیم کی ہے' لیکن میں تمہیں اپنی جائیداد تقسیم نہیں کرنے دوں گی' نفیس کا جو کچھ بھی ہے میرا اور میرے بچوں کا ہے تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے نفیس کی پراپرٹی میں اور نہ ہی میں تمہارا کوئی وارث پیدا ہونے دوں گی۔" کنول نے غصیلے لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور فون بند کر دیا۔

"وارث تو ضرور پیدا ہوگا انشاء اللہ۔" عینی نے ریسیور رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے اپنی طبیعت میں کئی دن سے کچھ فرق محسوس ہو رہا تھا۔ مگر اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ نفیس سے یا امی سے کیسے کہے' حیا آڑے آ رہی تھی۔

"اب کیا کہا محترمہ کنول صاحبہ نے؟" ردا نے پوچھا تو وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"وہی پرانی تکرار' اب جائیداد میں میرے حصے سے انکاری ہیں' بھئی جو یہ یہاں آ کر بات کریں بار بار فون کر کے مجھے ڈسٹرب کرنا چاہ رہی ہیں محترمہ۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ یہ چیک کرنا چاہ رہی ہیں کہ کہیں آپ اُن کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر واپس نفیس بھائی کے پاس تو نہیں چلی گئیں اور ان کے ساتھ تو نہیں رہ رہیں۔" ردا نے سوچتے ہوئے بڑے پتے کی بات کہی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" عینی نے کہا تو وہ بولی۔

"تو کیا کیا جائے اگر آپکی غیر موجودگی میں ان محترمہ کا فون آ گیا تو کیا کہوں گی میں؟ یا فون کسی اور نے ریسیو کر لیا تو کیا ہوگا؟ انہیں پتا چل جائے گا کہ آپ کی نفیس بھائی سے صلح ہو گئی ہے تو وہ اور زیادہ جل اٹھیں گی۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی ردا! کہ اللہ تعالیٰ نے جب مرد کو چار شادیوں کی اجازت اور طاقت دی ہے تو عورت میں اپنے شوہر کی دوسری بیوی کو بخوشی قبول کرنے کا ظرف نہیں رکھا ہوگا کیا؟ عورت اپنے شوہر کی دوسری شادی' دوسری بیوی کو برداشت کرنے کی طاقت کیوں نہیں رکھتی؟ جس بات کی اجازت ہمارے مذہب نے ہمیں دی ہے ہم اس پر عمل کیوں نہیں کرتے حالانکہ ردا! نفیس تو کنول آپا کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میری ان سے محبت اور قربت تو کنول آپا کے لندن جانے کے بعد ہوئی تھی' اس سے پہلے تو نفیس کا آفس کے علاوہ جو بھی ٹائم ہوتا تھا وہ کنول آپا اور بچوں کے ساتھ ہی گزارتے تھے۔ میرا بھی تو نفیس پر اتنا ہی حق ہے جتنا کنول آپا کا لیکن وہ یہ حقیقت تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں' شوہر کی نظروں میں اچھی بن گئیں اور میری زندگی میں زہر گھولنے کا سامان کرنے لگیں۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلا ہے انہوں نے۔ اللہ جانے آنے والا کل میرے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے' مجھے تو اس شادی کو ہر صورت کامیاب بنانا ہے' یہ میری ہی نہیں امی کی' اس گھر کی بھی عزت کا سوال ہے' دعا کرو ردا! خدا مجھے حالات کی سوجھ بوجھ اور ان سے بہتر طریقے سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا فرمائے۔"

"آمین! انشاء اللہ آپ اس آزمائش میں ضرور سرخرو ہوں گی۔" ردا نے دل سے کہا اور اسے گلے سے لگا لیا۔

(جاری ہے)

☆

انعم خان

قسط نمبر 7

مکمل ناول

اس دل میں بس تم ہو

مہ روش کو سمجھنے کا موقع دیے بغیر پریشے اس کو کہنے لگی۔

"لگتا ہے باہر آپ کو لے جانے کے لیے کوئی آگیا ہے"۔ کہ باہر سے باتوں کی آوازیں آنے لگی تھی' جسے مہ روش نے



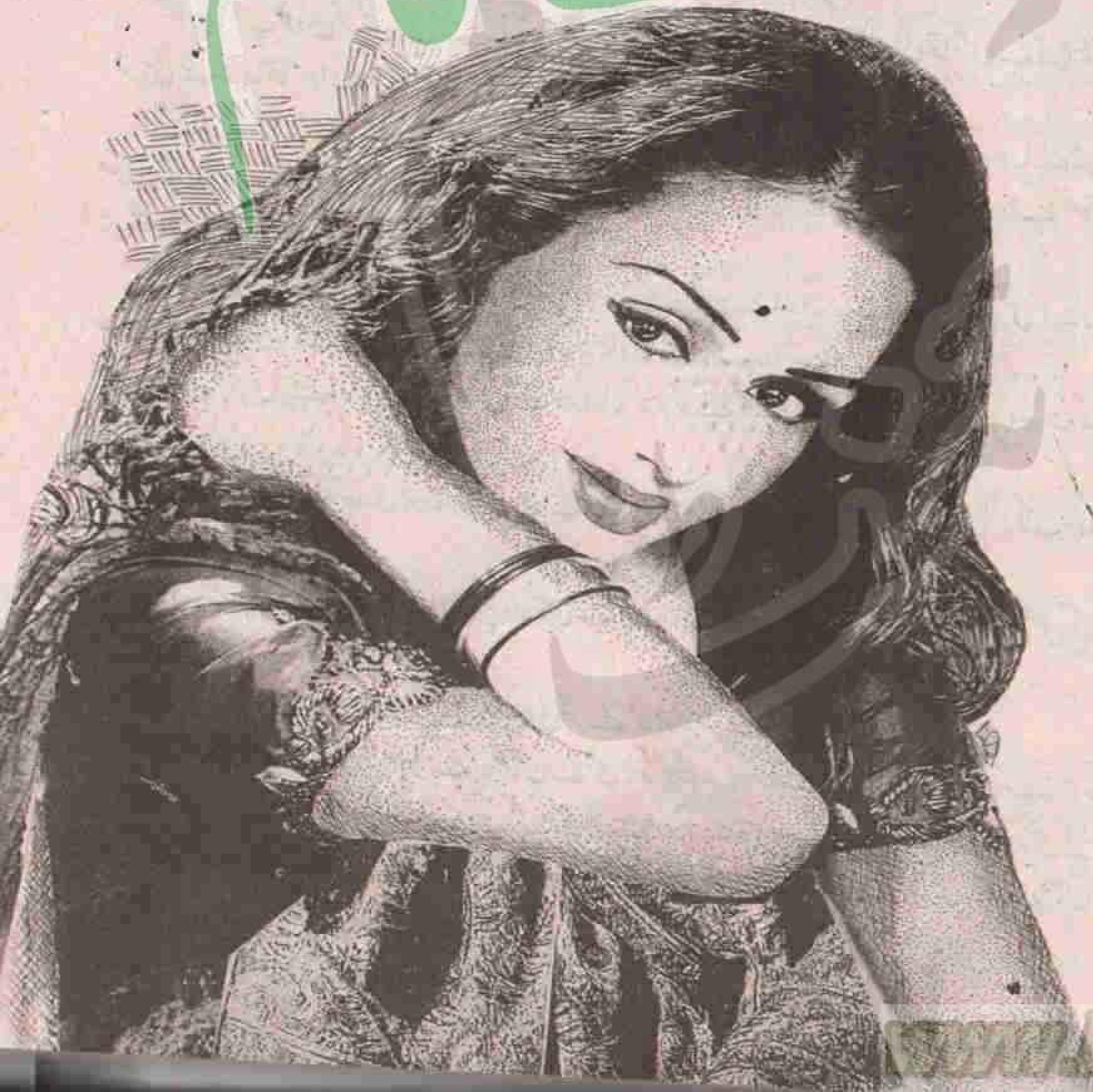
اس کے بتانے پر بغور سننا چاہا البتہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

"چلیں......" پریشے نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا' اس نے یونہی بے خیالی میں سر اثبات میں ہلایا' دونوں آگے پیچھے باہر نکلیں۔ لاؤنج میں مراد منصور کی آمد سے ہلچل مچی ہوئی تھی' مراد کی نمایاں شخصیت سبھی کی توجہ کا مرکز بنی تھی' پریشے آگے بڑھ چکی تھی' جبکہ مہ روش کی منتظر نگاہیں بے چین دھڑکنوں کو قرار پہنچاتی' دید کی پیاس مٹاتی' انبساط کے رنگوں سے یک دم جھکیں تھیں' لب بھی دھیرے سے مسکرائے تھے' دل میں پنپتی محبت خوشگوار احساس سے مہکتی' چاہت میں شدت لاتی اس کے روم روم پر پھیلنے لگی' ساتھ ہی ڈھیروں شرم من میں سراہیت کرنے لگی' وہ قلبی جذبات و گنگناتی اکھیوں سے آگے بڑھی ابھی تو ابتداء تھی خوبصورت ابتداء۔

"اسلام علیکم!" اس نے مراد کی نظر خود پر پڑتے ہی خوشگوار لہجے میں سلام کیا' دل شاد تھا' دھڑکنیں مطمئن سی رواں تھیں۔

"وعلیکم اسلام!" مراد نے اسی کے انداز میں سلام کو شرف قبولیت بخشا۔

"کیسی ہو......؟" پھر اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں مدھم مسکراہٹ کے ساتھ استفسار کیا۔



''ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟''

''آئی ایم فائن''۔ اب کہ مختصر بولا' پھر ایک بھرپور نظر سے اس کا مکمل جائزہ لیتا سعید ماموں کی طرف متوجہ ہوا' مہ روش اسی میں خوش تھی' اس کی آمد اس کی دید سے نہال ہوتی پریشے کے ہمراہ کچن کی طرف بڑھی' پریشے نے کن اکھیوں سے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے کہنی ماری پھر معنی خیزی سے مسکراتی آگے بڑھی' مہ روش نے اس کی حرکت پر ہونٹ سکیڑتے ہوئے اسے گھورا پھر خود کی کیفیت کو سنبھالتی نفیسہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل سیٹ کرنے لگی۔

☆

لمحہ لمحہ خوشگوار گزر رہا تھا' عثمان اور تیمور کچھ دیر پہلے آ چکے تھے وہ خلاف معمول مسکراتے لب و لہجے کے ساتھ انہی سے مصروف تھی' جس پر وہ خاصے حیران بھی ہوئے تھے مگر ظاہر ہرگز بھی نہیں کیا تھا کہ فلک کی طبیعت' عادت و غصے کا کچھ بھید نہ تھا' اگر کوئی بات کوئی جملہ اسے ناگوار گزرتا تو اسے آگ بگولہ ہونے میں ایک سیکنڈ بھی مشکل سے لگتا تھا۔

''آپی جی...... جلدی کریں''۔ تیمور فلک کی طرح بھوک کا خاصہ کچا تھا۔

''اچھا...... پہلے تم ایسا کرو کہ فریج سے کھانا نکال کر گرم کرلو جب تک میں روٹیاں بناتی ہوں''۔ وہ آہستگی سے کہتی بڑے مصروف انداز میں بولی' ساتھ ہی آٹا لے کر پیڑا بنانے لگی۔

''آپی! آپ خود ہی کرلیں ناں' میں نے آج تک یہ کام نہیں کیا''۔ تیمور بھی اسی کا بھائی تھا جس نے آج تک خود اٹھ کر پانی تک نہ پیا تھا' سو اسے ہی کہتے ہوئے اپنی جان بچانی چاہی۔

''تو میں نے آج سے پہلے یہ کام کب کیے ہیں' زندگی میں پہلی بار روٹیاں بنانے جا رہی ہوں اور ایسے میں دھیان صرف ایک طرف بھی ہو تو بڑی بات ہے' اگر کھانا گرم کرنے لگی تو یقیناً روٹیاں جل جائیں گی''۔ جواباً وہ اپنے مخصوص انداز میں تفصیلاً بولی' انداز میں الجھن تھی۔

''بے شک''۔ عثمان نے فوراً کہا ساتھ ہی ہنسی روکنے لگا جو بہن کے انداز پر بے ساختہ چھوٹی تھی کہ نہ روکنے کی صورت میں بہت سی باتیں سننے کے علاوہ تھپڑ بھی ضرور پڑتا اور بھوک الگ برداشت کرنی پڑتی۔

''تو ایسا کریں پہلے روٹیاں پکالیں اس کے بعد کھانا گرم کرلیجئے گا''۔ جبکہ تیمور کو اپنی فکر تھی برادرانہ انداز میں صلاح دی۔

''کیوں نوکر ہوں میں تمہاری جو سارا وقت چولہے کے سامنے کھڑی تمہاری خاطر مدارات کروں''۔ فلک کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

''کیسی بہن ہیں آپ...... بھائی کی ذرا پرواہ نہیں ہے''۔ وہ ناراضگی دکھانے کی کوشش میں اسے ایموشنلی بلیک میل کرنے لگا۔

''اچھا جی کہہ تو ایسے رہے ہو جیسے تمہیں میری بڑی فکر ہے''۔ جواباً طنز سننے کو ملا۔

''اسے صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے''۔ عثمان نے بھی تیمور کو نشانہ بنا کر فلک کے ہاتھوں اس کی درگت بنانا چاہا۔

''جی نہیں...... مجھے اپنی اکلوتی لاڈلی بہن کی بھی بڑی فکر ہے اور تم سے زیادہ ہے''۔ تیمور نے عثمان کی درستگی کی' ساتھ ہی فلک سے اپنا دلی اظہار ظاہر کرتے ہوئے مکھن لگانے کی کوشش کی کہ شروع سے دونوں میں کم بنتی ہے جسے عثمان بخوبی جانتا تھا' اور جسے لے کر وہ دونوں میں ان بن کرواتا تھا۔

''اچھا تو مدد کرو اس کی''۔ عثمان نے اسے پھنسایا۔

''ہاں ہاں...... ضرور کروں گا''۔ وہ فوراً مجبوراً بولا کہ محض ایک انکار دن بھر بھوکے رہنے کے لئے کافی ہوتا۔

''تو انتظار کس بات کا ہے' کھانا نکالو اور گرم کرو' آج ناشتہ بھی نہیں کیا تھا' بھوک زوروں پر ہے''۔ عثمان نے جلدی مچائی۔

''ناشتہ میں نے بھی نہیں کیا تھا''۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

''خیر ساری کسر پوری کرلینا اپنی اکلوتی لاڈلی بہن کے ہاتھ کی روٹیاں کھا کر''۔ وہ تیمور کو چھیڑنے کے لئے مسکرا کر بولا۔ فلک جو دونوں کی گفتگو سے محظوظ ہوتی ہنس رہی تھی روٹی توے پر ڈال کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''مسٹر عثمان...... تم کچھ زیادہ ہی اوور اسمارٹ بن رہے ہو' اینڈ زوروں کی بھوک کا جلد علاج میرے پاس ہے' میں روٹیاں پکاتی ہوں' تیمور کھانا گرم کرے گا جب تک تم ڈائننگ ٹیبل سیٹ کرو' جتنی جلدی مل کر کام کریں گے اتنا ہی سب کے لئے اچھا ہوگا' اٹھو شاباش جلدی کرو''۔ پھر اسے حکمیہ کہا۔ تیمور زور سے ہنسا اور فریج کی طرف بڑھا اب کہ عثمان نے منہ بسورا تھا۔

''یہ کام لڑکیوں کے کرنے کے ہوتے ہیں''۔ پھر فلک کو سیدھے لفظوں میں نکمے پن اور جند بچاؤ کہنے کے بجائے احتجاج کرنا چاہا۔

''اچھا جی...... اپنی باری آئی تو لڑکے' لڑکی کا تذکرہ شروع کردیا اور میری دفعہ ایموشنل سین کری ایٹ کرکے مجھ سے کھانا گرم کرواتے وقت یہ نہ سوچا کہ یہ کام بھی لڑکیوں کے کرنے کے ہوتے ہیں''۔ جس پر فلک کے بجائے تیمور نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''تمہاری بات اور ہے''۔ وہ صاف بولا۔

''کیا مطلب......؟'' تیمور حیرانگی سے چیخا۔

''بس کرو تم دونوں''۔ فلک نے دونوں کو ٹوکا۔

''دیکھ لیں آپی...... عثمان آپ کی بات نہیں مان رہا''۔

''نہیں مان رہا تو نہ مانے' میں بھی ایک ذرا بھی کوئی چیز ٹچ کرنے دوں تو میرا نام فلک شاہ نہیں''۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں صاف بولی' عثمان نے تیمور کو گھورا۔

''لگا رہا ہوں برتن''۔ پھر گویا ہار مانتے ہوئے بولا۔

''یہ ہوئی نہ بات''۔ فلک نے خوشی کا اظہار کیا کہ یوں اس نے دونوں سے کام کروا کے اپنا کام گھٹا دیا تھا' پھر روٹی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ارے یہ کیا......؟'' کہ معاً تیمور کی حیرت میں ڈوبی آواز ابھری' عثمان بھی جلدی سے حیرانگی کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔

''کیا ہوا''۔ فلک بھی اس کی بے ساختگی پر چونکی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے توے کی طرف اشارہ کیا۔

''روٹی ہے...... نظر نہیں آرہا''۔ اب کہ وہ تیمور پر چیخی۔

''سچ میں''۔ وہ بے یقین تھا۔

''کیا مطلب......؟''

''مجھے تو یہ کوئی نقشہ لگ رہا ہے' کس ملک کا نقشہ ہے آپی......'' تیمور نے بے حد سنجیدگی سے معصومانہ انداز

اپنایا' ساری زندگی فہمیدہ بیگم کے ہاتھ کی گول روٹیاں دیکھنے و کھانے کو ملیں تھیں اور آج فلک کی زندگی کی پہلی روٹی کو دیکھ کر گویا اسے حیرت ہوئی تھی کہ کیا روٹی اس شکل کی بھی ہوتی ہے؟ عثمان بھی ملاحظہ فرما کر قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا' فلک کا پہلا تجربہ تھا' سو اس طرف دھیان نہ دیا' البتہ تیمور کی بات پر غور کر کے سمجھتے ہوئے فطرت و عادت کے عین مطابق یک دم غصے سے لال بھبھوکا بنی اور پلٹ کر ایک زوردار تھپڑ اس کی کمر پر رسید کیا' وہ بے چارہ اچانک افتاد پر کراہ کر رہ گیا۔

''بکواس بند کرواپنی...... اور اپنا کام کرو''۔ ساتھ ہی چلائی' عثمان فوراً سے پہلے اپنے کام کو بھاگا تیمور نے بھی خاموشی سے رخ پھیرا۔ البتہ دو منٹ پہلے کچن میں داخل ہوتے مشارب شاہ کے قدم بہن بھائیوں کی گفتگو و نوک جھونک پر رکے تو وہ وہیں دروازے میں ایستادہ ہو کر دلچسپی سے انہیں دیکھنے لگا' اتنے میں فلک توے سے روٹی اتارتی پلٹی تو اسے سامنے پا کر چونکی۔

''آپ......'' پھر ایک ہی لفظ خاصی حیرانگی سے ادا کیا۔

''جی میں......'' وہ اندر چلا آیا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ یہ کس ملک کا نقشہ ہے؟'' پھر شوخ سے لہجے میں مسکرا کر پوچھنے لگا' وہ کچھ نہ بولی' بولتی بھی کیا؟ عجلت میں ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی' اندر دل بھی زوروں سے دھڑکا تھا' آنکھیں جھکنے لگی تھیں۔

''بتاؤ نا''۔ وہ اس کے قریب چلا آیا' عثمان اور تیمور سرسری نظر ان پر ڈالے اپنا اپنا کام کرنے لگتے اور بنا آواز مسکرا بھی رہے تھے۔

''بنا کر بھول گئی ہو یا پتہ ہی نہیں ہے''۔ مشارب شاہ ہمیشہ کی طرح جرح کرتا شوخی سے پوچھنے لگا' اس امید کے ساتھ کہ جواباً ہی یہی انداز دیکھنے و سننے کو ملے گا' جو فلک اس کے مقابل اپناتی تھی۔ مگر یہ کیا...... ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا' فلک کی جانب مکمل سکوت تھا۔

مشارب نے حیرت سے بھوئیں سکیڑیں اور بنا غور کئے اندازہ لگائے بغیر ہاتھ کی انگلیوں سے اس کی ٹھوڑی اوپر کرنے لگا۔

''بتاؤ نا فلک شاہ......'' پھر نظریں اس کے چہرے پر گاڑے دوستانہ لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

''پتہ نہیں......'' تو وہ سرعت سے کہتی پلٹی اور پیڑا اٹھا کر روٹی بیلنے لگی کہ آج مشارب کا انداز تو وہی پرانا جانا پہچانا تھا مگر اسے محسوس کرنے کا انداز بالکل نیا لگ رہا تھا' مشارب کی آنکھیں دیکھنے کا انداز بھی وہی تھا مگر فلک کو ان کی تپش اپنی بدلتی کیفیت کی بابت شرمانے پر مجبور کرنے لگی تھی۔

''پتہ نہیں''۔ البتہ مشارب نے سرسری انداز میں اس کے الفاظ دہرائے پھر زیر لب مسکراتے ہوئے آگے بڑھا اور اس کے بالکل قریب ہوا۔

''بہر حال کوشش اچھی ہے' نقشوں سے ہی دنیا گول سوری...... روٹی گول بنے گی''۔ پھر کہا' تیمور اور عثمان نے فلک کے ڈرسے دھیما سا قہقہہ لگایا۔ وہ ہنوز کچھ نہ بولی کہ سارا دھیان دل کی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی طرف تھا۔

''امی اور چچی جان کہاں ہیں؟''

''مارکیٹ گئی ہوئی ہیں''۔ وہ سنبھل کر بتانے لگی۔

''جبھی تم سگھڑ بنی ہوئی ہو''۔ مشارب شرارت سے بولا۔

''مجبوراً''۔ تیمور نے ٹکڑا جوڑا۔

''وہ بھی صرف نام کی''۔ جبکہ عثمان نے سرد آہ بلند کی۔

''مطلب......؟'' مشارب مصنوعی حیرانگی سے بولا۔

''نقشے بنانا تو بہت آسان ہے' کھانا گرم کرنا بھی مسئلہ نہیں پر ڈائننگ ٹیبل سیٹ کرنا اللہ معافی مجھ بے چاری کو سخت خو بہن کے ہاتھوں بھوکا رہنے کی دھمکی سے لڑکیوں کے کام کرنے پڑ رہے ہیں' سوچا بھی نہیں تھا کہ ماں بہن کے ہوتے ہوئے یہ کام کرنا پڑے گا''۔ وہ تفصیلاً سے کہتا معصوم شکل بنانے لگا' مشارب نے اس کے دکھڑے پر افسوس ظاہر کیا' جبکہ فلک نے مشارب سے نظر چرا کر اسے گھورا۔ زبانی کلامی یا ہاتھا پائی سے خود کو بمشکل روکا تھا' جو یقیناً ان تینوں کے لئے نیا تھا' مگر فی الوقت کسی نے بھی غور نہ کیا۔

''میں بھی آپی کے ظلم کا نشانہ بنا ہوا ہوں''۔ تیمور کو اپنی فکر تھی۔

''اینی ویز...... میری فلک کے لئے نقشہ بنانا بھی بہت ہے' تم دونوں اس کی ہیلپ کرو' میں ڈریس چینج کر کے آتا ہوں پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں''۔ وہ خوشگوار سے موڈ میں کہتا چلا گیا تھا۔ فلک کا ذہن فوراً سے سوچنے میں مصروف ہوا۔

''میری فلک......'' مشارب کے یہ الفاظ...... جو اس نے دانستہ یا نادانستہ جیسے بھی کہے تھے' جس انداز میں' جس خیال سے بھی کہے تھے ان سے قطع نظر فلک کے لبوں پر مسکراہٹ بہت گہری ہوگئی تھی' اس کا احساس سوچتے سمجھنے میں اس کے لئے بہت خوبصورت تھا' وہ آرام سی کام میں مگن ہوگئی جلدی جلدی مزید نقشہ نما روٹیاں بنائیں' کچھ ہی دیر میں مشارب چینج کر کے ان کے درمیان موجود تھا' چاروں نے کھانا کھایا اس دوران وہ تینوں فلک کو چھیڑنے' تنگ کرنے میں مصروف رہے مگر نہ وہ تنگ ہوئی نہ چڑی۔

''چائے بناؤں''۔ کھانے سے فراغت کے بعد امی کی ہدایت کے مطابق اس نے مشارب سے پوچھا' عثمان اور تیمور جا چکے تھے۔

''تم بناؤ گی؟'' وہ بری طرح چونکا کہ آج سے پہلے تو نہ کبھی اس نے چائے بنائی تھی نہ جھوٹے منہ کسی سے پوچھا تھا۔

''کوئی اعتراض ہے؟'' وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

''نہیں تو......؟''

''تائی امی کہہ کر گئی تھیں''۔ وہ بتانے لگی۔

''اوہ...... یہ بات ہے میں سمجھا کہیں تم سمجھدار ہوگئی ہو''۔ وہ یک دم ہنسا' انداز میں شرارت تھی۔

''تو کیا میں سمجھدار نہیں ہوں؟'' وہ ناراض ہوئی۔

''نہیں تو''۔ وہ فل موڈ میں تھا۔

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' فلک کا ہر روپ اس کی محبت سے نکھر چکا تھا' سو انداز میں پیار چھپائے اپنے سابقہ رویئے میں لوٹی۔

''بہت اچھا؟''

''پھر تو بہت بڑے پاگل ہو''۔ وہ ہنسی۔

''تم سے کم ہی ہوں''۔ دونوں اپنی ٹون میں تھے۔

''پر ہو تو سہی...... خود اعتراف کیا ہے''۔ فلک نے بات پکڑی۔

''بہت چالاک ہوگئی ہو تم''۔ جس پر وہ بولا۔

''خیر تو ہے یا کام کی سوچ نے ایسا بنا دیا ہے؟''

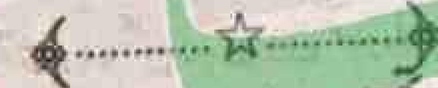
''میں شروع سے ذہین ہوں؟'' وہ اترا کر بولی۔

"جبھی انگلش میں ٹاپ کیا ہے"۔ مشارب نے فوراً طنز سے اسے باور کروایا وہ سب جو اس پر ستم گرا گیا تھا۔

"اچھا بس بس...... جو پوچھا ہے اس کا جواب دو چائے پیو گے یا نہیں؟" وہ اثر لئے بنا کڑک انداز میں بولی۔

"تمہارے ہاتھ کی تو ضرور پیوں گا"۔ وہ مسکرا کر بولا' انداز و لہجہ میں استحقاق کی جھلک اور شوق تھا۔ جبھی پھر فلک کا دل الگ لے پر دھڑکا' یہ ایک جملہ اس کی زبان پر تالا لگا گیا تھا کہ محبت میں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نئے مسافر کے لئے بہت خوش گوار و جذبیت سے تر ہوتی ہے۔

"میں کمرے میں جا رہا ہوں' چائے وہیں لے آنا"۔ مشارب کہتے ہوئے چلا گیا اور وہ اثبات میں سر ہلاتی چائے بنانے کے لئے پلٹی۔



مہ روش کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی' مراد منصور اس کے سامنے تھا' باقی سب لاؤنج میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے اور وہ دونوں کھلے آسمان کے نیچے چھت کے ایک کونے میں چاند کی چاندنی میں اکیلے موجود خاموشی میں جکڑے تھے' مراد کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار تھے' جو شروع ہی سے اس کی شخصیت کا خاصہ تھی جبکہ ماہی اس کے قرب میں مسرور سی تھی' سماعتیں مراد کو سننے کے لئے بے حد بے تاب تھیں اور آنکھیں چپکے چپکے اس کے تاثرات اس کی آنکھیں پڑھنے کی جستجو میں مگن تھیں۔

"سومہ روش...... اسٹڈی تو تمہاری کمپلیٹ ہو چکی ہے اب جاب تو تمہیں کرنی نہیں ہے یا پھر گھر میں ہی رہو گی......؟" بہت سوچنے کے بعد مراد نے بات کا آغاز کیا۔

"جی......" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مختصراً کہا۔ مراد نے ایک نظر ارد گرد دوڑائی پھر اسے دیکھا وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی' مراد قدرے توقف کے بعد آہستگی و نرمی سے بولا۔

"مجھے تم سے سوری بھی کہنا ہے"۔

"سوری...... کس لئے؟" وہ چونکی حیرت سے پوچھا۔

"اس لئے کہ اسلام آباد میں تمہیں ملنے کا کہہ کر بھی بنا ملے بنا بتائے چلا آیا' دراصل ضروری کام پیش آ گیا تھا سو مجبوراً واپس لاہور آنا پڑا' ورنہ تم سے ملے بغیر واپسی کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا' ایکی ویز آئی ایم رئیلی ویری سوری"۔ وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں کہتا اسے حقیقتاً حیران کرتا آخر میں معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔

"اٹس او کے"۔ مہ روش کچھ مزید حیران ہوئی خود کو نارمل رکھتے ہوئے دھیرے سے مسکرا کر بولی۔

"تھینکس"۔ وہ ہلکا پھلکا ہوا۔

"ایک بات پوچھوں؟" پھر اس سے استفسار کرنے لگا۔

"جی پوچھیں......" اسے بھلا کیا اعتراض تھا۔

"سچ سچ بتاؤ گی؟"

"جی......"

"میرے بتانے کے باوجود نہ آنے پر تم نے میرا انتظار کیا تھا؟" مراد نے مسکراتے ہوئے گہرے اشتیاق سے پوچھا' سوال بالکل غیر متوقع تھا' مہ روش نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر نگاہوں کا رخ دوسری جانب کیا اور سوچنے لگی کہ دماغ کی رائے لینی بھی از حد ضروری تھی ورنہ دل نے تو جھومتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی تھی کہ محبت کا فرشتہ یک طرفی کو دو طرفہ بنانا چاہتا تھا۔

"جی......" پھر توقف کے بعد بالآخر اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا یہ دوسرے لفظوں میں دل میں پنپتی محبت کا اظہار کر ڈالا جس سے مراد کے چہرے پر دلنشین سی مسکراہٹ پہلے سے مزید گہری ہوئی کہ گویا وہ یہ سب پہلے سے توقع کئے بیٹھے تھا۔

"کیوں کیا تھا؟" پھر شرارت سے شوخ لہجے میں پوچھنے لگا' مہ روش نے اس کے لہجے سے شوخی کا اندازہ لگایا تو ڈھیروں شرم آئی آنکھیں خود بخود جھکنے لگیں' مراد منصور دلچسپی سے اسے دیکھتا لطف اندوز ہوا تھا۔

"میرے خیال میں' میں وجہ جانتا ہوں"۔ پھر لہجے میں سرشاری لاتے ہوئے خود ہی اسے بتانے لگا' وہ کچھ نہ بولی البتہ دل زوروں سے دھڑکا تھا' اندر کچھ بہت خاص محسوس کیا تھا' اور گویا دماغ نے دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی کا عندیہ دے دیا تو اندر ڈھیروں سکون و طمانیت اترتی محسوس ہوئی' مراد کے سادہ سے جملے نے اس کی محبت کو اپنی سنگت کا یقین دلا دیا تھا' وہ لب بھینچے مدہوش ہونے کو تھی۔

"ہم کل واپس چلے جائیں گے"۔ مراد نہایت گہرائی سے اسکا جائزہ لیتا اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتا سنجیدگی سے بات بدل گیا۔

"اتنی جلدی......" جبھی بے ساختہ اس سے یہ دو الفاظ ادا ہوئے' مراد کھلکھلا کر ہنسا۔ وہ خجل سی نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔

"میرا مطلب ہے کہ پھپھو اتنے عرصے بعد آئیں ہیں' ابھی تو مجھے ہم سب کو ان سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں"۔ پھر جلدی سے وضاحت دینے لگی۔

"صرف امی سے یا......؟" مراد معنی خیزی سے پوچھتا بات ادھوری چھوڑ گیا' وہ بری طرح کنفیوژ ہوئی۔

"سب سے......" پھر خفت مٹانے کے لئے بولی۔

"مجھ سے بھی......؟" مراد معمول سے ہٹ کر آج پہلی مرتبہ اتنے شوخ موڈ میں گفتگو کر رہا تھا' ورنہ تو وہ شاذ و نادر ہی کسی سے غیر سنجیدگی کی فضا بحال رکھنے کا قائل تھا' اول تو مہ روش حیران تھی مگر دل و دماغ نے اسے ریلیکس کر دیا تھا کہ یہ سب یقیناً دونوں اطراف دلوں میں موجود محبت کے احساس کی بدولت کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

"جی"۔ سو اقرار کر گئی۔

"تھینکس...... بہر حال جانا تو ہے' اگر جاؤں گا نہیں تو واپس بینڈ باجے سمیت اپنے دل کی ملکہ کو لینے کیسے آؤں گا"۔ وہ سہولت سے بولا مہ روش نے اب کہ لبوں کو جنبش نہ دی۔

"امی' ماموں سب کتنے خوش ہیں' تین سال دونوں گھروں میں دوریاں' رنجشیں آئیں ان کی وجہ وقار اور سزا باقی سب کو مل رہی تھی' جبکہ ادینہ بھی اپنے گھر میں خوش ہے پھر خود ساختہ دشمنی اور کثافتیں حائل رکھنا اپنے ساتھ زیادتی ہوئی' میں نے بہت سوچا پھر فیصلہ کیا کہ سب کو قریب لانے کے لئے کم از کم مجھے کچھ کرنا چاہئے' میں امی کو خوش دیکھنا اور ماموں کو وقار کی وجہ سے ملنے والی شرمندگی و اذیت سے نکالنا چاہتا تھا سو امی کو لئے یہاں آیا' کچھ دلی خواہش بھی تھی' مراد سنجیدگی سے بات بدل کر آہستگی سے بول رہا تھا۔

"سب کو خوش دیکھ کر میں بہت خوش ہوں اور میں اس خوشی کو مستقل دیکھنا چاہتا ہوں' خونی رشتوں کو پائیدار بنانا چاہتا ہوں' جس کے لئے دل کی بات زبان پر لانا بھی ناگزیر ہو چکا ہے"۔ مہ روش اسے بغور حرف حرف سن رہی تھی۔

"جس رشتے کو وقار نہ نبھا سکا اسے میں نبھانا ضروری سمجھتا ہوں' امی' ماموں سے اس سلسلے میں بات کر چکی ہوں گی مگر میں پھر بھی تم سے اپنے دل کی بات کہہ کر تمہارے دل کی بات سننا چاہ رہا ہوں گا"۔ مراد کے لہجے میں کچھ بہت خاص تھا'

جسے وہ محسوس کرتی کچھ نہ کچھ سمجھ گئی تھی۔

”میں نے شروع سے اپنے دل میں تمہارے لئے کچھ بہت خاص محسوس کیا تھا مگر زبان پر کبھی نہ لا سکا‘ اپنے لئے تمہاری آنکھوں میں بھی کچھ بہت خاص دیکھنا چاہتا تھا اسی دوران وقار اور ادینہ کا رشتہ طے ہوا تو مجھے وثوق سا ہونے لگا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا‘ میری خواہش کی تکمیل ہو گی‘ تم با آسانی میری زندگی میں شامل ہو جاؤ گی مگر قسمت...... وقار نے رشتے سے انکار کر کے میری محبت کو آزمائش میں ڈالا‘ تین سال میں نے اذیت میں گزارے تب قسمت مہربان ہوئی تو ہمت کر کے تمہیں اپنانے چلا آیا کہ یوں مجھے میری محبت میری زندگی مل جائے گی اور امی اور ماموں بھی پھر سے ایک ساتھ ہوں گے“۔ مراد حرف حرف جذبات میں ڈوبا پہلی مرتبہ حال دل اس پر عیاں کر رہا تھا‘ اپنے لئے مراد کی محبت کا انکشاف اس کے لئے خوشگوار تھا‘ خوبصورت تھا‘ بہت دلنشین تھا‘ اسے اپنی محبت مراد کی محبت کی سنگت سے امر ہوتی معتبر دکھائی دی تو آنکھوں میں رنگ اترنے لگے‘ چاند کی چاندنی اس کی سانسوں کو مہکانے لگی تو ہونٹ بھی بجلی مسکراہٹ سے سج گئے‘ مراد کے چہرے پر بھی طمانیت کے رنگ بکھرے تھے‘ آگے بڑھ کر اس نے مہ روش کا ہاتھ تھام لیا وہ سرشار سی لاج و شرم سے نظر نہ اٹھا سکی۔

”ماموں کے کسی بھی جواب سے پہلے میں تمہارے جواب کا متمنی ہوں‘ مہ روش...... کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟“ پھر دوزانو اس کے سامنے بیٹھ کر دل کی گہرائیوں سے پوچھنے لگا۔ محبت تو کب کی اس کے دل میں بسیرا کئے بیٹھی تھی اور یقیناً یہ سب خاندان والوں کی خواہش اولین بھی تھی کہ دونوں گھروں میں دوبارہ سے تعلق استوار ہو جس کے لئے یقیناً سعید صاحب بھی اس رشتے سے انکار نہیں کریں گے اور یہاں سب سے ہٹ کر بات مہ روش کے اپنے دل کی تھی‘ تمام باتیں اپنا پیار ذہن میں رکھ کر بالآخر اس نے اپنا سر دھیرے سے اثبات میں ہلاتے ہوئے مراد کو زندگی کی نوید سنائی۔

”تھینک یو سوچ مہ روش...... آئی ریئلی لو یو ڈیئر“۔ مراد نے اٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر دباؤ بڑھا کر چاہت سے کہا تھا‘ دونوں کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

☆

رات کی تاریکی میں تنہائی اس کے سنگ کھڑی تھی‘ اپنی بے بسی‘ یاسیت تڑپ پر وہ رنجور سا بالکل خاموش ویران آنکھیں لئے غیر مرئی نقطے پر نظریں گاڑے اپنی ہی ذات میں غلطاں تھا‘ اپنی ہی سوچوں سے اذیت میں گرتا دل کی بربادی‘ جذبات واحساسات کی بے قدری پر پرملال سا ضبط کی حدوں سے گزرتا ہر شے ہر نفوس سے متنفر‘ خود کو کرب کے منتشر سمندر کی بے رحم بے ہنگم موجوں کے سپرد کئے‘ بے چین دل‘ بے قرار روح‘ وہ ایسا تو ہرگز بھی نہ تھا‘ کچھ دن پہلے تک زندگی کو بھرپور انداز میں جینے کی خواہش رکھتا تھا‘ زندگی کے رنگوں میں رنگا ہر لمحے کو محسوس کرتا‘ آنکھوں میں اپنی الفت کے سپنے سجائے دل سے انہیں حقیقت کا رنگ دیتا‘ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہوتا‘ مطمئن پرسکون سا بندہ تھا‘ جسے خواہشوں کی تکمیل کی خواہش تھی‘ جو ہر خوشی کو خوشی سے اپنے اندر سموتا دل کے تخت پر اپنی ملکہ کو بٹھائے محبت کے سفر میں محو ہوا میں رقصاں تھا کہ زوروں کا جھٹکا لگا‘ محویت ٹوٹی‘ آنکھوں سے سپنے‘ خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھرے‘ حقیقت میں محبت کی تلخی سامنے آئی‘ دل میں بھی ارتعاش سا پیدا ہوا‘ تو تخت پر بیٹھی ملکہ نے محبت کو مذاق کہہ ڈالا‘ اس جنونی بے لوث بندے کو راہیں جدا کرنے کا عندیہ دے دیا‘ اس کی زندگی کے رنگ پھیکے کر دیئے‘ الفت کے سفر کو منزل کی آمد سے پہلے ہی تشنگی سونپ دی‘ وہ مجبور‘ بے بس سا بکھرتا چلا گیا‘ اپنی ذات‘ اپنی سوچوں میں الجھتا گیا‘ محبت میں مذاق کے ہاتھوں دل کو روگ لگا گیا‘ آنکھوں میں ویرانی اداسی اتارے اپنی قسمت کے سنگین کھیل سے لاکھوں گلے شکوے کرتا خدا کے حضور رو دیا‘ محبت میں ناکامی نے ضبط کی ہر حد پار کی‘ وہ چند ہی دنوں میں مرجھا سا گیا‘ اپنا خیال کیا رکھتا‘ حال سے بے حال ہونے لگا تھا ذہن

سوچ کر شل ہونے کو تھا تو روح و دل بھی کرب میں مبتلا تھے‘ وہ پورا دن عذاب میں رہتا‘ تو رات بھی کانٹوں پر گزرتی‘ ایسے میں صحت پر بہت برا اثر پڑنے لگا‘ ہر خوشی زندگی کے روٹھنے سے یاسیت میں بدلی تو ہر شے سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی کسی سے بات تک کرنے کو دل نہ چاہتا‘ کھانا بھی برائے نام کھاتا‘ وہ جو ساری عمر پرسکون نیند کے مزے لوٹتا تھا اب نا امید سا نیند سے بھی خفا افسردگی و ملال میں غرق رہنے لگا‘ تو ماں کا دل بری طرح کھٹکا‘ آج رات بھی اس نے یونہی گزاری رات جگے کی وجہ سے آنکھیں سوجھ چکی تھیں‘ چہرے پر بے آرامی کے آثار بہت نمایاں تھے‘ ناشتے کے وقت بھی صرف چائے کا کپ تھامے خالی الذہن بیٹھا تھا۔

”علی بیٹا! کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ ساجدہ گیلانی ماں تھیں‘ یک دم اندازہ لگا گئیں‘ فکر مندی سے استفسار کیا‘ آواز پر وہ زبردستی ذہن کو مائل کرتا سیدھا ہوا۔

”میں ٹھیک ہوں“۔ اور آہستگی سے کہا‘ نگاہیں ہاتھ میں پکڑے کپ پر مرکوز تھیں وہ بیٹے کے انداز و جواب سے مطمئن نہ ہوئیں۔

”کوئی بات تو ہے؟“

”کہا ناں مما میں ٹھیک ہوں‘ کوئی بات نہیں ہے“۔ وہ ٹالنے لگا کہ خود بھی تکلیف سے گزر رہا تھا اگر مما یا ڈیڈ کو خود پر گزرے ستم کی بھنک بھی پڑنے دیتا تو وہ اس سے زیادہ بات دل پر لیتے‘ علی آیان ان کا اکلوتا‘ لاڈلا بیٹا تھا‘ جس سے وہ دونوں بے حد محبت کرتے تھے‘ اس کی خوشی کے لئے جان تک دینے کو تیار رہتے تھے۔

”تم ٹھیک بالکل نہیں لگ رہے“۔ حسن گیلانی بھی بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے۔

”بیٹا! کوئی مسئلہ ہے تو پلیز ہم سے شیئر کرو“۔ ساجدہ گیلانی نے ممتا سے چور لہجے میں کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما۔

”کوئی مسئلہ نہیں ہے مما“۔ علی انہیں قائل کرنے کی غرض سے پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔

”آر یو شیور“۔

”یس آئی ایم شیور...... ایوری تھنگ از آل رائٹ...... ڈونٹ وری......“

”پھر اداس چہرہ‘ ویران آنکھیں کیوں؟“ حسن گیلانی نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے اسے ٹٹولنا چاہا‘ سو استفسار کیا۔

”رات نیند ٹھیک سے نہیں آئی اس لئے تھکن ہے“۔ وہ وجہ بتانے لگا۔

”ناشتے کے بعد کچھ دیر آرام کر لینا‘ یوں ہمیں بے چینی ہوتی ہے تمہیں بے سکون دیکھ کر“۔ ساجدہ گیلانی نے بڑے پیار سے اسے تاکید کی تو اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چائے کا آخری سپ لے کر کپ واپس رکھا۔ ساتھ ہی ہونٹ بھینچ لئے کہ یہ بے سکونی تو اب شاید تمام عمر کے لئے تھی۔

☆

سید جمال شاہ کا بے فکر‘ پر اعتماد‘ فخر سے بھرپور لہجہ اور آئندہ کے لئے ساتھ کی یقین دہانی مستبشرہ جمال کو اندر تک سرشار کر گیا تھا‘ ایک بیٹی‘ باپ کا اعتبار جیت کر خوش تھی‘ مطمئن تھی اور اب اپنے کئے کے عین مطابق حال میں رہتے ہوئے مستقبل کی سوچ رہی تھی‘ اپنے تمام خوابوں کی تکمیل کی جو آرزو اس کے دل میں تھی اسے منزل تک پہنچانے کی پلاننگ کر رہی تھی وقت موزوں تھا‘ سب کچھ اس کے اختیار میں تھا‘ قسمت بھی مہربان ثابت ہوئی تھی‘ آگے بڑھنے کی تمنا نے بڑی لگن سے جدوجہد کے لئے پر پھیلا دیئے تھے‘ اب ایک بہت اونچی اڑان اسے بھرنی تھی‘ اپنے خوابوں کو پا لینے کی‘ حقیقت میں جی لینے کی‘ ایک دو دن میں ہی اس نے مقامی اسکول میں جاب کے لئے اپلائی کر دیا تھا کہ اپنا

خود کا اسکول بننے میں کافی عرصہ چاہئے تھا' جب تک مستبشرہ نے ٹیچنگ پریکٹس اور ٹریننگ کے لئے باقاعدہ سے ایک اسکول جوائن کیا' اپنی اسٹڈی کے دوران اس نے مختلف کورس وغیرہ بھی کئے تھے کہ خواہش کی تکمیل کے لئے ایسا ضروری تھا' سو اس طرف سے بے غم تھی۔ صبح صبح اٹھ کر بڑی چاہ' جوش و جذبے سے تیار ہوتی' اماں بابا کے ساتھ ناشتہ کرتی' پھر اجازت لیتی خوشگوار موڈ میں خوشگوار فضا کو سانسوں میں اتارتی اپنی منزل کی جانب بڑھتے پہلے زینے کو بخوبی طے کرنے کی بھرپور کوشش کرتی' اسی دوران جاب اور اسکول کی تعمیر کی خبر مشارب تک پہنچی تو وہ کچھ ناراض خفا سا اس کے پاس دوڑا چلا آیا۔

''مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی مانا کہ تم بہت قابل ہو اپنے کام خود کر سکتی ہو مجھ ناچیز کی مدد کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے' بٹ چھوٹے منہ ہی کہتیں یا کم از کم اپنی خواہش مجھ سے شیئر کرتیں اپنے ارادے سے مطلع تو کرتیں''۔ نروٹھے لہجے میں گلہ کرنے لگا جس پر وہ نادم سی ہوئی تھی۔

''آئی ایم سو سوری مشارب...... واقعی مجھے تمہیں بلکہ سب کو بتانا چاہیے تھا''۔ سو معذرت کی۔

''اور نہیں تو کیا...... میں کوئی غیر تھوڑی نہ تھا' میں نے تو پہلے بھی تم سے کہا تھا کہ اگر میں تمہارے کسی کام آسکا تو مجھے خوشی ہوگی''۔

''ہاں''۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر مزید بولی۔

''لیکن جب میں نے بابا جان سے بات کی اور انہوں نے اجازت دی تو بچی...... خوشی کے مارے کسی کو بتانے کا یاد ہی نہ رہا' اگلے ہی دن اسکول میں ٹریننگ جاب کے لئے اپلائی کر دیا' اسکول کی زمین اور کنسٹرکشن کا کام بابا جان نے اپنے ذمے لے لیا تھا' سو بے فکری ایک طرف ہی محو ہو گئی''۔ وہ وضاحت دینے لگی۔

''اور ایسی محو ہوئی کہ ہمیں خود زبردستی تمہیں ہوش میں لانا پڑا''۔ وہ نارمل سے موڈ میں کہتا ہنسا۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ بھی مسکرائی۔

''اینی ویز جاب کیسی جا رہی ہے؟'' اس نے بات بدلی۔

''بہت اچھی جا رہی ہے''۔

''گڈ''۔ وہ بولا پھر اضافہ کیا۔

''فیلڈ تھوڑی ٹف ہے لیکن مزے کی ہے اور فارغ بیٹھنے سے تو خود کو مصروف رکھنا بہت اچھا ہے''۔ مشارب شاہ مستبشرہ کا فیصلہ سن کر اس کے ارادے سے خاصہ متاثر ہوا تھا' وہ خود پڑھا لکھا' آزاد خیال لڑکا تھا' سو اس بات کو بالکل بھی معیوب نہیں سمجھتا تھا کہ لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں' اپنے پاؤں پر خود کے بل بوتے پر کھڑی ہوں اور معاشرے میں اپنا نام مقام بنائیں اسی لئے وہ فلک کو بھی فورس کرتا رہتا تھا مگر فلک کی غیر دلچسپی نے اسے کسی حد تک مایوس کیا تھا' البتہ مستبشرہ کی لگن' محبت' قابلیت اور آگے بڑھنے کی جستجو نے مشارب کو اس کا دلدادہ بنایا تھا۔

''ہاں...... مجھے بھی فارغ بیٹھنا پسند نہیں ہے''۔ وہ بولی۔

''اور یہی بات مجھے تم میں اچھی لگتی ہے''۔ مشارب برجستہ بولا اب کہ مستبشرہ نے خاموشی سے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''ایک مرتبہ پھر سے کہہ رہا ہوں اگر کسی بھی جگہ' کسی بھی موڑ پر تمہیں میری مدد' میرے ساتھ کی ضرورت پڑی تو مجھے ضرور کہنا...... میں بخوشی حاضر ہو جاؤں گا''۔ وہ خوش دلی سے پیش کش کرنے لگا۔

''کیوں نہیں ضرور''۔

''اور پھوپھا جی کی طرف بھی چکر لگاؤں گا' زمین تو خیر اپنی ہے اس کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا البتہ کنسٹرکشن کا کام

ایک فرد کے لئے سر درد کے سوا کچھ نہیں' جب تک تمہارا اسکول نہیں بن جاتا میں ان کے ساتھ رہوں گا''۔ وہ خلوص دل سے بول رہا تھا۔

''تھینک یو مشارب''۔ کچھ دیر دونوں باتیں کرتے رہے پھر مشارب پھپھو کے پاس بیٹھنے کے بعد اٹھ کر چلا آیا' ہمیشہ کی طرح مستبشرہ سے ملاقات کے بعد واپسی پر اس کا موڈ خوشگوار تھا' گاڑی گھر کی طرف دوڑاتے ہوئے بھی وہ مستبشرہ جمال کے بارے میں سوچ رہا تھا بلکہ جانے انجانے میں اس کا فلک شاہ سے موازنہ کر رہا تھا' مستبشرہ کی تعلیمی قابلیت اور فلک کا تعلیم سے چڑچڑا پن' اکتاہٹ آمیز تاثر' وہ محض سوچ کر رہ گیا۔ شام کے سائے دھیرے دھیرے پھیل رہے تھے' موسم بھی سہانا تھا' ہلکی ہلکی ہوا بھی چل رہی تھی' گھر پہنچ کر گاڑی لاک کرتا وہ اندر کی طرف جاتے جاتے رک گیا' نظر لان میں ٹہلتی فلک پر ٹھہر گئی جو اپنے ہی خیالوں میں محو اردگرد سے بالکل بے نیاز تھی' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کی جانب بڑھا اسے آواز دی جسے شاید اس نے سنا ہی نہیں کہ سارا دھیان کسی اور طرف تھا' وہ قدرے حیران سا اب کہ کندھے اچکاتا آگے بڑھا' اسے بازو سے پکڑ کر دھیرے سے جھنجھوڑتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلانے لگا۔ فلک کی سوچوں میں ارتعاش سا پیدا ہوا تو وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی' ساتھ ہی ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آگئی۔

''کیوں جی فلک صاحبہ...... کہاں گم تھیں؟''

''تمہارے پیار میں''۔ برجستہ جواب دیا' مگر صرف دل میں' بظاہر خاموش رہی۔

''لگتا ہے کچھ بہت خاص سوچ رہی تھیں؟'' وہ فلک کی خاموشی پر دوستانہ لہجے میں شوخی سے استفسار کرنے لگا۔

''ہاں...... میرے لئے سب سے خاص تم ہی ہو''۔ سیکنڈ سے پہلے جواب دیتی ایک مرتبہ وہ پھر اس کے سامنے خاموشی کا لبادہ اوڑھے اندر ہی اندر بولی۔

''مجھے لگتا ہے تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے''۔ مشارب یک دم سنجیدہ ہوتا اسے بغور دیکھنے لگا۔

''اونہہ ہوں...... محبت کو مسئلہ نہیں کہتے' یہ تو بہت خوبصورت احساس ہے' زندگی جیسا' پھول' خوشبو' دھنک کے رنگوں جیسا حسین احساس''۔ ایک مرتبہ وہ پھر اس سے بڑے پیار بھرے انداز میں مخاطب ہوئی مگر چپکے سے دل میں اور آنکھیں چہرے پر پڑتی تپش محسوس کرتی جھک سی گئی تھیں' مشارب اصلیت سے ناواقف اس کی مسلسل چپ پر کچھ حیران سا نا سمجھی کے عالم میں دوبارہ بولا۔

''تمہارے ساتھ واقعی کوئی مسئلہ ہے''۔ اب کہ لہجے میں وثوق کی لہر تھی۔

''نن...... نہیں تو''۔ فلک نے اس کی بات پر بالآخر بظاہر خاموشی توڑی اور بوکھلاہٹ کے ساتھ یہ دو الفاظ ادا کیے۔

''ہاں تو......'' مشارب شاہ نے اپنی بات پر زور دیا۔

''نہیں تو......'' جبکہ فلک شاہ اپنی بات پر قائم تھی۔

''اگر کوئی پریشانی ہے تو تم مجھے بتاؤ؟'' وہ اس کے انکاری لہجے کو نظر انداز کرتا سنجیدگی سے استفسار کرنے لگا۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے''۔ فلک کو اس کا تفتیشی انداز بہت عجیب لگا کہ اسے کوئی پریشانی کوئی مسئلہ تھا کہاں یہ لاج و شرم یہ چپ پلکیں جھکانا تو سب محبت کا اثر تھا' سو فوراً کہہ ڈالا۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے بس تم سے محبت ہو گئی ہے''۔ مگر ایک مرتبہ پھر سے دل میں۔

''میں تمہارا دوست ہوں فلک! کہہ دو سب''۔

''کوئی خاص بات نہیں ہے''۔ مختصراً کہا۔

''میں نے محسوس کیا ہے تم بدلتی جا رہی ہو' پچھلے کئی دنوں سے چپ چپ سی رہنے لگی ہو' نہ کسی بات کا پہلے کی طرح جواب دیتی ہو نہ لڑتی ہو نہ ہنستی ہو' نہ مسکراتی ہو''۔ مشارب دوستانہ لہجے میں اسے کہنے لگا، فلک نے بغور اسے دیکھا یا شاید اسے کھوجنا چاہا' مگر اگلے ہی لمحے سر جھٹک کر خیالات کی دنیا سے مکمل طور پر باہر آئی۔

''روتی بھی تو نہیں ہوں''۔ اور اپنے سابقہ رویے کی ٹون سنبھالی۔

''مطلب؟''

''یہی کہ اگر میرے ساتھ کوئی مسئلہ ہوتا تو تم جانتے ہو مجھے' میں رو رو کے زمین سر پر اٹھا لیتی جبکہ ایسا نہیں ہے' میں بالکل ٹھیک ہوں' بس امی نے اتنا کام سر پر ڈال دیا ہے، جبکہ ہنسی پر سنجیدگی غالب آنے لگی ہے اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے''۔ فلک اپنے مخصوص انداز میں کہتی اپنی کیفیت چھپاتی بڑی مہارت سے بات بدل کر سارا کا سارا الزام اس پر ڈال گئی۔

''میری وجہ سے؟'' جس پر وہ چونکا۔

''جی...... نہ تم میرے فیل ہونے کا ذکر مرچ مصالحہ لگا کر امی سے کرتے نہ وہ مجھ پر کام کے پہاڑ توڑتیں' نہ میری ہنسی گم ہوتی اور نہ میں سنجیدہ ہوتی''۔ وہ جذباتی ہوئی لب و لہجے میں وہی پرانا تاثر تھا' دوستی و لڑائی کی ملی جلی جھلک تھی' فلک نے کمال ہوشیاری سے بات سمیٹتے ہوئے خود کو دل ہی دل میں باتونی ہونے پر گویا شاباش بھی دی تھی' مشارب شاہ اس کے انداز اس کی بات پر کھل کر مسکرایا۔

''اور جانتے ہو کتنے دن ہو گئے، نہ میں نے نیٹ یوز کیا ہے' نہ ڈائجسٹ پڑھا ہے''۔ وہ پھر سے بولی' آواز میں دانستہ دکھ و افسردگی اتاری۔

''کیوں......؟''

''بس اب دل نہیں چاہتا''۔

''کیوں......؟''

''اب ہر سوال کا جواب دینا ضروری ہے''۔ اب کہ مشارب کے اس کیوں کا جواب فلک کے دل میں پلتی محبت تھی جسے وہ بے ساختہ یا بے دھڑک زبان پر نہیں لا سکتی تھی' سو بات بدلنے کی غرض سے الٹا سوال کیا۔

''جی ہاں ضروری ہے''۔ وہ ہنسا۔

''نہ جی...... کوئی ضروری نہیں ہے''۔

''کیوں نہیں ہے؟'' وہ فل موڈ میں تھا کہ آج بہت دنوں بعد اس نے فلک کو اپنے سابقہ رویے میں پالیا تھا۔

''بس نہیں ہے''۔

''پھر......؟''

''تم بتاؤ کہاں سے آ رہے ہو؟'' سہولت سے بات بدل کر استفسار کیا۔

''زہرہ پھپھو کی طرف گیا تھا''۔

''کس لئے؟''

''تمہیں پتہ ہے مستبشرہ نے جاب شروع کی ہے' ٹیچنگ کر رہی ہے وہ اور بہت جلد اپنا ذاتی اسکول اسٹارٹ کرے گی جس کی کنسٹرکشن کا کام پھوپھا جی کی زیر نگرانی شروع ہو چکا ہے''۔ وہ اسے بتانے لگا۔

''ہیں...... سچ کہہ رہے ہو؟'' وہ چونکی تھی سن کر۔

''سچ کہہ رہا ہوں...... واقعی یار! بہت قابل ذہین لائق لڑکی ہے مستبشرہ اور باہمت بھی ہے' پہلے اتنی مشکلوں سے اجازت لے کر دوسرے شہر پڑھنے گئی' چار سال ہوسٹل میں رہی' باعزت طریقے سے اپنی تعلیم مکمل کی اور اب اپنے ہنر اور علم کو ضائع کرنے کے بجائے آگے پھیلانا چاہتی ہے' مجھے تو اسے دیکھ کر رشک آتا ہے' خاندان والوں کو' پھوپھا جی کو اس پر فخر کرنا چاہئے''۔ مشارب شاہ خوشی خوشی اسے بتا رہا تھا' جبکہ فلک ہونقوں کی طرح منہ کھولے اسے سن رہی تھی۔

''ہاں پر کیا ضرورت ہے اسے خود کو مزید جھمیلوں میں ڈالنے کی' پڑھنا کیا اس کے لئے کافی نہیں تھا جواب اور خوابوں کو دعوت دے رہی ہے''۔ پھر دوٹوک بولی' خود کو پڑھائی پسند نہ تھی اور دوسروں کی مصروفیت سے بھی اکتاہٹ محسوس کرتی تھی۔

''خواری کیسی......؟'' بے کار فضول میں بیٹھنا' گھر کے کام کرنا' روز مرہ کی باتیں یہ تو سبھی لڑکیاں کرتی ہیں مگر اصل کام اصل ٹارگٹ تو خود کو منوانا' سوسائٹی میں نام مقام بنانا ہے' میرے نزدیک زندگی کو اس کے تمام رنگوں میں رنگ کر جینا چاہئے' مجھے تو پڑھی لکھی' باصلاحیت' باہمت لڑکیاں اچھی لگتیں ہیں' اینڈ مستبشرہ میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں' وہ پھر خود کو ضائع کیوں کرے؟'' مشارب' فلک سے الگ سوچ رکھتا تھا سو صاف بولا۔ آواز لب و لہجے میں مستبشرہ کے لئے ستائش و عزت تھی۔

''پڑھی لکھی تو میں بھی ہوں''۔ جبکہ فلک کا ذہن تو مشارب کے ایک جملے پر اٹکا ہوا تھا کہ اسے پڑھی لکھی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں' سو اس کا آخری سوال نظر انداز کرتی کہنے لگی۔

''ہاں پر تم میں اور مستبشرہ میں بہت فرق ہے''۔ وہ اس کے انداز پر ہنسا پھر غیر سنجیدگی سے بولا۔

''کیسا فرق؟''

''پھر کبھی بتاؤں گا فی الحال تم ایسا کرو کہ ایک کپ گرما گرم چائے کا کپ میرے لئے خود بنا کر لاؤ' اس دن بہت اعلیٰ چائے بنائی تھی تم نے''۔ مشارب نے بات بدلی۔

''سچ میں؟'' وہ تعریف پر کھل اٹھی۔

''ہاں سچ میں''۔

''مگر وہ تو میں نے تکے سے بنائی تھی''۔ اسے فکر پڑی۔

''آج بھی تکے سے بناؤ' کیا پتہ تکا چل جائے''۔ وہ ہنسا۔

''اور اگر نہ چلا تو......؟'' برجستہ پوچھا۔

''تو اپنی کرنی تم خود بھگتو گی''۔ وہ شرارت و شوخی سے کہتا اندر کی جانب بڑھا۔

''نہ جی نہ''۔ فلک نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے پیچھے سے ہانک بلند کی تو وہ ہنستا ہوا اندر داخل ہو گیا' فلک خوشگوار احساس مسکراتے چہرے کے ساتھ کچن کی جانب بڑھ گئی۔

☆

''نہیں ہے یہ ممکن''۔ نہایت بے بسی کے عالم میں وہ بولا تھا۔

''کچھ ناممکن نہیں ہے میرے یار! تم چاہو تو سب ممکن ہو سکتا ہے''۔ عمر نہایت نرم دھیمے و ہمدردانہ لہجے میں اسے قائل کرنے لگا' علی نے عجب نظروں سے اسے دیکھا' پھر آنکھیں موند گیا۔ دل کی حالت بھی عجیب ہوئے جا رہی تھی' نس نس میں دوڑتے خون میں کرب و اذیت شامل ہوئے اسے ان دیکھی آگ میں مسلسل جلائے جا رہے تھے' آنکھیں بند کئے وہ خود کو جانچ رہا تھا' اپنے دل کو زبردست دھوکے و فریب کھانے کے بعد ٹٹول رہا تھا جہاں اسے یہ محسوس کرنے میں ذرا بھی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا کہ ہجر و نارسائی کی نہج پر کھڑے ہو کر بھی اس کے بے مول کئے گئے جذبات' یاسیت و ملال میں

ڈوبے آج بھی مستبشرہ جمال کی محبت خود میں سموئے اسے بھولنے سے انکاری تھے۔

''کیوں......؟'' اس کا جواب وہ خود بھی جانتا تھا اور اس کا دوست عمر بھی۔

جب عشق، محبت سچائی سے مزین، بے ریاء، بے لوث احساسات و جذبات خود میں سموئیں تو دھوکہ، آزمائش دیمک کی طرح دل کے زور، جستجو، لگن کو کھوکھلا کر دیتی ہے مگر خود میں اتنی طاقت نہیں رکھتی کہ اپنی شدت سے محبت کی سچائی دلدل میں دھکیلے ایک مخلص شخص کے دل سے جذبات، امید اور آنکھوں سے خواب چھین سکے، اور علی نے تو مستبشرہ کو خود سے بڑھ کر چاہا تھا، اس کی پرستش کی تھی، اپنے دل میں اسے محبت کی عقیدت سے وہ اعلیٰ مقام دیا تھا کہ اس مقام کو اس کے وجود سے خالی پا کر مرجانے تک کو تیار تھا نا کہ زندہ رہتے ہوئے اسے بھولنا، بھول کر بھی وہ خود کو اپنے دل کے سامنے اس خطا کا ذمے دار نہیں ٹھہرانا چاہتا تھا۔

''پلیز علی...... خود کو سنبھالو''۔ عمر نے فکر مندی سے آگے بڑھ کر اسے ہلایا۔ اس نے آہستگی سے آنکھیں وا کیں، تو آنکھوں میں غم کا سمندر موجزن تھا، ایک بے قرار جہان آباد تھا۔

''میں اسے نہیں بھول سکتا عمر!'' علی کے لہجے میں تڑپ تھی۔

''تمہیں اسے بھولنا ہوگا علی!''

''میں اسے بھولنا نہیں چاہتا''۔

''کیوں......؟''

''اس دل میں بسی ہے وہ''۔ علی آیان حسن گیلانی نے ضبط کی حدوں سے گزرتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا۔

''میرے جذبات میں رچی ہے وہ، اسے بھولنا میرے لئے ناممکن ہے''۔

''اسے تمہاری کوئی فکر نہیں تھی، نہ اس نے تمہارے جذبات کی قدر کی، نہ تمہاری محبت کی پاکیزگی، پھر کیوں بے کار میں خود کو اس کی یادوں سے خوار کر رہے ہو''۔ عمر دوست کے لئے فکر مند تھا دوست کی بہتری کے لئے سمجھانے والے انداز میں بولا لیکن شاید علی کو کچھ بھی سمجھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

''اس کی یاد ہی میرا سہارا ہے اب''۔

''یادیں کھوکھلا سہارا ہوتی ہیں میرے دوست، خود کو خود ساختہ اذیت میں مت ڈالو، میں نے مستبشرہ جمال کی آنکھوں کو صاف پڑھا ہے وہاں تمہارے لئے کچھ نہیں ہے نہ محبت، نہ احساس نہ ہمدردی...... وہ ایک خود سر گھمنڈی لڑکی ہے اس نے اپنی راہیں تم سے جدا رکھی ہیں، اس کی منزل کے راستے تمہاری طرف نہیں آتے''۔ دوست کی حالت کے پیش نظر عمر کے لہجے میں مستبشرہ کے لئے سختی و نفرت تھی۔

''لیکن میری منزل تو وہ ہے پھر میں کیونکر اپنی راہیں بدلوں''۔ علی دیوانگی کے عالم میں بولا۔

''کیسے سمجھاؤں میں تمہیں؟ وہ تمہاری طرف لوٹ کے نہیں آئے گی کبھی بھی نہیں...... اس کا انتظار بے کار ہے''۔

''مجھے اس کا انتظار نہیں ہے''۔ علی جواباً صاف بولا لہجہ دو ٹوک تھا۔

''پھر......؟'' عمر حیران ہوا۔

''میں نے اس سے سچا پیار کیا ہے، اسے دل میں تمام تر شدتوں سے بسایا ہے۔ بس میں اسے بھول نہیں سکتا، نہ ہی بھولنے کی کبھی کوشش کروں گا''۔ وہ قطعیت سے بولا۔

''تم پاگلوں جیسی بات کر رہے ہو علی......'' عمر افسوس زدہ نظروں سے اسے دیکھتا اسے کہنے لگا۔

''شاید''۔ علی آیان، عمر کی بات سے گویا متفق تھا، عمر جواباً خاموش ہی رہا، پھر کچھ دیر بعد اٹھ کر چلا گیا، اس کے جاتے

ہی علی نے برداشت کی حدوں سے گزرتے ہوئے سختی سے ایک مرتبہ پھر آنکھیں بند کیں تو اس دفعہ آنکھوں کے گوشے سے دو پانی کے قطرے پلکوں کا بند توڑ کر گالوں پر پھسلنے لگے، وہ جلتی آنکھیں لئے کھڑکی کی طرف چلا آیا اور دور عرش پر نگاہیں جمائے عجب بے کل، بے قرار ہو کر اللہ سے ہم کلام ہوا۔

''کیوں لایا اسے میری زندگی میں جب اسے میرا ہونا ہی نہ تھا''۔ وہ بے اختیار ہی رب سے شکوہ کر بیٹھا۔ عمر کے سامنے اس نے بہت حد تک خود کو کنٹرول میں رکھا، مگر اس کے جانے کے بعد وہ خود پر سے اختیار کھونے لگا تھا، کمزور ہوتے دل کے ساتھ بے بسی کی انتہا کو جا پہنچا تھا۔

''کیوں مستبشرہ! کیوں کیا میرے ساتھ سنگین مذاق؟ مجھے ہجر کی آگ میں پھینک کر کیوں چلی گئی ہو؟'' اب وہ اس سے مخاطب تھا جو اس کی دسترس سے دور، بہت دور تھی۔

''کیوں محبت کو میرے لئے روگ بنایا کیوں؟'' لب و لہجے میں شدت تھی وہ اس وقت قابل رحم حالت میں تھا اگر مستبشرہ جمال اسے اس حالت میں دیکھ لیتی تو یقیناً اپنے کیے پر ایک لمحے کو ہی سہی مگر پشیمان ضرور ہوتی مگر افسوس وہ اب علی کے پاس نہیں تھی نہ ہی اسے غم دے کر غم سے نکالنے کے لئے آ سکتی تھی، بندے تو اپنی کرنی کر لیتے ہیں مگر اصل دخل تو قسمت زندگی میں دے کر سب کچھ امید کے برعکس کر کے تڑپنے پر مجبور کر دیتی ہے اور علی، بندے اور قسمت دونوں کی مار کھا کر حال سے بے حال اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھنے کے سوا کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا، جہاں سے سب کچھ ریت کی مانند اس کی زندگی سے پھسل کر اسے تہی داماں کیے نکل چکا تھا۔



کلثوم پھپھو نے مراد کے لئے مہ روش کا ہاتھ مانگ کر جہاں سب کو حیران کیا تھا وہیں سب کے چہروں پر خوشی و انبساط کے رنگ بکھرتے چلے گئے، سعید صاحب تو پھولے نہ سما رہے تھے تین سال قبل وقار کا اوینہ سے شادی کے لئے انکار انہیں بہن سے الگ کر گیا تھا، جس کا انہیں بہت ملال تھا اور جس کے بعد بہن سے دوبارہ تعلقات استوار ہونے کی خواہش انہیں محض خواب دکھائی دیتی تھی، وہ بیٹے کے کیے پر اپنی نظروں میں شرمندہ تھے، کسی بھی طرح خاندان سے رنجشیں مٹانا چاہتے تھے مگر کوئی راہ ان کی نظر میں نہ تھی۔

لیکن شاید خدا نے ان کے دل کی بات سن کر ان کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشا تھا، سب کی دعائیں مستجاب ہوئی تھیں ان کی بہن خود ان کے در پر آئی تھی، تمام رنجشیں مٹانے، پرانے تعلقات کو تازہ کرنے، پائیدار بنانے، مہ روش کو اپنی بیٹی بنا کر اپنے بھائی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مضبوط تعلق قائم کرنے، بڑی چاہ سے کلثوم پھپھو نے سعید صاحب سے مراد منصور کے لئے ماہی کو مانگا، اور سعید صاحب کی تو یہ دلی خواہش تھی کہ ان کا خاندان، بہن پھر سے آپس میں ایک ہو کر رہیں، آپس کے رشتے مضبوط سے مضبوط تر اور پائیدار ہوں، جسے وقار سے مایوسی کے بعد مراد کی ذات پورا کرنے جا رہی تھی ان کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی سو کہیں سے بھی انکار کا جواز ممکن نہ تھا انہیں کوئی اعتراض نہ تھا، باقی گھر والے بھی رضامند و خوش تھے سو سعید صاحب نے فوراً سے ہاں کہہ کر بہن اور بھانجے کو خوش کر دیا۔ کلثوم پھپھو مراد منصور کی پہل قدمی اور مثبت پیش رفت سے سب کے دلوں میں معتبر مقام تو پا ہی چکے تھے، سو گھر بھر میں خوشیوں کے شادیانے سنائی دینے لگے، ہر ایک مکین خوش تھا، مراد بھی سرشار سا تھا، مہ روش تو پہلے ہی مراد کے سامنے اقرار کر چکی تھی، اپنی منزل اپنی محبت با آسانی پانے کی خوشی کو ابو اور گھر والوں کی خوشی نے دوبالا کر دیا تھا، تمام تر رضامندی پانے کے بعد کلثوم پھپھو نے اپنی جگہ بھی ماہی سے اس متعلق بات کی، جس پر اس نے محض سر ہلانے پر ہی اکتفا کرتے ہوئے اپنی طرف سے رضامندی ظاہر کر دی، البتہ چہرے پر بڑی گہری اور مسحور کن مسکراہٹ تھی، کلثوم بیگم نے اسے خود سے لگا کر خوب پیار کیا، رسماً دستوراً

خوشی سے کئی نوٹ اس کے سر پر وارے اسے الگ سے دیئے اور سعید صاحب کی طرف چلی آئیں انہیں بتایا کہ آج جانے کا ارادہ رکھتی ہیں کہ مراد کو بھی کوئی ضروری کام ہے اور جانے سے پہلے مہ روش کو مراد کے نام کی انگوٹھی پہنا کر جانا چاہتی ہیں' فوراً منگنی پر تو انہیں کوئی اعتراض نہ تھا سو ہامی بھر لی البتہ آج ہی جانے پر انہوں نے صاف منع کر دیا' مراد نے ضروری کام کا عذر پیش کیا تو اسے بھی شفقت سے جھڑک کر روک لیا' سو وہ مجبوراً خاموش ہو کر دو تین دن مزید رکنے پر رضا مند ہوا' تو منگنی بھی آج کے بجائے کل کی تاریخ و دن پر طے پائی' سبھی خوشی خوشی تیاریوں میں محو ہوئے' ادینہ نے اپنی جگہ سب کو مبارکباد دی' ماموں سے بھی بہت دیر تک بات کی' سب سے آخر میں باری مہ روش کی آئی تھی' مہ روش موبائل لئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

''بہت بہت بہت مبارک ہو مہ روش''۔ ادینہ کے لہجے سے خوشی جھلک رہی تھی۔

''تھینک یو''۔

''آج میں بہت خوش ہوں' سب کتنا اچھا ہونے جا رہا ہے''۔ ادینہ بولی۔

''ہاں......'' ماہی نے جواباً اتنا ہی کہا۔

''اور دیکھو تو مراد کتنا گھنا نکلا' کبھی بھنک تک نہیں پڑنے دی کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے لیکن اس بات کی خوشی ہے کہ اس نے تم جیسی خوبصورت' پرفیکٹ لڑکی کا انتخاب کیا اور بروقت کیا' وہ تمہیں پا کر اپنے نصیب پر یقیناً بہت ناز کرے گا' اینڈ آئی ایم ویری ہیپی کہ تم میری بھابی بنو گی''۔ ادینہ کی بات پر اس نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

''اچھا انگیجمنٹ آج ہی ہے ناں؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''نہیں اب کل ہے...... ابو نے پھپھو کو دو تین دنوں کے لئے روک لیا ہے اس لئے آج کی ارجنٹ انگیجمنٹ کا پروگرام کینسل ہو گیا ہے' کل شام کو ہو گی''۔ ماہی نے بتایا۔

''چلو اچھا ہے...... میں نے بھی امی سے کہا تھا کہ اتنی جلدی ایک ہی دن میں آنا فاناً نہ کریں مراد اکلوتا ہے' دھوم دھام سے اس کی انگیجمنٹ کریں گے مگر مراد کو شاید ضروری کام تھا لیکن اچھا ہوا ماموں نے انہیں روک لیا' اب تم آج ہی مراد کے ساتھ مارکیٹ جاؤ' اپنی پسند کا ڈریس لو' رنگ پسند کرو''۔ سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں وہ مسکرا کر اسے کہنے لگی۔

''مراد کے ساتھ......؟'' ماہی نے حیرت ظاہر کی۔

''اور نہیں تو کیا''۔ وہ ہنسی۔

''نہیں مجھے اب ان سے شرم آتی ہے''۔ وہ صاف بولی۔

''ارے پگلی...... شرم کو فی الحال سائیڈ پر رکھو' یہی تو وقت ہوتا ہے اپنی من مانی اور شوہر کی جیب ہلکی کرنے کا ورنہ بعد میں بالکل قابو نہیں آتے''۔ ادینہ خوشگوار و ہلکے پھلکے موڈ میں قدرے شرارت سے بولی تو ماہی ہنس دی۔

''ضرور جانا آج''۔ ادینہ نے پھر اسے تاکید کی۔

''او کے ٹھیک ہے ضرور جاؤں گی''۔ اس نے ہامی بھری پھر بات بدل کر توقف کے بعد اس سے استفسار کیا۔

''ادینہ! تم بھی آؤ ناں' مجھے بہت خوشی ہو گی''۔ انداز میں گزارش تھی جھجک بھی تھی۔

''میں کیسے آ سکتی ہوں''۔ وہ اتنا ہی بولی۔ لب و لہجہ اگرچہ نارمل تھا لیکن ماہی کو اپنی جگہ شرمندگی و ندامت نے گھیر اتھا۔

''کیا تم سب کچھ بھول نہیں سکتیں''۔ مہ روش نے آہستگی سے استفسار کیا لہجے میں ہلکی سی جھجک کی جھلک بھی نمایاں تھی۔

(جاری ہے)



قرۃ العین چنا

افسانہ

خود شناسی

"عالیہ! تم؟" رات کے پونے آٹھ بجے جب مغرب کی اذان کے بعد آسمان اپنے تن پر سیاہ لباس پہن چکا تھا اپنی شادی شدہ بیٹی کو پانچ سالہ بیٹے سفیان کے ساتھ رکشے سے اترتا دیکھ کر رفعت بیگم پریشان ہوگئیں۔

"عالیہ! تم اس وقت اکیلی...... ؟ منیب کہاں ہے......؟ کیا وہ تمہیں چھوڑنے نہیں آیا؟" دروازے کی چوکھٹ تھامے انہوں نے پے در پے کئی سوال کر لئے۔

"وہ مجھے چھوڑنے نہیں آئے اماں! کیوں کہ میں انہیں چھوڑ کے آ گئی ہوں"۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیا؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" رفعت بی بی کو جھٹکا لگا۔

"اماں! اب اندر بھی آنے دو گی یا ساری باتیں یہیں کرنی ہیں؟" عالیہ نے بے زاری و جھنجھلاہٹ سے کہا تو رفعت بی بی کو بھی احساس ہوا' وہ دروازہ چھوڑ کے سائیڈ میں ہوئیں' عالیہ اندر آ گئی۔

"تنگ آ گئی ہوں میں اس روز روز کی جھک جھک سے"۔ وہ سیدھا ماں کے کمرے میں آ گئی' رفعت بی بی بھی اس کے پیچھے پیچھے تھیں۔

"منیب نا تو مجھے سمجھ پائے ہیں اور نا ہی میرے جذبات کو' جب انہیں میرا اور میری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال نہیں تو ہمارے ساتھ رہنے کا فائدہ ہی کیا؟ اب میں تب ہی واپس جاؤں گی جب منیب میری شرائط مانیں گے"۔ اس نے چادر کا گولہ بنا کر بڑی پیٹی کے اوپر پھینکا رفعت بی بی بس اس کا منہ ہی تکے جا رہی تھیں۔

☆

عالیہ بھی ہمارے معاشرے کی ان نوے فیصد عورتوں میں سے ایک تھی جس کی سسرال میں بے پناہ مسائل تھے اور اس کے پاس ان مسائل کا صرف ایک ہی حل تھا کہ شوہر اور بچوں کو لے کر علیحدہ رہائش اختیار کر لے۔ وہ بھی کیا کرتی' روز دل جلتا' دو دو جوان نندوں کے ہوتے ہوئے سارا دن کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی' نندوں کو کالج' رسالوں' بیوٹی ٹپس اور نخروں سے فرصت ہی نہیں تھی' یہ تمام اس کی اپنی ذاتی رائے تھی۔

"میں تو جیسے مفت کی نوکر ہاتھ لگ گئی ہوں' بھابی ناشتہ تیار ہے بھابی کھانا تیار ہے بھابی آج یہ بنا لو بھی وہ بنا لو"۔ وہ اکثر دل ہی دل میں اپنی حالت زار پر کڑھتی رہتی۔

"امی! نادیہ اور حادیہ سے بھی کہا کریں کبھی میری کچھ مدد ہی کرا دیں"۔ جب اس سے برداشت نہ ہوتا تو وہ ساس کے سامنے دل کی بات اگل ہی دیتی اور وہ لمبا سانس لے کر رہ جاتیں' یہ کہہ کر کہ وہ ابھی بچیاں ہیں اور پڑھائی میں مصروف پھر شام کو ہاتھ تو بٹا ہی دیتی ہیں۔

"ہونہہ...... کیا خاک ہاتھ بٹاتی ہیں چائے بنا لی یا پھر سبزیاں کاٹ کے دے دیں' پکانا تو پھر بھی مجھے ہی پڑتا ہے ناں' کیا میری کوئی زندگی نہیں"۔ دل ہی دل میں اس کی خود کے ساتھ جنگ چھڑی رہتی۔ کئی بار منیب سے بھی



ذکر کیا مگر وہ ٹال جاتے یا پھر سمجھانے بیٹھ جاتے۔

"عالیہ! تم گھر کی بہو ہو بڑی ہو' میری بہنیں آج ہیں تو کل نہیں ہوں گی' یہ گھر تمہارا ہے' تم ہی یہاں کی مالکن ہو' اس لئے اپنے گھر کی حفاظت و کام کاج کرنا تمہاری ذمہ داری ہے"۔

"واہ کیا خوب کہی مالکن کی بھی' اپنی مرضی سے تو سانس نہیں لے سکتی میں یہاں پر"۔ اس نے منہ بنایا۔

"یہ تو تم بہت مبالغہ آرائی سے کام لے رہی ہو' عالیہ! میرا نہیں خیال کہ تم پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد ہے ہاں کام کا بوجھ تھوڑا زیادہ ہو سکتا ہے کیونکہ تم اس گھر کی اکلوتی بہو ہو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہیں جبس بے جا میں رکھا گیا ہے"۔

"ہاں آپ تو ہمیشہ اپنی ماں بہنوں کی ہی سائیڈ لیتے ہیں' میں تو آپ کی کچھ نہیں لگتی"۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ تم میری زندگی ہو' میرا سب کچھ ہو' ایسے کیسے فرض کر لیا تم نے کہ تم میری کچھ نہیں لگتیں"۔ منیب اس کے قریب ہوتے ہوئے نرم آواز میں بولا۔

"تو پھر آپ کو میری تکلیفیں نظر کیوں نہیں آتیں؟" منیب کی قربت محسوس کر کے اسے حوصلہ ملا۔

"عالیہ میری زندگی! یہ تکلیف نہیں' ذرا سی مشکلات

ہیں، تم میری بیوی ہو تم میں اتنا حوصلہ ہونا چاہئے کہ ان ذرا سی مشکلات سے دامن بچا کر میرے ساتھ زندگی کے سفر پر گامزن رہو، زندگی ایک ایسا چمن ہے جو چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے پھولوں سے ہی آباد ہوتا ہے، اگر تم اسے بدگمانی رنج اور کوفت کی آندھیوں کی نذر کردو گی تو بہت جلد یہ اپنی خوبصورتی کھودے گا، اجڑ جائے گا"۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے رسانیت سے کہہ رہا تھا، عالیہ بظاہر چپ ہوگئی لیکن دل ہی دل میں وہ منیب کی طرف سے بھی بدظن ہوگئی کہ وہ اسے اور اس کے جذبات کو سمجھ نہیں پایا۔

☆

ایف ایس سی کے پیپرز ہوجانے کے بعد جیسے ہی نادیہ اور حادیہ کی کالج سے چھٹیاں پڑیں انہوں نے سلائی سینٹر جوائن کرلیا اور اس کام میں ان کی ماں بھی ان کی ہمنوا تھی، ان کے خیال میں ان کی بیٹیوں کو پڑھائی لکھائی کے ساتھ ساتھ سلیقہ مند بھی ہونا چاہئے جبکہ عالیہ کے ذہن میں ایک ہی بات بیٹھ گئی تھی کہ یہ محض کام سے بھاگنے اور اسے زچ کرنے کے بہانے ہیں۔

"منیب! دیکھا ناں اپنی بہنوں کو کیسے کام سے جی چرا کے فضول مشغلوں میں پناہ لے رہی ہیں"۔ وہ دندناتی ہوئی کمرے میں پہنچی منیب اپنا لاکر کھول کر بیٹھا تھا۔

"اب کیا ہوا؟" اس نے مصروف سے انداز میں دریافت کیا۔

"نادیہ اور حادیہ سلائی سینٹر جانے لگ گئی ہیں"۔ وہ پھٹ پڑی۔

'ہاں تو......؟ اس میں برا ہی کیا ہے؟ مجھ سے پرمیشن لے کر ہی داخلہ لیا ہے"۔ وہ اپنے لاکر میں چیزیں ترتیب سے رکھنے لگا۔

"آپ نے پرمیشن دے دی مجھ سے پوچھے بغیر ہی؟" وہ تلملا اٹھی۔

"اس میں اتنا غصہ کرنے والی کون سی بات ہے عالیہ؟ دو گھنٹے کی تو کلاس ہے کچھ نہ کچھ سیکھ کے ہی آئیں گی، عالیہ یار! ادھر میں نے ایک وزیٹنگ کارڈ رکھا تھا نور بلڈرز کا وہ نہیں مل رہا، تم نے کہیں ادھر ادھر تو نہیں کردیا"۔ اس کی لاپرواہی دیکھ کر وہ کڑھنے لگی۔

"میں نے جہاز سمجھ کر اڑا دیا ہوا میں"۔ اس نے جل کر جواب دیا اور کچن میں چلی گئی۔

☆

عالیہ کی شکایتیں کم ہونے کی بجائے دن بدن بڑھتی ہی رہیں، اب وہ پہلے کی طرح منیب کے ساتھ باہر بھی نہیں جاتی تھی، اگر کبھی وہ اصرار کرتا تو بھی وہ بہانے بنا کر صاف انکار کردیتی۔

"میرے سر میں درد ہے، یا جسم میں نقاہت محسوس ہورہی ہے، تھک گئی ہوں"۔ وغیرہ وغیرہ۔

عالیہ کی اپنی ذاتی زندگی میں دلچسپی کم ہوتی جارہی تھی، سفیان کی طرف سے بھی وہ لاپرواہ ہوتی جارہی تھی، اس کے حواسوں پر دن رات ایک ہی بات چھائی رہتی کہ وہ دنیا کی مظلوم ترین عورت ہے، جس کی داد و فریاد سننے والا کوئی نہیں۔

"عالیہ! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی؟ نا تم پہلے کی طرح بنتی سنورتی ہو اور نا ہی میک اپ کرتی ہو"۔ اس دن عالیہ کو سر جھاڑ منہ پھاڑ دیکھ کر منیب نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں کاموں سے فرصت ملے تو ہی بنوں سنوروں ناں، یا میک اپ کرکے چولہے کے سامنے کھڑی ہوجاؤں"۔ اس کے پاس ایک ہی بات کا رونا تھا، منیب نے نظرانداز کیا۔

"ادھر آؤ میرے پاس"۔ منیب نے اسے پیار سے پچکارا تو وہ کھسک کے اس کے قریب ہوئی۔

"تمہیں کل سے کام والی ماسی رکھ کے دیتا ہوں، کچھ تو کام کا بوجھ اتر جائے گا، باقی مشین تو امی اور نادیہ لگاتی ہیں، تمہارے لئے بس کچن کا کام رہ جائے گا، اب خوش، چلو ہنس کے دکھاؤ"۔ منیب کو واقعی اسکی خوشیاں عزیز تھیں، مگر اسے اپنے مسائل کا حل نہیں بلکہ ضد پوری کرنے کی خواہش تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ماسی رکھنے کی، خوامخواہ اخراجات میں اضافہ ہوگا، پہلے کیا کم خرچے ہیں اوپر سے ماسی کی مصیبت، آپ کی ماں بہنوں کو تو کوئی احساس نہیں، ہر چیز کا بے دریغ استعمال کرتی ہیں، میں بھی ان جیسی بن گئی تو ہوگیا آپ کا کام تمام"۔ اس کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"عالیہ! تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ تم کیوں ایک ہی بات کو لے کر خود بھی پریشان رہتی ہو اور دوسروں کو بھی پریشان رکھتی ہو، تم دنیا کی واحد عورت تو نہیں ہو جسے گھر کے کام کرنے پڑتے ہیں، سب ہی کرتی ہیں، گھر بھی سنبھالتی ہیں اور شوہر کو بھی خوش رکھتی ہیں، ایک تم ہی ہو جسے رونے کے علاوہ کوئی کام نہیں آتا"۔ وہ زچ ہوکر بولا۔

"ہاں تو آپ کو اگر میری پرواہ ہے میری خوشیوں کا خیال ہے تو میری بات مان کیوں نہیں لیتے"۔ وہ چلا اٹھی۔

"تم بتاؤ تو سہی کہ آخر تم چاہتی کیا ہو؟ میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں"۔ منیب نے عاجز لہجے میں کہا۔

"میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی، ہم الگ گھر لے لیتے ہیں جہاں میری اپنی مرضی ہو، آزادی ہو، جہاں مجھ پر کسی کی نوکری چاکری و چاپلوسی عائد نہ ہو، مجھے ذہنی سکون چاہئے جو کہ اس گھر میں نصیب نہیں ہے"۔

"تم پاگل ہوگئی ہو؟ میں اپنی بوڑھی ماں اور دو جوان بہنوں کو اکیلا چھوڑ دوں یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے سوا ان کا کوئی نہیں ہے"۔ منیب طیش میں آکر بولا۔

"تو یہ چار سو گز کا مکان بھی تو ہم انہیں ہی دے کر جائیں گے، پھر ابا کی پنشن بھی تو ہے، بہت اچھے سے گزارہ ہوجائے گا ان کا"۔ اس کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

"عالیہ! تم صرف حسد کی آگ میں جل رہی ہو اور اس آگ سے کسی اور کا تو کچھ نہیں بگڑ رہا، بس ہماری زندگی جہنم بنتی جارہی ہے، تمہارے ذہن میں نجانے کیا چل رہا ہے، لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو، جو تم چاہتی ہو وہ کسی صورت ممکن نہیں ہے"۔ وہ دوٹوک لہجے میں کہتے ہوئے باہر نکل گیا، پیچھے وہ جلبلا کر رہ گئی۔

☆

"یار مناہل! تم کتنی خوش نصیب ہو جو تمہیں اتنی اچھی مخلص اور پیار کرنے والی بھابی ملی ہے، ایک ہماری بھابی ہیں ہر وقت ہم سے کھنچی کھنچی رہتی ہیں"۔ نادیہ کے لہجے میں افسوس تھا۔

"اور شکل ایسی مظلوم بناتی ہیں جیسے نجانے ان پر کتنے مظالم ڈھائے گئے ہوں، مجھے تو منیب بھائی پر ترس آتا ہے نجانے وہ اتنی تنگ نظر و تنگ فہم عورت کے ساتھ کیسے گزارہ کرتے ہوں گے"۔ باقی کا لقمہ حادیہ نے دیا تھا، آج سنڈے تھا اور ان کی مشترکہ دوست مناہل آئی ہوئی تھی جس کے آگے وہ اپنا حال دل بیان کررہی تھیں، اس بات سے بے خبر کہ اس حال دل سے باہر کپڑے سکھاتی عالیہ بھی واقف راز ہورہی ہے۔ دونوں نندوں کے منہ سے اپنے بارے میں اتنے نادر خیالات سن کر اس کے تو دل پر چھریاں چلنے لگیں۔

"تو یہ رائے رکھتی ہیں دونوں بہنیں میرے بارے میں اور منیب کہتے ہیں حاسد میں ہوں"۔ اس کے لئے وہاں کھڑے رہنا مشکل ہوگیا، زہر کے گھونٹ پیتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں آئی اور منیب کا انتظار کرنے لگی، ایک ایک پل گزارنا مشکل ہوگیا تھا، نجانے کتنا وقت بیت گیا، جب اسے منیب کی شکل دکھائی دی۔

"عالیہ! میرے پاس تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے"۔ وہ خوش تھا چہک رہا تھا مگر عالیہ کو کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

"بھاڑ میں گئی خوشخبری، پہلے ذرا اپنی بہنوں کے میرے بارے میں نادر خیالات تو گوش فرمالیں"۔ وہ سلگ رہی تھی، اس کے اندر سے دھواں اٹھ رہا تھا اور آنکھوں میں بہہ رہا تھا۔

"یار! تم دل پر کیوں لے رہی ہو؟ ہر انسان کی اپنی

رائے ہوتی ہے' انہوں نے تمہیں برا بھلا نہیں کہا' بلکہ تمہارے رویئے پر افسوس کا اظہار کیا''۔ اس کی تمام باتیں سننے کے بعد منیب نے بے زاریت کا اظہار کیا۔

''اتنا کچھ ہوگیا' اتنا کچھ کہہ دیا مجھے آپ کی بہنوں نے' پھر بھی آپ کو ان کی غلطی نظر نہیں آرہی' الٹا مجھے ہی سمجھا رہے ہیں''۔ وہ شاکی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''تو کیا لڑوں؟ ہاتھ اٹھاؤں اپنی بہنوں پر' تم چاہتی کیا ہو عالیہ؟ کیوں اس گھر کا سکون چین برباد کرنے پر تلی ہوئی ہو؟'' پہلی بار منیب کو اس پر شدید غصہ آیا تھا۔

''نہیں کچھ مت کریں آپ' بیٹھ کر پوجا کریں اپنی بہنوں کی' بہت پاک اور سچی ہیں ناں وہ' ایک میں ہی جھوٹی اور کم ظرف ہوں' بقول آپ کے حاسد ہوں اور آپ کے گھر کا سکون غارت کرنے کی موجب بھی' تو سنبھالئے اپنے گھر کو اور رہئے سکون سے' میں جا رہی ہوں امی کے گھر' شاید یہی میرا مقدر ہے''۔ وہ غصے میں چلا پڑی اور اپنے بیگ میں چند جوڑے کپڑے ڈال کر جانے کے لئے تیار ہوگئی۔

''بے وقوفی مت کرو عالیہ! باہر شام اتر آئی ہے یوں منہ اندھیرے گھر سے نہیں نکلا کرتے''۔ منیب نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں' میری فکر کرنے کے لئے میرے گھر والے موجود ہیں' آپ اپنے گھر کی فکر کریں''۔ اس نے بڑی بے دردی سے منیب کا ہاتھ جھٹکا اور سفیان کا بازو کھینچ کر رکشے کی تلاش میں باہر چلی آئی۔

☆

رفعت بی بی اگرچہ عالیہ کی حالات زندگی سے واقف تھیں اور اکثر اسے صبر کی تلقین کرتی تھیں مگر یہ جو اس نے انتہائی قدم اٹھایا تھا' فی الوقت وہ اس پر باز پرس نہیں کرنا چاہتی تھیں کیونکہ عالیہ ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب تھی' ایسے میں اسے کوئی نصیحت کرنا بے کار تھا' یہاں آنے کے بعد منیب نے ایک بار عالیہ کو فون بھی کیا تھا' وہ اسے واپس گھر بلانے پر مصر تھا' لیکن عالیہ کی وہی شرط کہ وہ واپس صرف اسی صورت میں آئے گی جب اسے علیحدہ گھر لے کر دیا جائے گا۔

''میں مر کر بھی تمہاری یہ شرط قبول نہیں کرسکتا' تمہیں اگر میکے میں رہنے کا شوق ہے تو بڑے شوق سے رہو' جہاں تک گھر کی بات ہے تو تم جب بھی واپس آنا چاہو آسکتی ہو' یہاں اسی محبت و چاہت سے تمہارا استقبال ہوگا''۔ منیب نے فون رکھ دیا تھا' عالیہ کا غصہ حد سے سوا ہوگیا۔

☆

عالیہ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی' اس کے دو بھائی شادی شدہ تھے' جبکہ تیسرا جو اس سے چھوٹا تھا وہ ابھی زیر تعلیم تھا' عالیہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی' اس کے ابا کسی زمانے میں سرکاری ملازم تھے اب تو ریٹائرمنٹ کے بعد مکمل طور پر فراغت کی زندگی گزار رہے تھے' گھر کا خرچہ دونوں بھائیوں کی تنخواہ' اوپری پورشن کے کرائے اور ابا کی پنشن سے آنے والی رقم سے بہت اچھے سے چل جاتا تھا' شادی کے بعد یہ پہلی بار تھا کہ عالیہ اتنے عرصے کے لئے میکے رہنے آئی تھی وہ گھر کیوں چھوڑ کے آئی ہے فی الحال اس پر کسی نے بات نہیں کی تھی۔ البتہ بڑی بھابی نے کافی کریدا تھا' جس پر اس نے ماتھے پر بیزاری سجائی تھی بڑی بھابی کے مقابلے مائرہ بھابی دل کی اچھی تھیں' ان کا مزاج سلیقہ اور برد باری ہر چیز ہی قابل تعریف تھی' وہ سفیان کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں' اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ وقت پر اسے بھی کھانا کھلاتیں اور کھیلنے کے لئے اپنے بچوں کے کھلونے دیتیں۔ ان کا پرخلوص اور سادہ انداز عالیہ کو بہت بھایا تھا' ایک بات جو عالیہ نے شدت سے نوٹ کی وہ بڑی بھابی کا مائرہ بھابی کے کاموں میں دخل اندازی اور بے جا تنقید کرنا تھا' مائرہ بھابی جو بھی کام کرتیں بڑی بھابی انہیں تنقید کا نشانہ بناتیں' مگر حیرت کی بات یہ تھی

کہ ان کے ماتھے پر بل نہیں پڑتے تھے' بلکہ وہ مسکرا کر ہر بات ہضم کر جاتی تھیں۔

مائرہ بھابی کوئی ڈش بناتیں یا سالن پکاتیں تو اس میں بھی وہ کوئی نہ کوئی نقص نکال کر نکتہ چینی شروع کردیتیں حالانکہ باقی کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا' خود عالیہ کو بھی ان کے بنائے ہوئے کھانوں کے سواد پر کوئی شبہ نہیں تھا' پر بڑی بھابی نجانے کیا سوچ کر تنقید کا پہلو نکالتی تھیں' پھر اکثر عالیہ نے دیکھا بڑی بھابی کتنی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں کو جواز بنا کر مائرہ بھابی کو ٹوکا کرتیں' ایسا لگتا تھا ان کی اپنی زندگی میں اتنی دلچسپی نہیں جتنی مائرہ بھابی کی زندگی میں ہے' پر عالیہ داد دیتی تھی مائرہ بھابی کے حوصلے کو جو ہر بات ہنس کر ٹال جاتیں' بڑی بھابی کی تنقید کو وہ خود پر حاوی نہیں ہونے دیتی تھیں' وہ ویسی ہی خوش اور مطمئن نظر آتی تھیں ان کے ماتھے پر نا تو ناراضی کی کوئی شکن نظر آتی تھی اور نا ہی شکوہ' وہ ہر چیز کو اس کے دائرے میں رکھنے کے گر سے آشنا تھیں' ان کی زندگی میں ان کا گھر بچے اور شوہر ہر چیز میں ایک توازن تھا' کہیں بھی کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو رہی تھی' عالیہ کو کبھی کبھی حیرت ہوتی تھی کہ ان میں اتنا حوصلہ بھی ہوسکتا ہے۔

''بھابی آپ کو برا نہیں لگتا؟ آپ کو غصہ نہیں آتا جب بڑی بھابی ہر کام میں بلاوجہ آپ کو ٹوکتی رہتی ہیں''۔ اس دن تنہائی پا کر اس نے مائرہ سے پوچھ ہی لیا۔

''عالیہ! ہمارے آس پاس ایسے بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے معاملات سے زیادہ دوسروں کے معاملات پر نظر رکھتے ہیں دوسروں پر اپنی تنقید و تلخ آراء سے تنگ کر کے وہ اپنے جذبوں کی تسکین کرتے ہیں' ایسے لوگ ذہنی طور پر بیمار ہوتے ہیں خود بیچارے خوش نہیں ہوتے اس لئے دوسروں کی خوشیوں میں زہر گھول کر خوش ہو لیتے ہیں' ایسے بیمار ذہن کے لوگوں کی باتوں کو سوچ کر ہم اپنی صحت کیوں خراب کریں جو ان کا کام ہے انہیں کرنے دو' جو ہمارا کام ہے وہ ہم کرتے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کوئی ہمیں پریشان کرے''۔

''لیکن بھابی! پریشانی تو ہوتی ہے ناں کوئی آپ کو تنگ کرے' نیچا دکھانے کی کوشش کرے' آپ کا سکون برباد کرے' اس کے باوجود آپ اتنے پرسکون کیسے رہ سکتے ہیں''۔ وہ الجھ پڑی تھی۔

''سکون انسان کے اندر ہوتا ہے' اگر انسان احسن پسند ہو اور اس میں خوش رہنے کی صلاحیت ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اسے ناخوش نہیں رکھ سکتی''۔ ان کا وہی اعتماد' عالیہ اب بھی الجھن زدہ تھی۔

''پھپھو...... پھپھو...... سفیان رو رہا ہے''۔ اسی وقت اعظمیٰ نے آکر اطلاع دی تو وہ عجلت میں اٹھ کر سفیان کی طرف بھاگی۔

''کیا ہوا میرے بچے کو؟'' اس نے بے قراری سے روتے ہوئے سفیان کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

''مما! گھر چلو یہاں سب گندے ہیں' مجھے مارتے ہیں' مجھے پپا کے پاس جانا ہے''۔ اس نے روتے ہوئے کہا تھا اور عالیہ کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ منیب اور اپنا گھر تو اسے بھی بے حد یاد آرہے تھے' بس ایک انا اور ضد تھی جو ان دونوں کے درمیان دیوار بن کے کھڑی تھی۔

☆

''عالیہ بیٹی! میرے خیال سے تمہیں اب اپنے گھر چلے جانا چاہئے' ناراضگیاں دلوں میں کدورتیں پیدا کردیتی ہیں' اس سے پہلے کہ دلوں میں محبتوں کا وجود باقی نہ رہے تمہیں منیب کی زندگی میں واپس چلے جانا چاہئے''۔ اس دن رفعت بی بی نے اسے سمجھایا۔ عالیہ کے ابا بھی وہیں پر تھے۔

''ہاں بیٹا! تمہاری ماں ٹھیک کہتی ہیں چھوٹے موٹے جھگڑے تو گھر میں ہوتے ہی رہتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان اپنا گھر چھوڑ کے بیٹھ جائے' پھر ذرا سفیان کے بارے میں بھی سوچو اس کا کیا قصور ہے اسے اس کے باپ سے جدا کر کے تم

اسے کس بات کی سزا دے رہی ہو؟ یہ تو منیب کی شرافت ہے جو وہ خاموش بیٹھا ہے اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا مرد ہوتا تو کب کا تم سے اپنا بچہ چھین کر لے جاتا اور تم کچھ نہ کر پاتیں“۔ ابا اور اماں کی باتیں اپنی جگہ ٹھیک تھیں' وہ اس کا بھلا چاہتے تھے کیونکہ دنیا کے دیگر والدین کی طرح ان کی بھی یہی سوچ تھی کہ بیاہی بیٹیاں اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں' منیب نے کہا تھا اس کے گھر کے دروازے ہمیشہ اس کے لئے کھلے رہیں گے وہ جب چاہے اپنے گھر واپس لوٹ سکتی ہے' ان دونوں کے درمیان فاصلہ صرف ایک فیصلے کا تھا' عالیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شام کو کسی نے دروازہ بجا کر عالیہ کے نام ایک لفافہ بھیجا تھا' اس نے حیرت و پریشانی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ لفافہ چاک کیا تھا' اندر کچھ روپے تھے اور ساتھ ہی ایک خط۔

”عالیہ! تمہیں میکے میں رہتے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے اس لئے میں کچھ رقم بھیج رہا ہوں' کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری بیوی اور بچہ کسی پر بوجھ بنیں۔ تمہارا منیب“۔ خط اور روپے ہاتھ میں تھامے وہ حیران پریشان سی خلاؤں میں گھور رہی تھی۔

☆

زندگی میں بعض لمحے آگہی بن کر داخل ہوتے ہیں اس پر بھی بہت سے مفہوم واضح ہوئے تھے' وہ گھر چھوڑ کے آئی تھی' کیوں کہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ منیب کو اس کی پرواہ نہیں ہے' اگر منیب کو اس کی پرواہ نہیں تھی تو یہ روپے اس نے کیوں بھیجے؟ وہ چاہتے تو اسے پریشان ہونے کے لئے اکیلا چھوڑ دیتے' سزا کے طور پر اس سے کوئی رابطہ نہ رکھتے' مگر انہوں نے دور رہ کر بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑا تھا' اپنے ہونے کا احساس باقی رکھا تھا' اکیلا تو وہ چھوڑ آئی تھی انہیں' کیونکہ فتور اس کے ذہن میں تھا' وہ بے معنی چیزوں کو ہتھیار بنا کر پریشانی کو دعوت دیتی رہی تھی' اسے ناخوش رہنے اور مظلوم بننے کی عادت سی ہو گئی تھی' لوگ تو اپنی زندگی میں نجانے کیا کچھ فیس کرتے ہیں ایک وہ تھی کہ ذرا سے کاموں سے گھبرا کر کیا سے کیا سوچ بیٹھی تھی۔

اس کے اندر حسد تھا جو اسے ہی جلا رہا تھا' اس کے اندر زندگی کے معاملات میں توازن رکھنے کی صلاحیت نہیں تھی وہ ایک چیز کرتی تو پھر اسی کو سر پر سوار کر لیتی' بعض دفعہ بعض چیزیں اتنی غلط نہیں ہوتیں جتنا انہیں ہماری سوچ اور عمل بنا دیتے ہیں وہ بھی نادانستگی میں صحیح چیزوں کو غلط بنا رہی تھی جس میں نقصان سراسر اس کی اپنی ذات کا تھا۔

آج اس کی زندگی میں یہ احتساب کی گھڑی تھی جس میں محاسب بھی وہی تھی اور محتسب بھی۔ اسے زمانہ طالب علمی میں پڑھی گئی Charles Mackay کی مشہور زمانہ نظم یاد آئی۔ اس نظم کا ہیرو اپنی زندگی میں بہت آسودہ تھا' بہت خوش تھا' ایسا نہیں تھا کہ وہ بہت امیر تھا' یا وہ پر آسائش زندگی گزار رہا تھا' بلکہ وہ تو ایک عام آدمی تھا' جو دریائے ڈی کے کنارے آٹے کی چکی چلاتا تھا۔ اس کی اس قدر مطمئن اور پرسکون زندگی پر اس وقت کے حکمران نے بھی رشک کیا تھا اور اعتراف کیا تھا کہ ”میں باوجود اپنی وسیع سلطنت اثر ورسوخ' فوج' نوکروں چاہنے والوں اور جانثاروں کے اتنا خوش نہیں جتنا کہ وہ چکی چلانے والا عام آدمی تھا“ اس کو اس سے غرض نہیں تھی کہ اس کے پاس کیا ہے اور کیا نہیں' کیونکہ جو وہ تھا وہ اسی میں خوش تھا۔ وہ اپنے آنسو صاف کر کے اٹھی اسکے قدم ابا کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں فون اسٹینڈ رکھا تھا' منیب کو فون کرنے کے لئے جاتے ہوئے اس نے ایک بات گرہ سے باندھ لی تھی کہ انسان اگر خود خوش رہنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے ناخوش نہیں رکھ سکتی' مائرہ بھابی بھی تو یہی کرتی تھیں اور دریائے ڈی کے کنارے ملر بھی پھر وہ کیوں نہیں۔

☆

سائرہ غفار

افسانہ

جہاں لکھا ہے ملن

"اے زکو ذرا میک اپ تو کرلو"۔ ارم باجی نے صوبیہ کو بٹھا کر میک اپ کرنا شروع کردیا۔ ارم باجی کے ہاتھ تیزی سے حرکت کررہے تھے' انہوں نے میک اپ کرنے کے بعد صوبیہ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں اب ٹھیک لگ رہی ہو' چلو"۔ صوبیہ کو ڈرائنگ روم میں مہمان خواتین کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ مہمان خواتین کھاتے کھاتے اس کا تنقیدی جائزہ بھی لیتی جارہی تھیں' آپس میں کھسر پھسر بھی جاری تھی' پھر ایک موٹی سی آنٹی بولیں۔

"اے بہن! یہ تو بہت بڑی ہے' ہمارا لڑکا تو بس 22 سال کا ہے' ذرا سی چھوٹی لڑکی دکھاؤ"۔ صوبیہ جل کر رہ گئی' لڑکی نہیں دیکھنے آئیں یہ...... یہ تو سینڈل خریدنے آئی ہیں ذرا چھوٹی دکھاؤ...... اماں جان رسان سے بولیں۔

"ارے بہن جی! میری تو بس یہی بیٹی ہے' دو بڑی بیٹیاں بیاہ دی ہیں' صوبیہ بھی صرف بیس سال کی ہے"۔ دوسری والی آنٹی جو پہلی والی سے بھی زیادہ موٹی تھیں فوراً بولیں۔

"اے کیا بات کرتی ہو بہن! شکل سے تو کم از کم اٹھائیس کی لگتی ہے"۔ میرا دل چاہا کہ میں ان کا منہ نوچ لوں۔ پھر دونوں آنٹیاں اٹھ کھڑی ہوئیں اور ایک بولیں۔

"بہن! برا مت منانا مگر ہمارا لڑکا تو شکل وصورت سے بھی چھوٹا لگتا ہے' جوڑی کچھ جچے گی نہیں اس لیے معذرت"۔ اتنی دیر میں دوسری موٹی سی آنٹی نے کباب ہڑپ کر لئے تھے۔ صوبیہ کا خون کھلی بے عزتی کے باعث کھول رہا تھا' اماں جان کا دل ٹوٹ سا گیا۔

دونوں آنٹیوں کے جانے کے بعد اماں جان نصیبوں کو رونے لگ گئیں' ارم باجی بھی ساتھ بیٹھی تھیں' اماں جان بولے جارہی تھیں۔

"اس ہفتے میں تیسری بار کوئی صوبیہ کو دیکھنے آیا تھا' پتہ نہیں کہیں کوئی رکاوٹ ہے یا کوئی اور مسئلہ ہے' سمجھ نہیں آتی مجھے کہ آخر کروں تو کیا کروں؟ ہر کوئی منع کر دیتا ہے' اس عمر میں تم اور رابعہ دونوں اپنے گھروں کی ہو گئی تھیں"۔ ارم باجی اماں جان کو تسلی دینے لگیں۔

"اماں جان! آپ کیوں دل پر لیتی ہیں' اللہ جو کرتا ہے بھلے کیلئے کرتا ہے' ہوسکتا ہے کہ صوبیہ کے نصیب میں یہ لڑکا بہتر نہ ہو"۔ اماں جان چپ چاپ اٹھ کر رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوگئیں۔

صوبیہ اس سارے قصے میں خود کو قصوروار گردانے لگی' حالانکہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا' مگر جب بھی کوئی رشتہ آیا تو اماں جان انکار سن کر بجھ سی جاتیں۔

☆

چند دنوں بعد باجی کے توسط سے ایک رشتہ آیا' لڑکے والے ہر لحاظ سے اماں جان اور ابو جی کو اچھے لگے۔ وہ سب لوگ رابعہ باجی کے گھر پر ہی ملے تھے مگر



ابھی تک انہوں نے صوبیہ کو نہیں دیکھا تھا۔ اتوار کو وہ لوگ صوبیہ کو دیکھنے کیلئے اس کے گھر آئے' گھر بھر میں رونق اور چہل پہل ہونے لگی' زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں کہ مبادا کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ صوبیہ یہ سب دیکھ کر کڑھتی رہی' لڑکے والے حیثیت میں بھی ان سے اونچے تھے اس لئے بھی ان کے شایانِ شان تیاری ہورہی تھی۔ لڑکے والے آئے' صوبیہ کو خوب تیار کیا تھا اس کی دونوں بڑی بہنوں نے مل کر' لیکن ساری محنت اکارت گئی' لڑکے والوں نے جواز دیا کہ آپ کی لڑکی بہت فیشن ایبل ہے۔ صوبیہ ان روز روز کے ڈراموں سے تنگ آچکی تھی' اس نے گھر والوں کو صاف منع کردیا۔

"آپ لوگ میری شادی کے متعلق سوچنا بند کر دیں پلیز...... میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی"۔ صوبیہ نے ایک اسکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ یہ ڈرامے کچھ عرصے کے لئے تھم گئے' صوبیہ نے سکھ کا سانس لیا۔

اسے اسکول میں ملازمت کرتے ہوئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ اس کی ایک سہیلی نازیہ نے اسے کہا۔

"صوبیہ! تم کہیں انگیجڈ ہو کیا؟" صوبیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں بھئی؟" تو نازیہ نے کہا۔

"نہیں میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی"۔ صوبیہ نے بھی زیادہ دھیان نہیں دیا۔

چند دنوں بعد وہی دونوں پہلی والی موٹی خواتین صوبیہ کے گھر نازیہ کے ساتھ آئیں اور اماں جان کی منتیں کرنے لگیں۔

"ہمیں اپنی لڑکی کا رشتہ دے دو"۔ اماں جان نے لاکھ سمجھایا۔

"میری بیٹی تو آپ کے بیٹے کے جوڑ کی ہے ہی نہیں تو کیوں دوں؟" تو وہ خواتین باقاعدہ ہاتھ جوڑنے لگیں' اماں جان شرمندہ ہوگئیں۔

چٹ منگنی پٹ بیاہ کے بعد صوبیہ دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے میاں کا حجلہ عروسی میں انتظار کررہی تھی۔

اس کا میاں اس کے خوابوں کے عین مطابق تھا' زندگی خوشی کی ڈگر پر دوڑنے لگی۔ شادی کے بعد اسے پتہ چلا کہ اس کا میاں عباد سادگی کا دلدادہ ہے' پہلی بار جب اس کی چچی اور امی' صوبیہ کو دیکھنے آئیں تو ارم باجی نے صوبیہ کو بہت سا میک اپ تھوپ دیا تھا اسی لئے انہوں نے انکار کردیا تھا لیکن نازیہ کا بھائی ہونے کے ناطے عباد اسے لینے اکثر اسکول آتا تھا وہیں صوبیہ کی سادگی سے متاثر ہوا اور دوبارہ ان کی دہلیز پر پہنچا۔

رشتے یوں بھی ہوتے ہیں۔ صوبیہ اکثر سوچتی ہے کہ قسمت کا لکھا کوئی نہیں ٹال سکتا۔ جہاں لکھا ہے ملن وہیں پیا ملے گا۔

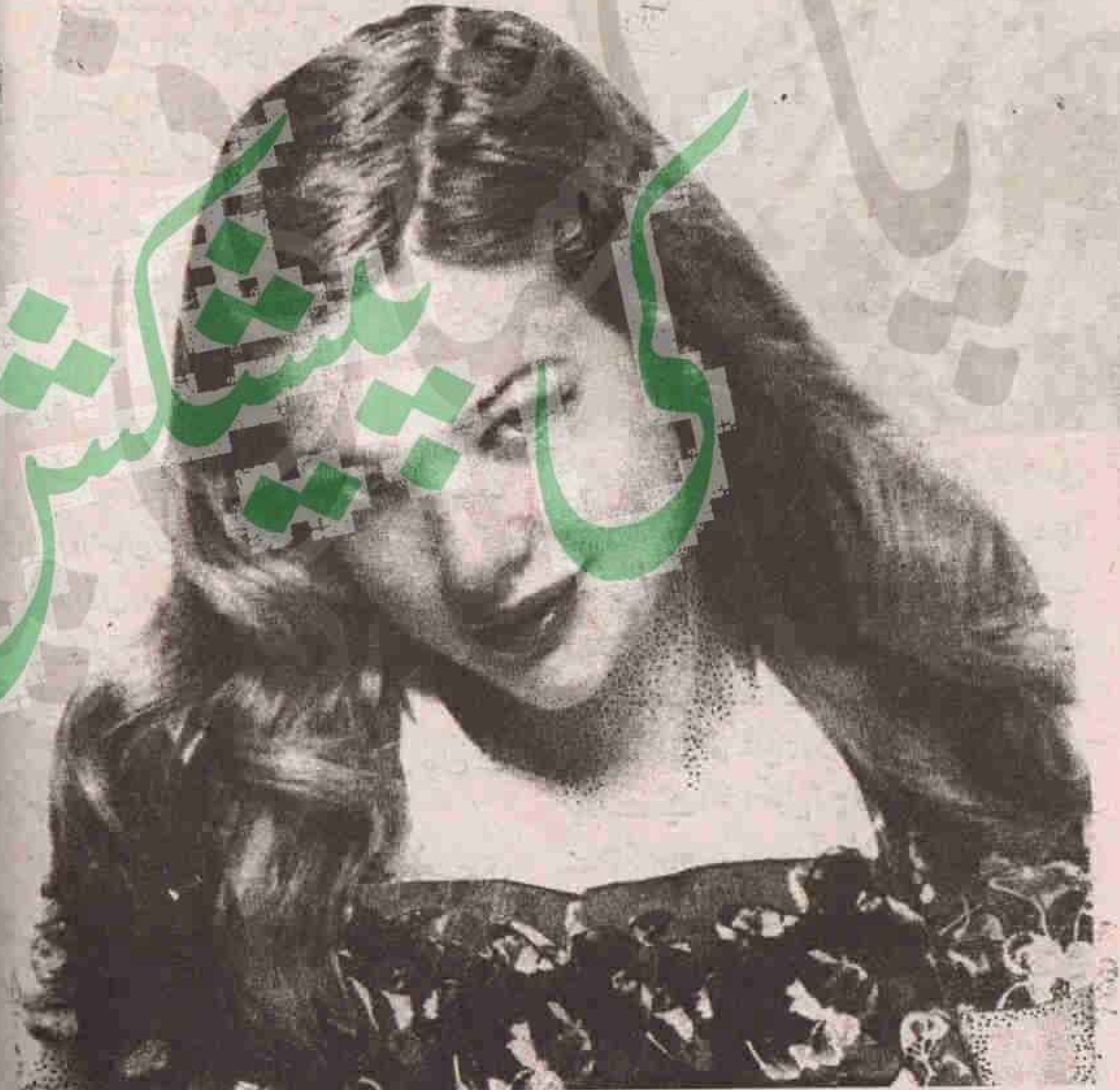


جیا قریشی

مکمل ناول

میں خدا اور تم

''کیا تم مسلمان ہو......؟'' حالانکہ سوال آسان اور قابل فہم تھا مگر اس کی روح پر تازیانہ پڑا تھا' اس کے بڑھتے ہاتھ یکدم ہی رکے تھے وہ ساکت نظروں سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا' جس کی عمر تقریباً انیس بیس سال تھی۔



''میں بھی مسلمان ہوں''۔ اس کی خاموشی سے اس نے خود ہی جواب اخذ کر لیا تھا' جو غلط بھی نہیں تھا' اس کے نقوش عام امریکیوں جیسے ہی تھے' سنہری قدرے لچھے دار بال' گہری نیلی آنکھیں' قدرے پتلی اور چھوٹی سی ناک' گلابی لب اور سپیدی مائل گلابی رنگت' اس کے نقوش میں ایک نرمی اور ملائمت سی گھلی ہوئی تھی' وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر خوف اور آنکھوں میں ایک ہی التجا تھی کہ دیکھو تم مسلمان ہو اللہ نے تمہارے لئے حدود متعین کی ہے مجھے چھو کر ناپاک مت کرو' اس نے میکانکی انداز میں ہاتھ کھینچے۔

لڑکی کے چہرے پر اطمینان پھیلا تھا وہ غیر محسوس انداز میں اس سے دور ہٹی' آج کی رات وہ اس لڑکی کا خریدار تھا' اسے اس کے مسلمان ہونے پر حیرت نہیں ہوئی تھی' ہاں اس کی ملتجی نظروں پر حیرت ہوئی تھی' وہ بھانپ چکا تھا کہ آج پہلی بار اس کا واسطہ ایسے حالات سے پڑا ہے' مسلم لڑکیاں بھی اس پیشے سے منسلک تھی' گو ان کی تعداد بہت کم تھی اور جو تھیں وہ پیٹ کی دوزخ سے مجبور ہو کر یہ کام کرنے پر مجبور تھیں اور کچھ کو منظم گروہ شادی کر کے لاتے اور زبردستی گناہوں کی دلدل میں اتار دیتے۔

''تو پھر تم یہاں......؟'' سوال ادھورا چھوڑ کر اس نے ایک طائرانہ نظر کمرے پر ڈالی' کافی تنگ اور بوسیدہ



کمرہ تھا' کمرے میں ایک ڈبل بیڈ اور کرسی تھی' اس سے ہی کمرہ بھرا بھرا لگ رہا تھا' صرف چلنے کی جگہ باقی بچی تھی دیوار پر ایک آئینہ اور کمرے کے کونے پر ایک کاؤنٹر سی تھی' وہ چہرے اور کپڑوں سے معزز اور معقول گھرانے کا فرد معلوم ہوتی تھی۔

''میرا تعلق ایک عیسائی کیتھولک خاندان سے ہے ایک ہفتہ پہلے میں نے اپنا گھر چھوڑ دیا کیونکہ......''

''اسلام قبول کرکے کیا ملا تمہیں......؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''الٹا تمہیں اپنا گھر چھوڑنا پڑا اور اب تم یہاں پرانی بوسیدہ عمارت کے غلیظ کمرے اور غلیظ لوگوں کے درمیان ہو''۔ وہ استہزائیہ لہجے میں بولا تھا وہ دنگ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی' اگر ایک غیر مسلم اس سے یہ سوال کرتا تو اسے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی اس کے سوال کرنے پر ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے میں تم پر ترس کھا کر تمہاری ملتجی نظروں سے متاثر ہوکر تمہیں نہیں چھوتا آج کی رات تمہاری عافیت سے گزر جائے گی مگر کل تم کیا کروگی......؟'' وہ چبھتے لہجے میں بولا تھا۔

''یہ تو آزمائش ہے ایک نہ ایک دن ختم ہو ہی جائے گی' تم یہ پوچھو کہ اسلام قبول کرکے مجھے کیا نہیں ملا؟ میں نے ہدایت اور بھلائی کا راستہ پالیا ہے' مجھے سکون کی وہ دولت ملی ہے جسکے آگے نہ دنیا کوئی معنی نہیں رکھتی ہے' میں اللہ کے محبوب کی امتی بن گئی ہوں' اسلام قبول کرنے کے بعد کون آزمائشوں سے نہیں گزرا' صحابہ کرام اور خود اللہ کے محبوب جن کے لئے ہی اللہ نے یہ کائنات تخلیق کی وہ خود بھی تو کتنی آزمائشوں اور مشقت سے گزرے آپؐ اور صحابہ کرام کو تین سال شعب ابی طالب میں محصور گزارنے پڑے''۔ انگریزی میں بولتے بولتے اس نے شعب ابی طالب کا نام بڑی دقت کے بعد ادا کیا تھا وہ مسریز سا اسے دیکھ رہا تھا وہ نو مسلم تھی مگر کافی معلومات رکھتی تھی۔

''مجھے آج کے بارے میں کل ہی بتا دیا گیا تھا میں نے ان لوگوں سے بہت منت کی تھی مگر کسی نے مجھ پر ترس نہیں کھایا' میں نے اللہ سے بہت دعائیں مانگی تھیں مگر مجھے ان کے قبول ہونے کی امید نہ رہی تھی مایوسی کفر ہے' میں اسلام کے بارے میں ابھی بہت زیادہ معلومات نہیں رکھتی' تمہارے آنے سے چند منٹ پہلے تک میں مایوسی سے سوچ رہی تھی کہ حرام موت کو گلے لگاؤں یا حرام زندگی کو۔ میں جانتی ہوں کہ خودکشی حرام ہے اس سے بڑا اور بدترین کوئی ظلم نہیں' مگر جب حالات ایسے ہوں تو پھر مسلمان عورت کے لئے کیا حکم ہے میں نہیں جانتی تھی میں اس کی رحمت سے مایوس ہوچکی تھی مگر اس نے ایک بار پھر مجھ پر رحم کیا' ایک بار پھر اس نے میری مدد کی' مجھے پھر سے اپنے رحمت کے پردوں میں چھپالیا' اب میرا یقین اس پر پکا ہوگیا ہے مجھے یقین ہے کہ آئندہ بھی وہ مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا' جیسے آج اس نے میری مدد کی تمہیں فرشتہ بنا کر بھیج دیا' ایسے ہی کسی نہ کسی طرح کل بھی کرے گا'' اس کی روح پر ایک بار پھر تازیانہ پڑا تھا' اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا اور پر یقین تھا۔

اسے اس لڑکی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی نا ہی وہ اپنے قیمتی ڈالرز ضائع کرنا چاہتا تھا مگر پھر بھی وہ بیڈ سے اٹھ کر کمرے کی اکلوتی کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

''تم خوش قسمت ہو مسلم گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے تم مسلم معاشرے کا ایک فرد ہو' تمہیں اس معاشرے کا حصہ بننے کے لئے قربانی نہیں دینی پڑی''۔ اس کی گندمی رنگت سیاہ آنکھوں اور سیاہ بالوں سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ایشین ہے اور ایشین تھا تو ظاہری بات ہے پیدا مسلمان بھی تھا' وہ بےزاری سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھ جاؤ پلیز......'' اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر وہ بھی جلدی سے کھڑی ہوئی تھی۔

''مجھے تمہاری باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے''۔ وہ کوفت سے بولا۔

''چلو میں تمہیں بتاتی ہوں کہ مجھے اسلام نے کیسے متاثر کیا''۔ وہ بولی تھی۔

''مجھے تمہاری کہانی سننے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے''۔ وہ ایک بار پھر بےزاری سے بولا تھا۔

''مگر مجھے سنانے میں تو ہے''۔ خاصے اطمینان سے جواب دیا گیا تھا جیسے اسے یقین تھا کہ وہ ضرور رکے گا' اور وہ ناچاہتے ہوئے بھی کرسی پر جم گیا تھا' چند لمحے وہ سوچتی رہی جیسے الفاظ جمع کررہی ہو۔

''میرا تعلق رومن کیتھولک خاندان سے ہے' میرا باپ نیویارک کا امیر اور معزز شخص ہے' ایرک گولڈ اسمتھ شاید تم اس کے نام سے واقف ہو''۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا مگر اس کی نظروں کے سامنے چند مہینے پہلے کے اخبار کی سرخی لہرائی تھی' شہ سرخی تھی۔

''مغرب میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا''۔ نیچے نیویارک کے مشہور سرمایہ دار ایرک گولڈ اسمتھ کی بیٹی انجیل گولڈ اسمتھ کے اسلام قبول کرنے کی خبر تھی اور پھر اس کے باپ کے تردیدی بیانات تھے چند لمحے کے توقف کے بعد اس نے پھر بولنا شروع کیا۔

''میرا باپ اصولوں کا پکا کافی قدامت پسند اور سخت مزاج ہے' نیویارک کے آزاد معاشرے میں ہماری پرورش کافی سخت خطوط پر کی گئی تھی پھر بالغ ہونے پر ہمیں کچھ ڈھیل دے دی گئی' میرے گھر میں مجرب اور غیر اخلاقی حرکات پر سخت پابندی ہے' ایک بار میرا بھائی ملازمہ کے ساتھ غیر اخلاقی حرکت کرتے ہوئے پکڑا گیا میرے باپ نے ہنٹر مار مار کر چمڑی ادھیڑ دی میرے بھائی کی نہیں ملازمہ کی حالانکہ مجرم وہ بھی تھا' امیر اور غریب کے اس پیمانے پر میرے دل میں پہلی بار بےزاری پیدا ہوئی تھی' میرے گھر میں نا تو مخلوط ڈانس پارٹیز پر کوئی پابندی تھی' نا شراب نوشی پر اور نہ ہی مختصر لباس پہننے پر صرف غیر اخلاقی حرکات پر پابندی تھی' ان حرکات کے محرک اور اسباب پر کوئی پابندی نہیں تھی' پٹرول اور آگ ساتھ ساتھ رکھی جائے اور پھر یہ خواہش کی جائے کہ آگ نہ لگے خاصی بےوقوفانہ خواہش ہے''۔ اس کے لبوں پر ایک استہزائی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''میری بہن سے بھی ایک غلطی سرزد ہوئی جب میرے باپ کو پتہ چلا تو اس نے اپنے دوست اور رازدار ڈاکٹر کے ساتھ مل کر سلو پوائزن دے دے کر میری بہن کو ایک ماہ میں ہی ہلاک کر ڈالا اس بار پیمانہ دوسرا تھا مرد اور عورت کی تفریق کا پیمانہ' بھائی مرد تھا اس لئے اسے چھوڑ دیا گیا تھا' بہن عورت تھی تو اسے قبر میں پہنچا دیا گیا' میری بہن نے میری نظروں کے سامنے دم توڑا تھا' اس کی آنکھوں میں بہت خوف اور بےبسی تھی''۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

''مجھے اپنے باپ سے بہت خوف اور نفرت محسوس ہوئی تھی' ان ہی دنوں میری جونز کی تقریروں نے آگ لگانی شروع کردی تھی' چرچ اس کے ہم خیال ہوگئے تھے وہیں مشتعل مسلمانوں نے مظاہرے شروع کردیئے' دنیا کا کوئی بھی مذہب مذہبی منافرت اور مذہبی تعصب پھیلانا نہیں سکھاتا' ہر مذہب دوسرے مذاہب کے لوگوں کی عزت و تکریم کا درس دیتا ہے مگر میں نے سوائے مسلمانوں کے کسی مذہب کے لوگوں کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا' حضورؐ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے جاتے ہیں گستاخانہ تصویری خاکے شائع کئے جاتے ہیں نعوذ باللہ قرآن پاک کو شہید کیا جاتا ہے نعوذ باللہ' مگر میں نے کبھی کسی مسلمان کو نہ تو حضرت عیسیٰؑ کی شان میں گستاخی کرتے سنا اور نہ ہی کبھی بائبل شہید کی گئی' حالانکہ آئے دن مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں اور ہر گزرتے دن کے ساتھ ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے''۔ شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔

''مجھے اس بات کا بہت رنج ہوا تھا کہ جب مسلمان کسی کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے تو ان

کے جذبات مجروح کیوں کئے جاتے ہیں؟ یونیورسٹی کے مسلم طلباء نے احتجاجی مظاہرے کرنے شروع کیے ساتھ ہی انہوں نے یہودی اور عیسائی طلباء سے بھی شرکت کی اپیل کی تھی' یوں وہ غیر مسلم طلباء جو ٹیری جونز کے بیانات کے خلاف تھے ان مظاہروں میں شریک ہوئے' میں نے بھی بھرپور طریقوں سے ان مظاہروں میں شرکت کی تھی' مظاہرہ خاصا کامیاب رہا تھا اور یونیورسٹی انتظامیہ یونیورسٹی کی حدود میں کسی بھی قسم کے مشتعل بیانات اور تصویری خاکوں کی نمائش پر پابندی لگانے پر مجبور ہوگئی"۔

"ایک دن یونیورسٹی سے واپس آتے ہوئے راستے سے میں نے کولڈ ڈرنک کا کین خریدا' پینے کے بعد جب میں نے اسے ڈسٹ بن میں ڈالنا چاہا وہاں مجھے ایک کتاب نظر آئی میں نے اٹھا کر دیکھا وہ قرآن پاک کا انگریزی ترجمے کا نسخہ تھا' شاید ٹیری جونز کے کسی چیلے نے مسلمانوں کے جذبات مشتعل کرنے کے لئے وہاں ڈالا تھا' اب تک کسی مسلمان کی نظر یقیناً اس پر نہیں پڑی تھی میں نے وہ اٹھالیا' سوچا کل یونیورسٹی جاکر کسی مسلم ساتھی کو یہ کتاب دے دوں گی' ہر رات سونے سے پہلے مجھے مطالعے کی عادت ہے' اس رات بھی جب میں سونے کے لئے لیٹی تو مجھے اس کتاب کا خیال آیا اس کتاب کا پہلا صفحہ پڑھ کر ہی میرے اندر تجسس جاگ اٹھا' میں جاننا چاہتی تھی کہ سیدھا راستہ کونسا ہے اور وہ کون لوگ تھے جن پر خدا نے اپنا غضب نازل کیا' جب ہی اگلے روز جاتے ہوئے میں وہ کتاب اپنی الماری میں لاکڈ کرگئی"۔ وہ سانس لینے کے لئے رکی تھی۔

"جوں جوں میں کتاب کا مطالعہ کررہی تھی میرا اس کے الہامی اور سچا ہونے پر ایمان بڑھتا جارہا تھا' ساتھ ہی رنج بھی کہ اب تک میں جس عقیدے پر عمل پیرا تھی وہ تو خود ساختہ تھا انسانوں کا بنایا ہوا ایک انسان برسوں سفر کرتا رہے پھر اچانک اسے ادراک ہو کہ وہ تو غلط منزلوں کا مسافر ہے راہ تو دراصل کچھ اور ہی تھی تو تکلیف اور تھکن تو ہوگی ایسا ہی کچھ میرا حال ہوا تھا' میں نے یونیورسٹی میں مسلم طلباء سے تعلقات بڑھائے مگر میں ان سے زیادہ کچھ نہیں جان پائی صرف بنیادی عقائد کا فرق تھا باقی ان کی زندگی ہمارے جیسی ہی تھی"۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی سن رہا تھا۔

"ان ہی دنوں ہمارے ڈپارٹمنٹ میں نئی لڑکی داخل ہوئی فاطمہ بن عبدالرؤف اس کا تعلق سعودیہ سے تھا اس کی شخصیت میں مقناطیسی کشش تھی میں اس کی طرف کھینچتی چلی گئی' اس سے باتیں کرکے مجھے بہت سکون ملتا تھا' پھر ایک دن وہ مجھے اپنے گھر لے گئی' اس کی ماں بھی بالکل اس کے جیسی تھی' ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے کی طرح' اس کے گھر میں کچھ وقت گزار کر اس کے ماں باپ سے باتیں کرکے مجھے مزید جاننے کا موقع ملا پھر اس نے واپسی پر مجھے کچھ کتابیں گفٹ کیں' اب قرآن کے ساتھ میرے مطالعے میں وہ کتابیں بھی شامل ہوگئیں میرا دل اسلام کی حقانیت پر ایمان لاچکا تھا میں اسلام قبول کرنا چاہتی تھی مگر مجھے اپنے باپ سے بہت ڈر لگتا تھا' پھر ایک دن میرا خوف بھی رخصت ہوگیا' میری نظروں سے ناسا کے سائنسدانوں کا ایک مضمون گزرا عنوان تھا' سورج کا جھکنا' میں مختصراً تمہیں بتاتی ہوں"۔ کچھ دیر رک کر مزید بولی۔

"1977ء میں امریکی خلائی ادارے ناسا نے دو خلائی جہاز روانہ کیے جن کا ٹارگٹ نظام شمسی سے بھی آگے تھا' یہ اپنے کیمرے سے دیکھے گئے مناظر متواتر زمین پر بھیجتے رہے' یہ نظام شمسی کو پار کرکے آگے ایک ایسے خلاء میں پہنچ گئے جس خلاء کو ہیلیو سفائر کہا گیا ہے' یہ خلاء کا وہ حصہ ہے جس پر سورج کے غلبے کے اثرات موجود ہیں' دونوں جہاز اس خلاء کو بھی پیچھے چھوڑتے ہوئے بڑی تیزی کے ساتھ ایک ایسے خلاء میں داخل ہونے جارہے ہیں جسے انٹرسٹیلر کہا جاتا ہے' اس خلاء میں داخل ہوکر جب جہازوں نے اپنے کیمروں کا رخ سورج کی طرف کیا تو اس پر لرزش طاری تھی وہ

جھکا ہوا تھا' اس کی سائنسی کہانی یہ ہے یہاں سورج کے کمزور ہوائی اور مقناطیسی اثرات کو جو حرکت ملتی ہے وہ انٹرسٹیلر خلاء کے ذریعے ملتی ہے وہ یوں کہ ہیلیو سفائر کے خلاء کو سورج کی ہوا پھیلاتی ہے جب کہ انٹرسٹیلر گیس باہر کی طرف سے اسے دباتی ہے یوں لرزش کا منظر پیدا ہوتا ہے' اس منظر میں عاجزی ہے' خشوع ہے سجدہ ریزی ہے سائنسدانوں نے تسلیم کرلیا کہ یہاں سورج انتہائی کمزور پڑ جاتا ہے' وہ اپنے آپ کو پیش کرتا ہے کس کے سامنے؟ اپنے خالق کے سامنے میرے اللہ کے سامنے' یہ پڑھ کر میرا دل سجدہ ریز ہوگیا تھا میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' مجھے چند دن پہلے پڑھی گئی قرآن کی آیت کا ترجمہ یاد آیا"۔ اب بھی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو مخلوقات زمین میں ہیں حتیٰ کہ سورج' چاند اور سب ستارے' پہاڑ' درخت اور چوپائے اور بہت سارے لوگ سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں"۔ اس کی آواز کانپنے لگی تھی آنسو گالوں پر بہہ رہے تھے اور وہ دم بخود سا اسے دیکھ رہا تھا' چند لمحے رک کر اس نے اپنے آنسو صاف کیے اوسان بحال کیے اور پھر بولی۔

"بس میرے دل سے ہر چیز کا خوف نکل گیا اور اللہ کا خوف سما گیا' میں نے اگلے ہی دن فاطمہ کے والد کے ساتھ جاکر پروفیسر عبدالکریم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا' فاطمہ اور اس کی والدہ نے مجھے بنیادی تعلیمات سکھائیں مجھے وضو کرنا اور نماز پڑھنا سکھایا' میں پانچ ٹائم کی نماز پڑھتی بہت سکون ملتا تھا' سجدہ میں سر رکھتے ہی مجھے سورج کا سجدہ یاد آجاتا اور میرا سر اٹھانے کا دل نہ چاہتا' شروع شروع میں کمرہ بند کرکے اور کھڑکیوں پر پردے ڈال کر نماز پڑھتی تھی پھر آہستہ آہستہ میں بے نیاز ہوگئی' میں نے سوچا تھا میں کسی مسلمان مرد سے شادی کرلوں گی مگر تب تک میں کسی کو بھی اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں پتہ لگنے نہیں دینا چاہتی تھی' ایک دن جب میں نماز پڑھ رہی تھی سامنے رہنے والی مسز پال نے مجھے دیکھ لیا اور آکر میرے خاندان کو بتادیا' میرے یونیورسٹی جانے کے بعد میرے کمرے کی تلاشی لی گئی' وہاں سے قرآن اور دوسری کتابیں برآمد ہوگئیں' وہ میری زندگی کے سخت دن تھے' شروع میں میرے باپ نے مجھے ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر اسلام سے دور کرنے کی کوشش کی میرے نہ ماننے پر مجھے زبردستی چرچ لے جایا جانے لگا' مجھے نماز نہیں پڑھنے دی جاتی تھی' میرے کانوں میں تو اذان کی آواز رس گھولنے لگی تھی۔ رات کو بھی میری بہن کمرے میں میرے ساتھ سونے لگی تھی۔ ایک دن میں زبردستی نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی' میرا بھائی بالوں سے کھینچتا ہوا مجھے نیچے ہال میں لے گیا' میرے باپ نے مجھ پر ہنٹر برسانے شروع کیے' وہ مجھے تب تک مارتا رہا جب تک میں بے ہوش نہ ہوگئی' پھر اکثر یہ ہونے لگا جو وہ کہتے تھے میں کر نہیں سکتی تھی اور مزید مار کھانے کی مجھ میں سکت نہ رہی تھی' ایک دن میں نے تنگ آکر مددگار پولیس کو بلالیا' اپنے باپ پر میں نے چارج لگایا کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے' پولیس میرے ماں باپ کو گرفتار کرکے لے گئی' میں جانتی تھی کہ نیویارک پولیس لاکھ غیر جانبدار سہی مگر وہ بھی انہیں چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں روک پائیں گے' اس کے بعد شاید میرا انجام بھی میری بہن جیسا ہوتا اس لئے میں نے اسی رات اپنا گھر چھوڑ دیا' میں نے اپنے کئی دوستوں سے پناہ کی درخواست کی مگر کوئی بھی میرے باپ کی مخالفت مول لینے کو تیار نہ ہوا' فاطمہ ہوتی تو شاید مجھے اتنی اذیت نہ جھیلنی پڑتی' یونیورسٹی انتظامیہ نے اس کے اسکارف پر اعتراض کرتے ہوئے اسے یونیورسٹی سے نکال دیا تھا' چند دن بعد ہی وہ اپنے والدین کے ساتھ واپس سعودیہ چلی گئی تھی"۔ وہ اس وقت سخت قرب سے گزر رہی تھی۔

"تنہا نیویارک کی سڑک پر بیٹھے سرد اور برفیلی ہواؤں کا مقابلہ کرتے' جب میں قریب المرگ ہوگئی تھی اللہ نے میری مدد کی ایک افریقی بوڑھا جوڑا مجھے اپنے گھر لے گیا' چار دن میری مہمان نوازی کرنے کے بعد وہ چند دالرز کے

عوض مجھے یہاں بیچ گئے"۔ اس نے بات ختم کر کے اسے دیکھا تھا۔

"بڑی اچھی مدد کی اللہ نے تمہاری' ہمدردوں کے ہاتھوں ہی بکوادیا"۔ وہ کاٹ دار لہجے میں بولا تھا۔

"وقتی ہی سہی پر مدد تو کی تھی ورنہ شاید اس رات میں مر چکی ہوتی اور مجھے یقین ہے آگے بھی کرے گا"۔ اس کا لہجہ مطمئن تھا۔

"معاف کرنا تمہیں زبردستی خود کو سننے پر مجبور کیا' دراصل میں چاہتی تھی کہ تم کچھ دیر ٹھہرو اگر تم جلدی چلے جاتے تو مجھے ان سے کوئی اچھی امید نہیں' ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور کو بھیج دیتے"۔ وہ قدرے شرمندگی سے بولی تھی۔

"مگر اللہ پر تو بھروسہ ہے نا تمہیں"۔ وہ طنزیہ لہجے میں بولا تھا۔

"ہاں اور اسی کے بھروسے میں نے تمہیں روکا اور تم رک بھی گئے' اپنی مدد آپ کرنے کو خدا نے منع تو نہیں کیا"۔ وہ مسکرا کر اسے سمجھانے والے انداز میں بولی تھی۔

"کیا تم پاکستانی ہو؟" اس نے پوچھا تھا اس نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"پاکستانی اچھے ہوتے ہیں تم بھی اچھے ہو"۔ ایک بار پھر وہ بلبلا اٹھا تھا' اب کی بار اس سے برداشت نہیں ہوا تھا' اس نے جھپٹنے والے انداز میں اس کے بال پکڑے تھے۔

"میں اچھا نہیں ہوں سمجھیں تم' میں ایک گھٹیا اور بدکردار انسان ہوں اچھا ہوتا تو اس گندی جگہ نہ بیٹھا ہوتا' میں نے تمہارے سامنے ہی شراب حلق میں انڈیلی تھی' میں دن رات اللہ کی حدود توڑتا ہوں' گناہ کرتا ہوں' میں حلال و حرام کی تمیز بھول چکا ہوں بس ایک ہی حد باقی رہ گئی ہے جلدی یا دیر سے یہ بھی ٹوٹ جائے گی سمجھیں تم"۔ وہ دبی آواز میں غرایا تھا۔

"میرے نزدیک تم ایک اچھے انسان ہو"۔ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ پھر بولی تھی۔ جھنجلا کر اس کے بال چھوڑ کر اس نے اسے ایک ٹھوکر رسید کی اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"جس کی اپنے عیبوں پر نظر ہو جو برائی کو دل سے برا سمجھتا ہو گناہ کرنے کے بعد جس کا ضمیر مطمئن نہ ہوتا ہو اور جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہو وہ فطرتاً برا نہیں ہوسکتا"۔ اس کی آواز پر وہ رکا پلٹ کر خشمگین نگاہوں سے اسے دیکھا اور دروازے کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا۔

☆

وہ نیویارک سے دور اس قصبے کے درمیانے درجے کے ہوٹل کے کمرے میں راکنگ چیئر پر بیٹھا جھول رہا تھا' بار ہاؤس سے وہ آدھی رات کو ہی واپس آ گیا تھا' وہ نیویارک سے اتنی دور اپنے دوست نک براؤن کی شادی میں شرکت کے لئے آیا تھا' گذشتہ دن نک کی شادی ہوئی تھی' اپنی شادی کی خوشی میں جشن منانے کے لئے وہ اسے لئے اس قصبے کے واحد بار ہاؤس میں چلا آیا تھا' نک نے اپنے لئے اس بار کی سب سے خوبصورت لڑکی دو سو ڈالر کے عوض منتخب کی تھی' ساتھ ہی اسے بھی وہاں رات گزارنے کا مشورہ دے ڈالا تھا' بار ہاؤس سے واپس آنے کے بعد وہ خاصا بے چین تھا' گو کہ بے چینی اب اس کی فطرت کا خاصا بن چکی تھی مگر اس رات وہ کچھ زیادہ ہی بے چین تھا اس نے کئی سگریٹ پھونک ڈالے تھے' کانوں میں اس لڑکی کی آوازیں ہی گونج رہی تھیں وہ اسے سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر پھر بھی سوچ رہا تھا' وہ جانتا تھا کہ اس کی بے چین روح کو قرار کہاں ملے گا' مگر وہ اس پر عمل نہیں کرنا چاہتا تھا' خدا سے ایک ضد سی باندھی ہوئی تھی اس نے۔

☆

بچپن سے اس کی پرورش عام مسلمان بچوں کی طرح ہی ہوئی تھی' وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا' چار سال کی عمر میں اس کی بسمہ اللہ کی تقریب دھوم دھام سے منعقد کی گئی تھی' عام ماں باپ کی طرح اس کے ماں باپ کی بھی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا شہر کے بہترین اسکولوں میں پڑھے مگر اس کے دادا کی خواہش پر اسے شہر کے بہترین مدرسے میں داخل کرادیا گیا' وہ چاہتے تھے کہ وہ حافظ قرآن بنے' بارہ سال کی عمر میں وہ ان کی خواہش پورا کر چکا تھا' وہ تو جیسے خواہش پوری ہونے کے ہی منتظر تھے' اس کے حفظ کرنے کے چند ماہ بعد ہی انتقال کر گئے' اسے شہر کے بہترین اسکول میں داخل کرادیا گیا' اس کے گھر میں دولت کی برسات ہونے لگی تھی' جوں جوں گھر میں دولت کے انبار لگتے گئے دین رخصت ہوتا چلا گیا' چند سالوں میں اس کے گھر کا نقشہ بدل چکا تھا' وہ متوسط آبادی سے اٹھ کر شہر کی پوش آبادی میں آ گئے' اس کا باپ پیسہ بنانے کی مشین اور ماں پارٹی کوئین بن چکی تھی' اب وہ اسے شاذ و نادر ہی گھر میں نظر آتی تھی' اس کی دادی دن رات کڑھا کرتی تھیں' دولت کی چمک دمک نے اس کے ماں باپ کی وضع قطع بدل ڈالی تھی' مگر اس پر دادا دادی کی گہری چھاپ تھی اسے اپنی بوڑھی دادی سے بہت محبت تھی' سولہ سال کی عمر میں بھی وہ ان کی گود میں سر رکھ کر سوتا تھا' پھر اس کی دادی بھی انتقال کر گئیں کئی ہفتوں تک وہ اس صدمے سے نہیں نکل سکا مگر پھر وہ زندگی کی طرف متوجہ ہو گیا' نیا کالج نئے دوست وہ دنیا کی رنگینیوں کو دیکھنے میں قدرے محو ہو گیا' یہ قدرت کا اس پر خاص کرم تھا کہ جب وہ دنیا کی رنگینیوں میں کھونے لگا تھا اسے ایک بار پھر نیک صحبت میسر آ گئی' اس کے پڑوس میں برسوں سے خالی مکان آباد ہوا تھا' کرتا شلوار میں ملبوس ٹخنوں سے اونچی شلوار کئے اس گھر کے تمام مرد باریش تھے' بالکل سفید داڑھی سے لے کر اس گھر کے سب سے کم عمر لڑکے جو اس کا ہی ہم عمر تھا' تک کہ چہرے پر نئی نئی پھوٹتی داڑھی تھی' اپنے گھر کے ٹیرس سے وہ اکثر انہیں آتے جاتے دیکھتا تھا' ان کے چہروں پر سجی داڑھی اسے بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھی' رفتہ رفتہ اس کی ثاقب سے گہری دوستی ہو گئی تھی اس کے بھٹکتے قدم ایک بار پھر راہ راست پر آ گئے تھے۔ ایک بار اس نے اپنے باپ سے داڑھی رکھنے کی فرمائش کی۔

"بیٹا! پہلے داڑھی رکھنے جیسے کام تو کرلیں پھر رکھیں گے"۔ وہ صاف لفظوں میں انکار تو نہیں کر سکتے تھے اس لئے ٹال گئے اس کے باپ نے تو نہیں ہاں ثاقب کی دیکھا دیکھی اس نے ضرور رکھ لی تھی' اس کی ماں نے کافی ادھم مچایا تھا' اسے اپنے سرکل کی فکر تھی کہ لوگ کیا کہیں گے ان کا بیٹا ملا ہے مگر اس نے ان کی کسی بات پر کان نہیں دھرے تھے۔

خدا کا اس پر خاص کرم تھا' وہ اس کی بہت جلدی سنتا تھا' ثاقب کو وہ اکثر یہ بات فخر سے بتاتا تھا کہ خدا اس کی کوئی دعا رد نہیں کرتا وہ مسکرا کر جواب دیتا ہاں وہ تم سے بہت پیار جو کرتا ہے' اس کے دوست بھی اس سے دعائیں کراتے تھے گو ان کی دعائیں امتحانات میں اچھے نتائج کب تک ہی محدود ہوتی تھیں مگر وہ بہت خشوع خضوع سے ان کے لئے دعائیں کرتا تھا اس کا باپ جب کسی کاروباری الجھن کی وجہ سے پریشان ہوتا اس کے استفسار پر بتاتے ہوئے وہ یہ کہتے کہ۔

"بس بیٹا! دعا کرو"۔ اور چند دنوں میں ان کی پریشانی جس طرح حل ہوتی وہ خود حیران رہ جاتے اس سے دعائیں کرانے والوں کا حلقہ وسیع ہوتا جا رہا تھا' اس کی ماں کلستے ہوئے اس کے باپ سے کہتی کہ اسے آستانہ کھلوا دو۔۔

اس سے بے انتہا محبت کرنے والے خدا نے اس کی ہر پکار اور ہر دعا کو سننے والے خدا نے اس کی صرف ایک دعا واپس لوٹائی تھی' نتیجتاً وہ اس خدا سے ناراض ہو گیا تھا' ضد باندھ بیٹھا تھا کہ کبھی اس کے آگے نہیں جھکے گا' کبھی اس سے کچھ نہیں مانگے گا' ہر دن وہ بڑی شد و مد سے اس کی بنائی ہوئی حدود توڑتا تھا' اس کی لطف و کرم کی عنایتیں پھر بھی اس

پر جاری تھیں وہ اپنے معدے میں حرام اتارتا تھا پھر بھی آج تک اس نے اسے کسی موذی مرض میں مبتلا نہیں کیا تھا' آٹھ سال سے اس کی روح بے چین اور بے قرار تھی ہر دن گناہ کرنے پر اس کا ضمیر اسے کچوکے لگاتا تھا' وہ جانتا تھا کہ سر کو جھکانے کی دیر ہے اس کی آبلہ پا روح کو قرار آ جائے گا۔

☆

میں روم نمبر بیالیس کی لڑکی کو کل تک کے لئے بک کرنا چاہتا ہوں''۔ بار مکمل خالی تھا وہ خاصی صبح وہاں چلا آیا تھا اب وہاں کاؤنٹر پر اونگھتے مکروہ صورت افریقی سے مخاطب تھا۔ اس کی بھاری آواز پر وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا چند لمحے مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا' اس کے دوبارہ مدعا دہرانے پر اس کے چہرے پر خبیث سی مسکراہٹ پھیلی تھی' سر ہلاتے ہوئے وہ رجسٹر کھولنے لگا۔

''وہ تو آج بک ہے تم اس میں سے کوئی اور کو پسند کر لو''۔ اس نے البم نکال کر اس کے سامنے رکھا تھا۔

''میں تمہیں زیادہ پیسے دوں گا''۔ وہ والٹ نکالتے ہوئے بولا تھا۔ اس نے للچائی ہوئی نظروں سے والٹ کو دیکھا اور جھٹ بولا۔

''دو سو ڈالرز''۔ دو سو ڈالرز کی رقم کافی زیادہ تھی چند ثانیے سوچنے کے بعد اس نے والٹ سے نوٹ کھینچ کر اس کے سامنے رکھے۔

''چھ سو ڈالرز اور......'' سرعت سے پیسے اٹھاتے ہوئے وہ بولا۔

''کیا......؟'' اسے ایک جھٹکا لگا آٹھ سو ڈالرز ایک عام لڑکی کے بہت زیادہ تھے کم از کم اس کے لئے تو بہت زیادہ تھے۔

''جب تم اسے چھوڑنے آؤ گے تو چھ سو ڈالرز واپس لے جانا''۔

''میرے پاس بس یہ ہیں''۔ اس نے مزید تین سو ڈالرز نکال کر اس کے سامنے رکھے۔

''سو ڈالرز اور......'' پیسے گن کر وہ پھر بولا' اس کا دل چاہا اس مکروہ صورت آدمی کا گلا دبا دے نا چاہتے ہوئے بھی اس نے مزید سو ڈالرز نکال کر اس کے سامنے رکھے تھے۔

''میگی''۔ پیسے اٹھا کر وہ کسی کو آواز دینے لگا جو عورت نکل کر سامنے آئی۔ اسے لڑکی کو لانے کی ہدایت دے کر وہ دوبارہ پیسے گننے لگا تھا۔

''چھوڑ مجھے''۔ آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا وہ اس کے نازک سراپے کو بے دردی سے گھسیٹتی لا رہی تھی' اس نے وہی کل والی سفید ٹی شرٹ اور سیاہ جینز اور سیاہ لیدر کی جیکٹ پہن رکھی تھی' اس نے اسے دھکا دینے والے انداز میں لا کر پھینکا وہ آ کر اس کے قدموں میں گری تھی' بیگ اس پر پھینک کر وہ واپس جا چکی تھی۔

''یہ رہا تمہارا مال''۔ اس نے خاصی خباثت سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ایک ہاتھ سے اس کا بازو پکڑ کر اس نے اسے اٹھایا اور دوسرے میں اس کا بیگ تھاما' لڑکی نے خاصی حیرانی سے اسے دیکھا۔

''اسے کل اسی ٹائم تک واپس چھوڑ جانا''۔ اپنے پیچھے اسے اس افریقی کی آواز سنائی دی' وہ کوئی جواب دیئے بغیر اسے لئے باہر نکل گیا۔

''مجھے چھوڑ دو پلیز''۔ وہ مسلسل اس سے بازو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی' مقابل چھ فٹ کا تنومند آدمی تھا اور وہ تو بمشکل اس کے کندھے تک پہنچ رہی تھی' ٹیکسی روک کر اس نے اسے دھکیلا اور خود بھی بیٹھ گیا' ہوٹل پہنچ کر اس نے اسے باہر گھسیٹ کر نکالا تھا۔

''چھوڑو مجھے...... میں نے تمہیں شریف آدمی سمجھا تھا''۔ وہ چلائی تھی۔

''اپنا منہ بند رکھو اگر تمہاری ہمدردی میں کوئی میرے قریب آیا تو میں اس کے ساتھ ساتھ تمہارا حشر بھی بگاڑ دوں گا''۔ وہ غرایا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا وہ یونہی اس سے ہاتھ چھڑانے کی سعی کرتی رہی' کمرے میں پہنچ کر اس نے اس کا بیگ اس پر پھینکا اور اپنا بیگ اٹھا کر دوبارہ اس کا بازو دبوچ کر باہر نکل گیا' اب وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہی تھی' کاؤنٹر پر اس نے بل پے کیا اور ایک گہری سانس بھری' اسے آج ہر صورت نیویارک واپس پہنچنا تھا۔

''تم جہاں جانا چاہو جا سکتی ہو''۔ ہوٹل سے باہر آ کر اس نے اس کا بازو چھوڑا۔

''اس قصبے سے نکل جاؤ ورنہ وہ تمہیں ڈھونڈ لیں گے''۔ کہتے ہوئے اس نے جانے کے لئے قدم بڑھائے تھے۔

''میں تمہارے ساتھ چلوں گی''۔ اس نے لمحے میں اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تھا' اس نے کوئی جواب نہ دیا' وہ ریلوے اسٹیشن پہنچا' ٹکسن کی ٹرین کے پلیٹ فارم پر پہنچنے کا اعلان ہو رہا تھا' وہ بھاگ کر ٹرین میں داخل ہوا اس کے پیچھے وہ بھی سوار ہوئی تھی اس کے اندر قدم رکھتے ٹرین چل پڑی تھی۔

☆

ٹرین سے اتر کر اس نے انگڑائی لیتے ہوئے آسمان کو دیکھا' آسمان کا ارادہ آج خوب برسنے کا ہو رہا تھا وہ تیز قدموں سے چل پڑا' چند قدم چلنے کے بعد وہ رکا اور پلٹ کر اسے دیکھا جو اس کے پیچھے آ رہی تھی۔

''میرے پیچھے مت آنا اب''۔ اس نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا تھا۔

''پھر میں کہاں جاؤں گی؟'' اس کا لہجہ منت بھرا تھا۔

''جہاں تمہارا اللہ لے جائے وہاں جاؤ مگر میرے پیچھے مت آؤ' میں پہلے ہی تم پر اتنے ڈالرز خرچ کر چکا ہوں مجھے نہیں پتہ کہ میرا دماغ کیوں خراب ہوا جو تم پر اتنی بھاری رقم خرچ کر ڈالی میں نے''۔ وہ بھڑک کر کہتا ہوا واپس مڑا۔

''تم نے مجھ پر احسان کیا ہے اپنی نیکی اور پیسہ ضائع مت کرواگر میں پھر برے لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی تو''۔ وہ تیزی سے کہتے اس کے سامنے آئی۔

''میری طرف سے جہنم میں جاؤ تم' مجھے نیکیاں کمانے کا کوئی شوق نہیں' میں نے کہا ناں دماغ خراب ہو گیا تھا جو تم پر اپنے پیسے خرچ کر دیئے''۔ خشک لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے اسے راہ سے ہٹایا تھا۔ وہ تھکے تھکے انداز میں وہیں بینچ پر بیٹھ گئی سیکنڈوں میں وہ انسانوں کے ہجوم میں گم ہو گیا' ابھی وہ اسٹیشن کی عمارت عبور کر کے سڑک تک ہی آیا تھا کہ آسمان سے موٹی موٹی بوندیں برسنے لگیں۔ وہ اس راستے پر ہی نظریں جمائے بیٹھی تھی جس پر سے وہ گزر کر گیا تھا' قدرے حیرت سے اس نے اسے واپس اپنی طرف آتے دیکھا اور کھڑی ہو گئی' وہ بنا کچھ کہے اس کے قریب آ کر رکا تھا۔

اس نے جھک کر اپنا بیگ اٹھا کر شانے پر ڈالا تو اس نے قدم بڑھا دیئے' ایک شکرانہ نظر برستے آسمان پر ڈال کر اس نے بھی قدم بڑھا دیئے۔

☆

اس کے روم روم سے سخت ناگواری ظاہر ہو رہی تھی' فلیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی ناگوار نظر اس پر ڈالی جو پوری بھیگ چکی تھی' جبکہ وہ لانگ کوٹ کی وجہ سے خاصا بچا رہا تھا۔ دو کمرے اور لیونگ روم پر مشتمل فلیٹ

تھا' لیونگ روم میں ہی اکھڑے ہوکر وہ پورے گھر کا جائزہ لے رہی تھی' کونے میں کچن کاؤنٹر بنا ہوا تھا' جبکہ سامنے نظر آنے والے دو دروازوں میں سے ایک میں وہ ابھی گھسا تھا' خاصا بے ترتیب گھر تھا' چیزیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں ہر چیز پر گرد کی تہہ تھی' اس نے صوفے پر سے میگزین اٹھا کر میز پر رکھے اور صوفے پر ٹک گئی' تھوڑی دیر میں وہ کمرے سے برآمد ہوا وہ نہا کر کپڑے بدل چکا تھا' اس نے خاصی حیرت سے اسے وہاں بیٹھتے دیکھا پھر کمرے کے بند دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

''تم وہاں رہ سکتی ہو مگر یاد رکھو میں زیادہ دن تمہیں برداشت نہیں کروں گا' تمہیں جلد ہی اپنا ٹھکانہ ڈھونڈنا ہوگا''۔ لہجہ خاصا غصیلا تھا۔

وہ کمرہ شاید اسٹڈی روم کے طور پر استعمال کرتا تھا' کمرے میں رائٹنگ ٹیبل تھی جس پر چند کتابیں اور فائلز تھیں' ایک صوفہ کم بیڈ تھا اور ایک شیلف میں کچھ کتابیں دھری تھیں یہاں بھی بے ترتیبی کا وہی عالم تھا اور ہر چیز پر دھول جمی ہوئی تھی' ابھی وہ جائزہ لینے میں محو تھی کہ اسے اپنے پیچھے فلیٹ کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

''اتنی تیز بارش میں وہ کہاں گیا ہے؟'' اس نے سوچا' بے ترتیبی اور گندگی اس کی صفائی پسند طبیعت پر گراں گزر رہی تھی اس لئے اس نے صفائی کا سوچا' ویکیوم کلینر کی تلاش میں وہ کمرے سے نکل آئی' ویکیوم کلینر تو نہیں کافی تلاش کے بعد جھاڑو اور ڈسٹر برآمد ہو گیا تھا' وہ صفائی میں جت گئی' کام کرنے کی عادت نہ تھی ایک کمرے کی صفائی کر کے حال برا ہو گیا تھا اور تھکن غالب ہو رہی تھی۔

کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر اس نے کمرے کا جائزہ لیا اور مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے گھر کی صفائی کل پر ڈال کر بیگ سے کپڑے نکالنے لگی' بیگ میں موجود کتاب کو اس نے سینے سے لگا کر چوما اور اسے رکھنے کے لئے پورے کمرے میں متلاشی نگاہیں دوڑائیں پہلے رائٹنگ ٹیبل پر کتاب رکھی پھر وہاں سے اٹھا کر شیلف کے الگ حصے میں رکھ دی۔

فریش ہو کر وہ باہر نکلی تو وہ آچکا تھا' ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا وہ کھانا کھا رہا تھا' اسے باہر آتے دیکھ کر اپنے قریب رکھی ہوئی پلیٹ اٹھا کر اس نے سامنے رکھی یہ اشارہ تھا کہ وہ کھانا کھالے' وہ خاموشی سے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

کھانا کھا کر صوفے پر نیم دراز ہو کر اس نے ٹی وی آن کیا اور وہ برتن اٹھا کر کچن میں چلی آئی' برتن دھو کر اس نے خشک کئے اور ریک میں لگا کر کمرے میں چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد اگلا دن اس کا خاصا مصروف گزرا تھا' اس نے نہایت احتیاط سے اس کے کمرے کی جھاڑ پونچھ کی پھر اس کے بعد لیونگ روم اور کچن کی صفائی کی' وہ خاصی تھک چکی تھی' تھکن کے ساتھ بھوک کا احساس بھی بڑی شدت سے ہو رہا تھا' نہا دھو کر وہ کچن میں چلی آئی' فریج میں دودھ' انڈے' بریڈ' جیم سب کچھ موجود تھا۔ اس نے انڈے اٹھائے اور پھر کچھ سوچ کر واپس رکھ دیئے' گھڑی پر نظر ڈالی چار بج رہے تھے وہ لیونگ روم میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی' ایک ایک پل گزارنا اسے مشکل ہو رہا تھا۔ ہلکے سے کھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی' وہ رات کے گیارہ بجے گھر میں داخل ہوا تھا' اس کا انتظار کرتے کرتے وہ وہیں سو گئی تھی' اب تو بھوک کا احساس بھی معدوم ہو گیا تھا' کچھ دیر وہ باہر کھڑی اس کا انتظار کرتی رہی پھر آگے بڑھ کر دستک دے ڈالی۔

''آجاؤ''۔ اس کی بھاری آواز سنائی دی۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظریں فرش سے چپک گئیں' بنا شرٹ کے وہ نیم دراز تھا' اس کا لمبا چوڑا مضبوط جسم نمایاں ہو رہا تھا' اس کے بال نم تھے' شاید وہ نہایا تھا' اس کی گھبراہٹ محسوس

کرتے ہوئے اس نے پیروں میں پڑا کمبل کھینچ کر سینے تک اوڑھا تھا' وہ سوالیہ نظروں سے اسے تک رہا تھا جبکہ وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے لب کچل رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟ جلدی بولو''۔ وہ جمائی روکتے ہوئے بولا۔

''تمہارے جانے کے بعد میں کچھ بنا کر کھا سکتی ہوں؟'' اس نے سوال کیا تھا۔

''کیا؟'' اس کی آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئیں۔

''کیا تم نے کچھ کھایا نہیں؟'' اس نے پوچھا اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کیوں؟'' اس کا لہجہ تیکھا تھا۔

''تم نے ایسی کوئی اجازت مجھے نہیں دی تھی''۔

''تم یہاں رہ رہی ہو پھر یہ بھوکے رہنے اور میری اجازت کا ڈھونگ کیوں؟ ظاہر سی بات ہے میں تمہیں بھوکا مار کر اپنے سر پر پولیس کا عذاب لانا نہیں چاہوں گا''۔ وہ خاصے غصیلے لہجے میں بولا تھا وہ چپ ہی رہی تھی۔

''اب یہاں کیوں کھڑی ہو جاکر کچھ پکا کر کھالو''۔ وہ جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا تھا وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔

☆

''تم نے گھر کی صفائی کیوں کی؟'' وہ صبح اس کے ساتھ بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی جب اس نے اچانک سوال کیا' اسے لگا تھا کہ صاف گھر اسے پسند آئے گا۔

''کیا تمہاری کوئی چیز گم ہو گئی ہے''۔ اس نے ذہن میں در آنے والا سوال پوچھا۔

''جو پوچھا ہے اس کا جواب دو''۔ اس کا لہجہ کافی خشک تھا۔

''مجھے گندگی بالکل پسند نہیں''۔

''یہ گھر میرا ہے یہاں میری پسند ناپسند چلے گی آئندہ میرے گھر میں دخل مت دینا''۔ وہ خاصے روکھے لہجے میں اس کی بات کاٹتا بولا۔

''میں نے سوچا تمہیں مصروفیت کی وجہ سے گھر کی صفائی کا وقت نہیں ملتا ہوگا''۔ وہ جھکے سر کے ساتھ بولی تھی۔

''تم اپنی سوچوں کو اپنے تک ہی محدود رکھو اور اپنے بارے میں سوچو کہ تمہیں کیا کرنا ہے کہاں رہنا ہے''۔ بولتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ اس کا نام تک نہیں جانتا۔

''تمہارا نام ایجنل ہی ہے کیا؟'' وہ میز پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھکا۔

''فرشتے ہے میرا نام پروفیسر عبدالکریم نے میرا اسلامی نام فرشتے رکھا تھا''۔ وہ تیزی سے بولی تھی' اسے ایک جھٹکا لگا تھا وہ خالی خالی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

☆

''پلیز میں تمہارے لئے خود کو بدل ڈالوں گا تم جیسا چاہتی ہو ویسا بن جاؤں گا''۔ وہ اس کے آگے گڑگڑا رہا تھا۔

''اُفوہ' تم سمجھتے کیوں نہیں ہو میں نے تمہیں کبھی ایسی نظروں سے نہیں دیکھا' تمہیں صرف اپنا دوست سمجھا ہے میں نے''۔ وہ جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

وہ حیران نظروں سے اسے تک رہا تھا' اس کی ماں نے بچپن سے اب تک یہ بات اس کے دماغ میں اتنی اچھی طرح گھسا دی تھی کہ وہ اس کی دلہن بنے گی' تو وہ کیسے یہ بات جھٹلا سکتی تھی' جب بچپن سے طے بات پر اس کے دل

میں محبت کی جڑیں گہری ہو چکی تھیں تو یہ محبت اس تک کیسے نہ پہنچ پائی تھی، وہ اس کی خالہ کی بیٹی تھی، ماں باپ کے کار ایکسیڈنٹ میں فوت ہوجانے کے بعد بچپن سے ان کے ہاں مقیم تھی، بچپن سے ساتھ کھیلے ساتھ بڑے ہوئے تو جب اس کے دل میں محبت جاگ گئی تو اس کے کیوں نہ جاگ سکی؟ وہ اپنے رشتے کے حوالے سے کبھی کوئی لطیف سا مذاق چھیڑ دیتا، کبھی وہ دوبدو جواب دیتی، کبھی مسکرا کر وہاں سے ہٹ جاتی، اس نے کبھی اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی، کبھی اس کی نظروں نے اسے یہ پیام نہیں دیا کہ وہ اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچتی۔

"تم...... تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم میرے بارے میں ایسا نہیں سوچتی؟ تم میرے جذبوں سے واقف تھیں تم نے کیوں کبھی میری حوصلہ شکنی نہیں کی؟ کیوں مجھے آگے بڑھنے دیا؟ تم نے ہر لمحہ میرا ساتھ دیا جب مام ڈیڈ میرے خلاف ہوجاتے تھے، میں اسے محبت سمجھتا رہا۔" وہ اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"مجھے کیا پتا تھا تم میرے ساتھ دینے کو محبت سمجھ بیٹھو گے، میرا نظریہ ہے کہ ہر انسان کو اپنی مرضی سے جینے کا حق ہے میں نے اس لئے تمہارا ساتھ دیا کہ تم جیسے چاہو اپنی زندگی گزارو، تم مجھ سے کیوں پوچھتے ہو، تم خود اپنے آپ کو آئینے میں دیکھو اور خود بتاؤ کہ تم کسی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتے ہو، تم پکے طالبان لگتے ہو۔" اس کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔

"میں اور تم بالکل الگ ہیں میرا آئیڈیل ارمضان احمد جیسا شخص ہی تھا جو مجھے مل گیا، تم مجھے میری زندگی گزارنے سے نہیں روک سکتے۔" وہ بے مروتی سے کہتی کمرے سے نکل گئی تھی اور وہ وہیں بے دم سا ہو کر گر گیا تھا، اس کی ماں اسے بالکل حق بجانب سمجھ رہی تھی جب کہ باپ بالکل خاموش تھا، کسی نے اسے شادی سے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی، ماں کے خیال میں وہ اس قابل ہی نہیں تھا کہ اس جیسی لڑکی اس کی بیوی بن سکتی۔

گو اس نے اسے بالکل انکار کر دیا تھا مگر وہ پھر بھی مایوس نہ ہوا اسے امید تھی کہ اس کا اللہ کوئی نہ کوئی راستہ نکالے گا، وہ اس کی دعاؤں کو رد نہیں کرے گا، مگر پھر مایوں مہندی اور پھر بارات کا دن بھی آ پہنچا اس کے ماں باپ اس کی بے انتہا منتیں کر کے چلے گئے تھے کہ وہ ان کے ساتھ خود وہ بھی اس کے کمرے میں آئی تھی یہ کہنے کیلئے اگر وہ اسے اپنی دوست سمجھتا ہے تو اس کی خوشیوں میں شامل ہو اور وہ اسے دوست کہاں سمجھتا تھا وہ تو اس کو زندگی مانتا تھا۔

سب کے جانے کے بعد وہ خالی گھر میں اپنے کمرے میں بیٹھا چیختے ہوئے رو رہا تھا، وہ خدا سے شکوے کر رہا تھا کہ اس نے اس کی دعائیں کیوں قبول نہ کیں وہ کبھی اس کی کوئی دعا قبول نہ کرتا مگر ایک یہ دعا قبول کر لیتا، وہ وحشت زدہ سا ہو گیا تھا ہر جگہ اس کی یاد اسے کاٹنے کو دوڑتی تھی، اس کی یادوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے وہ سات سمندر پار امریکا چلا آیا، اس کے ماں باپ اسے روکتے رہ گئے تھے، اپنے غم کو وہ شراب میں ڈبونے لگا، ہر بار گلاس تھامتے ہوئے اسے اپنی داڑھی سے حیاء آتی تھی اس لئے اسے ہی مونڈ دی۔

☆

یادیں بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں جب جب انسان سمجھنے لگتا ہے کہ اب ماضی سے پیچھا چھوٹ چکا ہے، ماضی یاد آ کر زخم ہرے کر دیتا ہے، وہ بھی پھر سے درد محسوس کرنے لگا تھا، اس لئے گھبرا کر گھر سے نکل گیا، فیکٹری میں بھی وہ کام میں من نہیں لگا پایا تو وہاں سے بھی نکل گیا، وہ ایم بی اے پاس تھا مگر پاکستانی ڈگری کی یہاں کوئی ویلیو نہیں تھی کہ اسے کوئی اچھی جاب ملتی، لہٰذا وہ ایک فیکٹری میں معمولی نوکری کرنے لگا تھا، حالانکہ اس کے باپ کا ایک پھیلا ہوا کاروبار تھا، وہ کئی بار اسے لینے آئے اس کی منتیں کی تھیں مگر وہ چلنے کو راضی نہ ہوا، وہ سڑکوں پر یونہی آوارہ گردی کر رہا تھا، بارش کے بعد موسم خاصا خنک ہو گیا تھا تھک ہار کر اس نے گھر کی راہ لی، وہ اسے بے وقت دیکھ کر خاصی حیران رہ گئی

تھی اور وہ اس کے پاس سے گزر کر کمرے میں چلا گیا، چند منٹ بعد ہی وہ باہر آیا تھا۔

"میرے کپڑے کیوں دھوئے تم نے، میں نے منع کیا تھا تمہیں کہ میرے گھر کے معاملات میں دخل مت دینا جیسا ہے ویسا رہنے دو۔" وہ قریب آ کر چلایا تھا، وہ ڈرائر اسٹینڈ پر اپنے کپڑے دیکھ چکا تھا۔

"کرنے کو کچھ نہیں تھا میں بور ہو رہی تھی تمہارے کپڑے جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے اس لئے میں نے سمیٹ کر دھو دیئے۔" وہ اس کے غصے سے خائف ہوتے ہوئے بولی تھی، وہ غصیلی نظروں سے گھورتا ہوا واپس اندر کی سمت بڑھ گیا۔

"تمہیں جاب کر لینی چاہئے۔" وہ اس کے سامنے بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھی جب وہ اخبارات میں گم اچانک بولا تھا۔

"ہاں...... مگر مجھے کون جاب دے گا میرا تو گریجویشن بھی پورا نہیں ہوا۔"

"یہ دیکھو، یہ جاب کا اشتہار ہے تمہارے رہنے کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔" انگلی رکھتے ہوئے اس نے اخبار اس کے سامنے رکھا وہ اخبار پر جھک گئی۔ ایک ساٹھ سالہ بوڑھے شخص کو اپنی اور گھر کی دیکھ بھال کے لئے ایک ہاؤس میڈ کی ضرورت تھی، اس نے خاصی خائف نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم کل ہی یہاں انٹرویو دینے چلی جاؤ ویسے بھی تمہیں کام کرنے کا بہت شوق ہے یہ جاب تمہارے لئے موزوں ہے۔" وہ اس کی نظروں سے بے نیاز اخبار سے تراشا نکالنے لگا۔

"تم چاہو تو کل میں جاتے ہوئے تمہیں اس ایڈریس پر چھوڑ جاؤں گا۔" وہ تراشا اس کی طرف بڑھاتا کھڑا ہو گیا۔

"نہیں شکریہ...... میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ خاصے خشک لہجے میں بولی تھی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" وہ کاندھے اچکاتا چلا گیا۔

☆

دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ڈور بیل پر انگلی رکھی، فون پر ہی اسے جاب مل گئی تھی اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے تراشے پر نظر ڈالی اور ایک بار پھر بیل پر انگلی رکھ دی۔ کھٹاک سے دروازہ کھلا اور ایک بوڑھے شخص کی صورت دکھائی دی، اس نے جلدی سے تراشا اس کی طرف بڑھایا، ایک نظر تراشے پر ڈال کر اس نے خاصی غور سے اس کا معائنہ کیا۔

"مس گولڈ اسمتھ"۔ اس کا لہجہ سوالیہ تھا اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"اندر آ جاؤ"۔ وہ دروازہ چھوڑ کر اندر بڑھ گیا۔

"میرا نام مسٹر ولسن ہے، میں اکیلا رہتا ہوں"۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے فون پر کہی باتیں پھر دہرائیں، اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آج میرے پانچ چھ دوست ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں اس لئے سمجھو آج تمہارا ٹیسٹ ہے، تمہیں ڈنر میں......"

"ایم سوری مسٹر ولسن! میں آپ کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہوں گی مگر مجھے کھانا بنانا نہیں آتا"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر بولی، وہ سمجھی کہ اب وہ اسے نکال باہر کرے گا مگر وہ سر ہلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کیا تمہیں بالکل بھی کچھ پکانا نہیں آتا......؟"

"نہیں مجھے تھوڑا بہت پکانا آتا ہے"۔ وہ بولی۔

"ٹھیک ہے...... چلو میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھاؤں"۔ وہ کھڑا ہو گیا اس نے خاصی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
"ڈنر کے لئے میں کھانا باہر سے منگوا لوں گا"۔ اس کے ساتھ چلتا ہوا وہ بولا تھا' وہ چلتے ہوئے گھر کا جائزہ لے رہی تھی خاصا بڑا اور صاف ستھرا گھر تھا' اپنے علاوہ اسے اور کوئی نوکر نظر نہیں آیا تھا' وہ اسے کمرے کے دروازے کے باہر چھوڑ کر چلا گیا۔

⁂

وہ آدھی رات کو گھر میں داخل ہوا تو اسے گھر خالی خالی لگ رہا تھا' اس کے کمرے کا دروازہ کھولا وہ کہیں نہیں تھی' وہ مطمئن ہو کر اپنے کمرے میں چلا آیا' ابھی اسے سوئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ دروازہ دھڑ دھڑانے پر اس کی آنکھ کھلی' بمشکل آنکھیں کھول کر اس نے ٹائم دیکھا ڈیڑھ بج رہا تھا۔
"اس ٹائم کون آ گیا؟" شرٹ پہنتے ہوئے اس نے سوچا۔
"کہیں وہ سارہ نکولس تو نہیں"۔ گذشتہ رات وہ بار میں ملنے والی لڑکی کو نشے میں دھت اپنے فلیٹ میں آنے کی دعوت دے چکا تھا' یاد آتے ہی اس پر بےزاری طاری ہو گئی۔
"اب اس سے کیسے پیچھا چھڑاؤں"۔ وہ سوچ میں پڑ گیا' دروازہ ایک بار پھر دھڑ دھڑایا جانے لگا تھا مجبوراً وہ اٹھا۔
دروازہ کھولتے ہی وہ حیرت زدہ سا رہ گیا جب وہ آندھی طوفان کی طرح دھکا دیتے ہوئے خاصی گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی' اس کی ساری نیند یکدم اڑ گئی تھی۔
"تم یہاں......؟ وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں چلا آیا جو گلاس میں پانی انڈیل کر اب آہستہ آہستہ پی رہی تھی' وہ خاصی الجھن آمیز نظروں سے اسے تک رہا تھا' وہ چلتی ہوئی جا کر صوفے پر ٹک گئی۔
"وہ بڈھا اچھا آدمی نہیں ہے"۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔
"اوہ......" اس نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔
"میں نے اس کے سر پر وائن کا گلاس مارا اور......"
"کیا......" اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔
"تم اسے قتل کر کے یہاں آ رہی ہو؟" وہ چلایا۔
"نہیں' نہیں' میں نے اسے قتل نہیں کیا"۔ وہ گھبرا کر جلدی سے وضاحت دینے لگی۔
"تمہیں کیا معلوم اگر وہ مر بھی گیا ہو اب پولیس تمہارے پیچھے یہاں تک آ جائے گی' تمہاری مدد کر کے میں نے بہت بری غلطی کی تھی تم عذاب کی طرح مجھ پر مسلط ہو گئی ہو"۔ وہ دھاڑا تھا۔
"مجھے پتہ ہے اسے زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی"۔ وہ روہانسی ہو کر چیخی تھی۔
"تم نے دیکھا تھا اچھی طرح"۔ وہ کچھ نرم پڑا۔
"ہاں میں نے اسے گلاس مارا اس کے خون نکلا تھا مگر وہ زندہ تھا میں نے بھاگ کر اپنا بیگ اٹھایا وہ میرے پیچھے بھاگا تھا' مگر میں اسے دھکا دے کر نکل آئی پھر یہاں تک آنے کے لئے میں نے لفٹ لی"۔ پوری بات سن کر وہ قدرے پرسکون ہوا' وہ اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا' وہ اسے خاصی معصوم لگ رہی تھی در در بھٹکتی پھر رہی تھی اسے اس پر ترس آ رہا تھا۔
"میں تمہیں کسی ادارے میں داخل کروا دیتا ہوں"۔

"کیا وہاں میں محفوظ رہوں گی"۔ اس نے الٹا سوال کیا' وہ لاجواب ہو گیا تھا۔
"مجھے یہیں رہنے دو پلیز میں تمہارے گھر کے سارے کام کر دوں گی۔ اگر تم چاہو گے تو تم جیسے چاہو گے ویسے ہی رہوں گی' تمہارے گھر کے معاملات میں دخل نہیں دوں گی جب تک میں اپنا ٹھکانہ نہیں ڈھونڈ لیتی' مجھے یہیں رہنے دو پلیز"۔ اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔
"ٹھیک ہے"۔ اثبات میں سر ہلاتا وہ اٹھ گیا۔

⁂

اسے رہتے ہوئے ایک ماہ سے زائد عرصہ ہو گیا تھا اس کی آنکھوں سے چھلکتی عقیدت اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیتی تھی' وہ اس پر خوب چیختا چلاتا تھا' اسے باور کراتا کہ وہ اچھا شخص نہیں ہے تو وہ جتنی جلدی ہو اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ لے وہ اس کے ساتھ خود کو خاصا محفوظ تصور کرتی تھی' اس کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزرتا تھا وہ گھر صرف سونے کے لئے آتا تھا' اور ویک اینڈ پر کچھ وقت گھر میں گزارتا تھا۔ کچھ گرنے کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی' اور جلدی سے کمرے سے باہر آئی تھی دروازے کے قریب اسے گرے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور اسے اٹھنے میں مدد دی' آج اس نے کچھ زیادہ ہی پی رکھی تھی' بیڈ پر لٹا کر اس نے اس کے جوتے اتارے' کمبل اوڑھا کر واپس پلٹنے کو تھی کہ ششدر رہ گئی' اسے اس سے اس حرکت کی ذرا بھی توقع نہ تھی مگر وہ ہوش میں ہی کہاں تھا اس کی کلائی تھام کر وہ اسے خود پر گرا چکا تھا۔
"چھوڑو مجھے"۔ وہ خاصی سراسیمہ ہو گئی تھی' اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔ جواباً اس نے اسے اسی شدت سے اپنے اندر بھینچ لیا تھا۔
"مجھے چھوڑ کر مت جانا فرشتے"۔ اس نے سرگوشی کی تھی۔
"میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں"۔ اس کی سانس اٹک گئی تھی وہ سن سی سن رہی تھی۔ اپنے ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر دھندلاتی آنکھوں سے اس نے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی' چند لمحے پلکیں جھپکنے کے بعد اس کا چہرہ اسے دیکھا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا تھا' سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا' وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔
صبح جب وہ کمرے سے باہر آیا وہ کچن میں نہیں تھی ورنہ ہر روز صبح کچن میں کھڑی اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ مارننگ وش کرتی تھی' اپنی کل کی حرکت یاد کرتے ہوئے وہ خاصا شرمندہ ہوا تھا' آہستہ سے اس کے کمرے میں دستک دیتا وہ اندر داخل ہوا' اسے دیکھ کر اس نے جس طرح نظریں چرائی تھیں وہ مزید شرمندہ ہو گیا تھا۔
"تم اب تک کیوں لیٹی ہوئی ہو؟" وہ بیڈ کے قریب آ کھڑا ہوا تھا' اس نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا' اس کی آنکھیں بےحد سرخ ہو رہی تھیں شاید وہ ساری رات روتی رہی تھی۔ اس کے بیڈ کے قریب کرسی رکھ کر وہ بیٹھا تھا۔
"میں بہت شرمندہ ہوں کیا تم مجھے معاف کرو گی"؟ اس نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔
"پلیز...... کل میں ہوش میں نہیں تھا"۔ اس نے اس کے سینے پر دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا جو اس نے سرعت سے کھینچ لیا تھا' اسے چھوتے ہی اسے احساس ہوا کہ وہ بخار میں پھنک رہی ہے۔
"تم فریش ہو جاؤ میں ناشتہ بناتا ہوں پھر میں تمہیں ہاسپٹل لے چلوں گا"۔ وہ بولتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔
ناشتہ کر کے وہ اسے لئے گھر سے نکل گیا تھا ہاسپٹل سے واپس آنے تک ان کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی تھی۔

"کیا تم نے مجھے معاف کر دیا"۔ اس نے پوچھا تھا۔
"تمہیں مجھ سے زیادہ خدا سے معافی مانگنے کی ضرورت ہے"۔ سرد سی آواز میں کہتے ہوئے وہ بلڈنگ میں جا چکی تھی اور وہ وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

☆

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے خاصی حیرت سے اپنے فلیٹ کے دروازے سے نکلتے اس فیشن زدہ لڑکے کو دیکھا جس کی عمر بائیس تئیس سال کے قریب تھی' ہاتھ میں پہنی انگوٹھیاں اور کلائی میں سونے کا بریسلیٹ اور گردن میں جھولتی پلاٹینیم کی چین اسے خاصے امیر گھرانے کا فرد ظاہر کر رہی تھی' نیچے سرخ اسپورٹس کار بھی کھڑی تھی جو یقیناً اسی کی تھی ورنہ اس گلی میں کوئی اتنا امیر نہیں تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر وہ اسپیڈ پکڑ گئی تھی مگر بدستور کام میں مگن تھی جوتے اتارتے ہوئے وہ اس لڑکے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
"تو میرے پیچھے میرے گھر میں غیر لڑکے آتے ہیں یہ تھی تمہاری حقیقت ہاں مفت کی رہائش کہاں ملتی تمہیں"۔ اس نے اس پر تنفر بھری نظر ڈالتے ہوئے سوچا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے پاس آ کر بیٹھی تھی۔
"کیا تم مجھ سے اس لڑکے کے بارے میں جاننا نہیں چاہو گے؟"
"نہیں میرا تم سے کوئی تعلق نہیں کہ میں تم سے جواب طلبی کروں"۔ وہ درشت لہجے میں بولا تھا۔
"مگر میں تمہارے گھر میں رہتی ہوں اس لئے یہ تمہارا حق ہے"۔ وہ تیزی سے بولی تھی۔
"مجھے کوئی دلچسپی نہیں"۔ وہ کھڑا ہو گیا' وہ خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔

☆

دو دن بعد ہی وہ پھر آ موجود ہوا تھا آج ویک اینڈ تھا اور وہ گھر پر تھا اس نے ہی دروازہ کھولا تھا اور اسے دیکھ کر خاموشی سے دروازے سے ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دے گیا تھا' اس نے خاصی حیرت سے اسے اور اس کے پیچھے آتے جیکب کو دیکھا تھا۔
"میں نے تمہیں منع کیا تھا یہاں آنے سے"۔ وہ تن کر اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی تھی جب کہ وہ لاتعلق سا جا کر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
"اور میں نے بھی تمہیں کہا تھا کہ میں دوبارہ آؤں گا"۔ وہ ہنسا تھا۔
"میں تمہارا جواب جاننے آیا ہوں"۔ وہ بولتے ہوئے قدرے جھکا تھا۔
"اپنا جواب میں اسی رات تمہارے منہ پر مار آئی تھی"۔ اس کی آواز بلند ہو گئی تھی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔
"میں لے کر آیا ہوں"۔ اس نے جینز کی جیب سے انگوٹھی نکالی تھی۔
"سب تمہاری غلطیاں معاف کرنے کو تیار ہیں بس تم سب چھوڑ کر اپنے گھر واپس آ جاؤ سب پہلے جیسا ہو جائے گا"۔
"میں کبھی واپس نہیں آؤں گی ان سے کہہ دینا میرا ان سے کوئی تعلق نہیں اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ"۔ وہ پھر چلائی تھی۔
"کیا مل رہا ہے یہاں تمہیں؟ تم اس گندے سے گھر میں اس پاکی کے ساتھ رہ رہی ہو"۔ وہ اسے حقارت سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"بکواس بند کرو تم اپنی"۔ وہ غراتے ہوئے اس پر جھپٹی تھی۔
"وہ میرا شوہر ہے اور یہ میرا گھر ہے"۔ اس سے اپنا آپ چھڑاتا ہوا وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔
"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور پھر کبھی مت آنا"۔ وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ اس کے نکلتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔
"تو میں تمہارا شوہر ہوں"۔ اس کا لہجہ خاصا سخت تھا۔
"آئی ایم سوری"۔ وہ تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گری تھی۔
"مجھے جھوٹ بولنا پڑا ورنہ وہ پھر سے مجھ پر تہمتیں لگاتا' اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے بولنا پڑا' اب وہ یہاں نہیں آئے گا اور نہ وہ اسے یہاں بھیجیں گے"۔
"وہ میرا منگیتر تھا جب تم مجھے ہاسپٹل لے کر گئے تھے وہ مجھے دیکھ چکا تھا"۔ اس نے وضاحت دی تھی۔
اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ اس کے بارے میں اتنی جلدی رائے قائم کر لینے پر دل ہی دل میں شرمندہ ہوا تھا۔

☆

"تم کب تک ہمیں سزا دو گے لوٹ آؤ آٹھ سال ہو گئے ہیں"۔ فون پر اس کی ماں منتیں کر رہی تھیں۔
"آ جاؤں گا"۔ اس نے ہمیشہ کا جواب دیا تھا۔
"کب......؟" ان کا لہجہ بے تاب تھا۔
"جب من کرے گا"۔
"تم فرشتے سے شادی کرنا چاہتے تھے ناں آ جاؤ ہم تمہاری اس سے شادی کرا دیں گے"۔ وہ بولی تھیں۔
"تم اس سے محبت کرتے تھے"۔ وہ کافی دیر بعد بولی تھیں۔
"اب میں اس سے نفرت کرتا ہوں"۔ وہ تیزی سے بولا تھا۔
"ٹھیک ہے مت کرنا اس سے شادی مگر واپس آ جاؤ"۔ وہ پھر منت بھرے لہجے میں بولی تھیں' جواباً اس نے اللہ حافظ کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔
"کیا میں اس سے نفرت کرتا ہوں"۔ آنکھیں موندتے ہوئے اس نے سوچا۔
"نہیں میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا"۔ اس نے بے بسی سے سوچا۔
ارمضان احمد نے اسے شادی کے چار سال بعد ہی کسی اور کی زلفوں کا اسیر ہو کر طلاق دے دی تھی' ایک بیٹا تھا اس کا جو اس نے خود ہی رکھ لیا تھا' اب وہ دوبارہ اس کے گھر میں مقیم ہو گئی تھی یہ سب باتیں اسے اپنی ماں باپ کی زبانی پتہ چلی تھیں' فرشتے بھی کبھی اس سے بات کر لیتی تھی مگر اس سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ اتنا کھردرا ہو جاتا کہ وہ جلد ہی کسی کو فون پکڑا دیتی۔
"آنکھیں کھولتے ہوئے اس کی نظر اس پر پڑی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی' اس کی نظریں اب اکثر اس کا طواف کرتی رہتی تھیں' اس نے جھنجھلا کر فون میز پر پٹخا اور دو قدم میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔
"کیوں دیکھتی رہتی ہو تم مجھے"۔ وہ غصیلے لہجے میں بولا وہ یکدم ہی گھبرا گئی تھی مگر جلد ہی سنبھل گئی۔
"میں تمہاری باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی' تم کون سی زبان میں بول رہے تھے؟" اسے گھورتے ہوئے وہ بنا کوئی جواب دیے پلٹا تھا' اس کی نظروں میں عقیدت کے ساتھ ساتھ اب محبت کی چمک بھی صاف نظر آنے لگی تھی اور

وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا اس لئے جھنجھلا جاتا تھا' اس کے سامنے کوئی واضح منزل نہیں تھی وہ تو بس یونہی زندگی گزار رہا تھا' مگر اس نے تو اپنی راہ خود چنی تھی' وہ بے حد معصوم لڑکی تھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے کوئی اذیت پہنچے یہی سوچ کر اس نے آج یہ اس سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے''۔ وہ پلٹ کر بولا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہاتھ خشک کرتی اس کے سامنے آ بیٹھی تھی' ٹی وی بند کر کے اس نے اسے دیکھا وہ اسے ہی سوالیہ نظروں سے تک رہی تھی۔

''تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' اسے اس سوال کی توقع نہیں تھی بنا جواب دیئے اس نے چہرہ موڑ لیا۔

''آج میں یہ سوال کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں''۔ غور سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔

''میرے دن رات تمہارے سامنے ہیں' اپنی محبت کو مجھ جیسے شخص پر ضائع مت کرو تم بہت اچھی ہو میں تمہاری محبت کے لائق نہیں ہوں تم نے اپنی منزل خود چنی اور تمہاری منزل کم از کم مجھ جیسا شخص نہیں ہونا چاہئے''۔

''تو پھر میں کیا کروں؟ میں نہیں جانتی کہ مجھے تم سے محبت ہے یا نہیں مگر میں تمہارے گھر میں تمہارے ساتھ خود کو محفوظ سمجھتی ہوں' جب میں اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے تمہارے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا ہاں تمہاری بہت سی حرکات بری ہیں مگر تم فطرتاً برے نہیں ہو''۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''میں برا آدمی نہیں ہوں''۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتا بولا۔

''اس رات میں تمہارے ساتھ کیا کر بیٹھتا تمہیں اندازہ بھی ہے''۔

''اس رات تم ہوش میں نہیں تھے''۔ وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''ایسا دوبارہ بھی ہو سکتا ہے''۔ اس نے باور کرایا تھا۔

''ایسا دوبارہ نہیں ہو گا مجھے اللہ پر پورا یقین ہے''۔ اس کا لہجہ پریقین تھا وہ چپ چاپ بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔

''تمہیں پتا ہے مجھے کیا لگتا ہے''۔ وہ مزید بولی۔

''مجھے لگتا ہے اللہ تم سے بہت پیار کرتا ہے اس دن بھی وہ تمہیں ہوش میں لے آیا تھا اور اس سے پہلے بھی اس نے مجھے تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رکھا اور تمہیں بھی گناہ سے بچا دیا' جب وہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے تو تم گناہ کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے''۔ وہ جذب سے بول رہی تھی اور وہ ساکت اسے سن رہا تھا۔ برسوں پہلے کا جملہ اس کے کانوں میں گونجا تھا۔

''ہاں وہ تم سے بہت پیار جو کرتا ہے''۔ اس کی روح بے چین ہو اٹھی تھی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گھر سے نکل گیا۔

☆

''تم مجھ سے شادی کرو گے؟'' وہ ناشتہ کر رہا تھا جب اس نے یہ سوال پوچھا تھا۔

''نہیں''۔ اس نے کافی خشک لہجے میں جواب دیا تھا' اس کے صاف انکار پر وہ چپ بیٹھی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہارے جیسی لڑکی کو ڈیزرو نہیں کرتا''۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم خود کو بدل سکتے ہو''۔ وہ آہستگی سے بولی تھی۔

''تم میرے لئے خاص نہیں ہو کہ میں تمہارے لئے خود کو بدلوں''۔ اس کا لہجہ درشت تھا۔

''تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے پیار کرتے ہو''۔ ایک آس کے ساتھ اس نے اسے یاد دلایا تھا۔

''تمہارے لئے نہیں کہا تھا میں نے' اس دنیا میں ایک تمہارا ہی نام فرشتے نہیں ہے''۔ چمچہ پلیٹ میں پٹختا وہ اٹھ

گیا تھا اور وہ ساکت نظروں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆

وہ بہت تھکا ہارا رات گئے فلیٹ میں داخل ہوا اور اسے سامنے دیکھ کر ٹھٹک گیا' اس کی ڈیوٹی بڑھ گئی تھی پہلے وہ صرف اپنے لئے کماتا تھا' ڈیوٹی آورز کے بعد وہ بلا مقصد سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا تھا تاکہ اس کا اس سے سامنا نہ ہو سکے وہ حتی الامکان اس سے کترانے کی کوشش کرتا تھا' حیرت انگیز طور پر اس نے کئی دنوں سے شراب کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے رمضان شروع ہو گئے ہیں کل پہلا روزہ ہے''۔ خوشی سے بتایا گیا تھا وہ جانتا تھا کہ رمضان شروع ہو گئے ہیں مگر اس کی معلومات پر اسے حیرت ہوئی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ.......؟'' اس نے پوچھا۔

''مسجد میں اعلان ہوا تھا میں کل روزہ رکھوں گی' یہ میرا پہلا رمضان ہو گا مگر مجھے سحر اور افطار کا وقت نہیں پتا''۔ وہ جوش سے بولی تھی۔

''فجر کی اذانیں شروع ہوتے ہی سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور مغرب کی اذان پر افطار ہوتا ہے''۔ اسے سمجھا کر وہ اپنے کمرے میں جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اٹھنے کے حوالے سے خاصی پریشان تھی' مگر مسجد سے کئے گئے پہلے اعلان پر ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی' انگریزی میں کئی بار سحری شروع ہونے کا اعلان دہرایا گیا تھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

''کیا مصیبت ہے تمہیں''۔ وہ دروازہ کھولتے ہی دھاڑا تھا۔

''تم سحری نہیں کرو گے......؟'' گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے پوچھا' اس نے بنا جواب دیئے دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔ صبح وہ ناشتہ کر رہا تھا جب وہ اپنی نماز کی مخصوص چادر میں اس کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم مجھے مسجد چھوڑتے ہوئے چلے جانا مجھے راستے کا علم نہیں''۔ وہ بولی تھی' مسجد سے کچھ دور رک کر اس نے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''وہاں سے جانا وہ حصہ عورتوں کے لئے مخصوص ہے''۔ وہ آگے بڑھ گئی تھی جب کہ وہ ایک نظر مسجد کے پرشکوہ سفید گنبد پر ڈال کر واپس پلٹ گیا' وہ جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی' کافی بڑا مجمع تھا درس جاری تھا ایک کونے میں جگہ خالی دیکھ کر وہ ادھر بیٹھ گئی تھی۔

''اسلام علیکم''۔ درس ختم ہونے کے بعد اس کے برابر میں بیٹھی ایک ایشیائی نقوش کی عورت نے سلام کرتے ہوئے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا وہ سلام سے آشنا تھی۔

''وعلیکم اسلام''۔ ذہن پر زور ڈال کر اٹک اٹک کر جواب دیتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا تھا' عورت کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''کیا میں آپ کو جانتی ہوں''۔ الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ اس کے معصومیت سے پوچھے سوال پر ایک بار پھر اس کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''تم نو مسلم ہو......؟'' اس نے انگریزی میں پوچھا تھا' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں بھی مسلمان ہوں' ہم مذہب ہونے کی وجہ سے ہمارے بیچ ایک رشتہ ہے' اس لئے میں نے تمہیں سلام کیا'

ایک مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ دوسرے مسلمان سے ملے تو اس پر سلامتی بھیجے کچھ سمجھیں؟'' اس کا لہجہ میٹھا اور سبک تھا اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آہستہ آہستہ تم سب سیکھ جاؤ گی' کیوں سیکھوں گی ناں؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں......'' اس نے جواب دیا تھا' تب ہی ایک اور لڑکی اس کے قریب آ کر بیٹھی تھی۔

''یہ میری کزن امیمہ ہے میرا نام زینب ہے تمہارا کیا نام ہے......؟'' اس نے تعارف کرایا تھا۔

''میرا نام فرشتے ہے''۔ اس نے جواب دیا تھا۔

''بہت خوبصورت ہے تمہارا نام؟'' زینب نے تعریف کی تھی۔

''آپ پاکستانی ہیں......؟'' غور سے انہیں دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

''ہاں......'' دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''پاکستانی اچھے ہوتے ہیں آپ بھی اچھی ہیں''۔ اس نے بے ساختہ تعریف کی تھی۔

''ارے......'' وہ دونوں ہی ہنس پڑیں۔

''اس دورے میں تم پہلی امریکی ہو جس نے پاکستانیوں کی تعریف کی ہے ورنہ یہاں تو پاکستانیوں کا دوسرا نام دہشت گرد ہے''۔ امیمہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ بس پاکستانی اچھے ہوتے ہیں''۔ بولتے ہوئے اسے اچانک ہی وہ یاد آیا تھا۔

''ہمیں اچھا سمجھنے کے لئے تمہارا شکریہ''۔ زینب آہستگی سے بولی تھی۔

''کیا خیال ہے تربیتی کورس میں تمہارا نام لکھوا دیں''۔ زینب نے اس سے پوچھا تھا۔ اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆

وہ بہت تیزی سے سب سیکھتی جا رہی تھی' قران تجوید کے ساتھ پڑھایا جا رہا تھا' شروع شروع کچھ الفاظ زبان پر چڑھانے میں اسے دقت ہوئی تھی مگر امیمہ اور زینب نے اس کی بھرپور حوصلہ افزائی اور مدد کی تھی' اس کی معلمہ نور بی بی بھی بے حد مشفق تھیں وہ ان کی شخصیت سے بے حد متاثر تھیں' اسے ان کے ارد گرد نور کا ہالہ سا محسوس ہوتا تھا وہ قران کا ترجمہ' سورتوں اور آیات کے پس منظر اور شان نزول کے ساتھ پڑھ رہی تھی' جوں جوں وہ آگے پڑھ رہی تھی اس کا جوش ایمانی بڑھ رہا تھا' اس کی اکثر راتیں اپنے ماں باپ' بہن بھائیوں کے لئے ہدایت طلب کرتے بے چین گزرتی تھیں' ساتھ ہی برابر کمرے میں سویا شخص بھی اس کی ہدایت اور بھلائی مانگتی دعاؤں میں شامل ہو جاتا تھا۔

آج امیمہ اور زینب کے تبلیغی وفد کا اس مسجد میں آخری دن تھا اور وہ ان کی روانگی کی وجہ سے کافی اداس اور ملول تھی' انہیں آگے جانا تھا ایک ہفتہ میں ہی اسے ان سے کافی انسیت ہو گئی تھی۔

''تمہارا سفر مبارک ہے خدا تمہیں ثابت قدمی اور مدد عطا فرمائے''۔ زینب نے اس سے گلے ملتے ہوئے دعا دی۔

''اللہ کی امان میں''۔ امیمہ اس سے گلے ملی تھی۔

''آپ مجھ سے واپس ملنے آئیں گی......؟'' اس نے نم آنکھوں کے ساتھ اردو میں کہا تھا' ایک ہفتہ میں وہ ان سے ٹوٹی پھوٹی اردو بولنا سیکھ گئی تھی' اس کے اردو میں ادا کئے گئے جملے پر امیمہ اور زینب کے چہرے پر

مسکراہٹ بکھری تھی۔

''وعدے نہیں کرتے اگر نیویارک میں ہوئے تو دوبارہ آنے کی کوشش کریں گے''۔ زینب نے پیار سے اس کا گال چھوا تھا' اس نے سر ہلا دیا اور وہ دونوں باہر نکل گئیں۔

☆

وہ صبح نو بجے گھر سے نکلی تھی تو عصر کے بعد ہی گھر میں داخل ہوتی تھی' اس نے اسے گھر کی دوسری چابی دے دی تھی۔

رات کو بیٹھ کر وہ خوش الحانی سے اپنا سبق دہراتی تھی اور وہ برابر کمرے سے آتی آواز پر بے چین ہو اٹھتا تھا' کبھی یہ نغمے اس کی زبان پر بھی جاری ہوتے تھے' فرشتے کی آواز خوبصورت تھی اس کی آواز اسے ماضی میں دھکیل دیتی تھی' اس نے خود بھی قرأت کے کئی مقابلے جیتے تھے قرآن پاک کھولے ہوئے اسے آٹھ سال گزر چکے تھے' مگر حافظہ تیز تھا' اس کی قرأت سنتے سنتے اس کے سبق کے آگے سے اس کا دل کب تلاوت شروع کر دیتا اسے پتہ ہی نہ چلتا تھا' ہوش تب آتا جب کہیں پیر اٹک جاتا پھر وہ ہوتا اور اس کی بے چین ہوتی روح جو کسی پل اسے چین نہیں لینے دیتی تھی' ضد تو کب کی ٹوٹ چکی تھی اب تو بس احساس ندامت اور جھجک تھی جو اسے خالق کے آگے کھڑا ہونے نہیں دیتی تھی۔

آج لیلتہ القدر تھی اسے نشانیوں سے اندازہ ہو گیا تھا موسم معتدل اور رات روشن تھی آسمان سے نور سا اترتا محسوس ہو رہا تھا' وہ حسب معمول سڑکوں پر آوارہ گردی کر رہا تھا' مختلف سوچوں میں غرق اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ کب سڑک کے کنارے چلتے چلتے وہ بیچ روڈ پر آ گیا تھا۔

اچانک بریک لگانے پر گاڑی کے ٹائر تیز آواز میں چرچرائے تھے' وہ چونک کر حال میں پلٹا تھا اس سے بمشکل تین انچ کے فاصلے پر گاڑی رکی تھی ایک سنسنی سی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑی' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص مغلظات بکتا گاڑی سے برآمد ہوا تھا اور اسے دھکا دے کر فٹ پاتھ پر گرا کر واپس گاڑی میں بیٹھ کر زن سے گاڑی بڑھا لے گیا تھا' اپنے سن ہوتے وجود کے ساتھ وہ کافی دیر فٹ پاتھ پر بیٹھا رہا تھا' اس کا دماغ ایک ہی نقطے پر سوچ رہا تھا کہ اگر آج میری زندگی کی آخری رات ہوتی تو کہ وہ کبھی دنیا و مافیہا سے ایسا بے خبر نہیں ہوا تھا کہ اسے اپنے حال کی خبر نہ رہے۔

ایک جھرجھری لیتا وہ کھڑا ہو گیا' اس کے قدم مسجد کی طرف بڑھ رہے تھے' اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے' وضو کر کے ظاہری غلاظتوں کو خود سے دور کر کے اب وہ باطنی غلاظتوں کو دور کرنے کے لئے نماز پڑھنے کھڑا ہوا تھا کہ ٹانگوں نے بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا تھا' وہ کسی مجرم کی مانند گھٹنوں کے بل گرا تھا' جھکتا ہوا وہ سجدے میں چلا گیا' اس کی سسکیاں اور آہیں بلند تر ہوتی جا رہی تھیں' اس کی زبان سے صرف اللہ اللہ نکلتا تھا مگر جسم کا ہر ہر عضو شرمسار تھا' مسجد میں پھرتے لوگ کچھ پل ٹھہر کر اسے دیکھتے اور پھر آگے بڑھ جاتے۔

اس کے حلق سے ایسی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں جیسے کوئی اسے کند چھری سے ذبح کر رہا ہو' اسے اپنی ہر پکار پر یا عبدی کی صدائیں گونجتی محسوس ہو رہی تھیں' اسے بچپن میں اپنی دادی کی بتائی بات یاد آئی تھی ''جب کوئی ایک قدم اس کی طرف بڑھاتا ہے وہ ستر قدم چل کر اپنے بندے کی طرف آتا ہے''۔ آہستہ آہستہ اسے قرار آ رہا تھا' سجدے سے سر اٹھا کر اس نے آنسو پونچھے اور نیت باندھ لی۔

☆

آج چاندرات تھی وہ روزے نہیں رکھتا تھا مگر ہر سال چاندرات کو اپنے پورے سال پہنے جانے والوں کپڑوں کی خریداری کرتا تھا یہ گزشتہ آٹھ برسوں سے اس کا معمول تھا۔

اب بھی وہ شاپ پر کھڑا اپنے لئے ملبوسات پسند کر رہا تھا دفعتاً خیال آیا تھا کہ عید تو اس کی ہے' ہاتھ میں پکڑی شرٹ وہ واپس اسٹینڈ میں ٹانگتا باہر نکل گیا۔

وہ پاکستانی ملبوسات کے بوتیک میں داخل ہوا تھا یہ اس کے علاقے کا واحد پاکستانی ملبوسات کا بوتیک تھا چونکہ اردگرد کافی ایشیائی لوگ رہتے تھے اس لئے طلب بھی زیادہ تھی اور کپڑوں اور دیگر اشیاء کی قیمتیں بھی۔ وہ الجھے ہوئے انداز میں ہینگر میں لگے کپڑے دیکھ رہا تھا اسے لیڈیز شاپنگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا اس لئے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا خریدے ناپ وغیرہ کا بھی اسے کچھ پتا نہیں تھا۔

''مے آئی ہیلپ یو سر......'' ایک سیلز گرل اس کی جانب بڑھی تھی۔

''یا آف کورس''۔ اس نے سر ہلایا۔

''میڈم کا ناپ کیا ہے'' سیلز گرل نے پوچھا۔

''ناپ......؟'' وہ سوچ میں پڑ گیا ہے۔

''یہاں تک......؟ یاد آنے پر اس نے کندھے کے ذرا نیچے ہاتھ رکھا تھا' سیلز گرل کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''آپ وہاں چلے جائیں اس سائز کے ڈریسز وہاں ہیں''۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ کافی دیر کی محنت کے بعد اس نے عنابی رنگ کا ہلکی ہلکی کڑھائی سے مزین اور لائٹ اور ڈارک بلیو کنٹراسٹ کا فینسی سا سوٹ پسند کیا تھا' کپڑوں کی میچنگ جیولری خریدتے ہوئے اسے یاد آیا کہ اس کے تو کان ہی نہیں چھدے ہوئے سو اس نے سلور نازک سالاکٹ اور چوڑیاں خریدنے پر ہی اکتفا کیا' سینڈلز خریدتے ہوئے اسے کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا' کہ اس نے کبھی غور سے اس کا معائنہ نہیں کیا تھا کہ ناپ کا اندازہ ہوتا' اس کی یہ مشکل بھی ایک سیلز گرل نے کپڑوں کے سائز کو دیکھ کر حل کر دی تھی کہ اس قد کاٹھ کی خواتین کو عموماً اس سائز کی سینڈلز آتی ہیں۔

دونوں ہاتھوں میں شاپرز اٹھائے وہ خاصا تھکا ہارا فلیٹ میں داخل ہوا تھا وہ اسے لیونگ روم میں نہیں دکھی تو وہ دستک دیتا اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا' وہ نماز پڑھ رہی تھی وہ شاپرز اس کے بیڈ پر رکھتا باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

دروازے پر ہوتی زوردار دستک سے اس کی آنکھ کھلی تھی' اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا اس پر نظر پڑتے ہی وہ چند پلوں کے لئے ساکت ہوا تھا۔

سامنے وہ اس کا لایا ہوا عنابی جوڑا پہنے کھڑی تھی' گہرا عنابی کلر اس کی گلابی رنگت پر جچ رہا تھا' دائیں ہاتھ میں چوڑیاں اور بائیں ہاتھ میں وہ اپنی بلیک اسٹریپ کی گھڑی پہنی ہوئی تھی' گہری نیلی آنکھوں میں کاجل عجب بہار دکھا رہا تھا' آنکھوں کے اردگرد کی سرخی بتا رہی تھی کہ کاجل لگانے میں خاصی محنت کی گئی ہے' جب جا کے متوازن لکیریں کھنچی ہیں' اسے زینب اور امیمہ کی آنکھوں میں لگا کاجل بہت اچھا لگا تھا' ایک بار اس کا اظہار کر دیا تو امیمہ نے جھٹ کاجل کی ایک ڈبیہ اسے تحفتاً دے دی ساتھ ہی لگانے کا طریقہ بھی سکھا دیا تھا۔

''میں عید کی نماز پڑھنے جا رہی ہوں''۔ اس کی اطلاع پر وہ چونک کر حال میں لوٹ آیا۔

''تم چلو گے نماز پڑھنے''۔ دو قدم پیچھے ہٹ کر اس نے پوچھا تھا' اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا' اسے حیرانی کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے نماز ہونے میں آدھا گھنٹہ ہے تم جلدی تیار ہو کر آجاؤ''۔ وہ کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولی' وہ اندر مڑ گیا۔ مسجد میں بے پناہ رش تھا مسجد کے احاطے میں بھی صفیں بچھا دی گئی تھیں وہ اسے چھوڑ کر عورتوں کے مخصوص حصے کی طرف بڑھ گئی۔ نماز کے بعد وہ بڑی دلچسپی سے عورتوں کو گلے ملتے اور عید کی مبارکباد دیتے دیکھ رہی تھی' چند ایک سے وہ خود بھی گلے ملی تھی جس میں اس کی پڑوسن بھی شامل تھیں' رش کم ہونے پر وہ نکلی تھی' کچھ دور وہ پلر سے ٹیک لگا کر کھڑا اسی کا انتظار کر رہا تھا' وہ اس کی طرف بڑھی تھی' جب مانوس سی آواز میں اپنے نام کی پکار پر وہ تیزی سے پلٹی تھی' اس سے کچھ فاصلے پر زینب اور امیمہ کھڑی تھیں وہ حجاب میں بھی انہیں پہچان گئی تھی۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو تم ان کپڑوں میں''۔ اس سے گلے ملتے ہوئے زینب توصیفی لہجے میں بولی تھی۔

''اس نے لا کر دیئے ہیں''۔ کچھ دور کھڑے ولی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے' وہ بولی تھی۔

''اس نے نہیں انہوں نے''۔ امیمہ نے تصحیح کی' اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''مجھے پتہ تھا آپ آئے گی''۔ وہ مسرت سے بولی۔

''اونہوں...... آپ آئے گی نہیں آپ آئیں گی''۔ امیمہ نے پھر تصحیح کی۔

''بس بس اب یہاں کھڑے ہو کر اردو کی کلاسز شروع مت کر دو یار ہمیں کہ جلدی جانا ہے''۔ زینب انگریزی میں بولی تھی۔

''آپ جلدی چلی جائیں گی......؟'' قدرے مایوسی سے انہیں دیکھتے ہوئے اب کہ وہ بھی انگریزی میں بولی تھی۔

''ہاں چندا تم سے ملنے کا دل چاہ رہا تھا تو یہاں چلے آئے زیادہ ٹائم نہیں ہے ہمارے پاس''۔ زینب پیار سے اس کا گال چھوتے ہوئے بولی۔

''اپنے ان سے نہیں ملواؤ گی''۔ اردو میں بولتے ہوئے امیمہ نے کچھ دور کھڑے ولی کی طرف اشارہ کیا' اس کا لہجہ شرارتی اور ان پر زور تھا۔ وہ خاک بھی نہ سمجھی تھی کہ اس نے ان سے پر زور کیوں اور کس لئے دیا ہے' اثبات میں سر ہلاتے انہیں لئے آگے بڑھی تھی۔

''یہ ولی ہے اور......'' اس نے اس کا تعارف کرایا تھا اردو میں بولتی وہ ولی کو حیران کر گئی۔

''اور ہم آپ کی مسز کی فرینڈز ہیں''۔ امیمہ اس کی بات کاٹتے بولی۔

''نہیں یہ......'' اس نے تصحیح کرنی چاہی تھی کہ وہ اس کا شوہر نہیں ہے' اس کی گلی اور بلڈنگ میں سب اسے مسز ولی سمجھتے تھے اور اس نے کبھی تصحیح کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی' اس کے نام کے ساتھ مسز کا لفظ گویا اسے معتبر کرتا تھا اس لئے اس نے کبھی ان لوگوں کی غلطی دور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اس نے ایسا کیا بھی تو وہ ان سب کی نظروں سے گر جائے گی' مگر ان دونوں کا اس کے سامنے مسز کہنا اسے جز بز کر گیا تھا' وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا رد عمل کیا ہوگا اس لئے اس نے تصحیح کرنی چاہی تھی' مگر زینب اس کی بات کاٹتے ولی سے مخاطب ہو گئی تھی۔

''مسٹر ولی...... آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کی وجہ سے ایک لڑکی کو ہدایت نصیب ہوئی خدا آپ دونوں میں محبت رکھے اور آپ کا ساتھ زندگی بھر بنائے رکھے''۔ وہ یہ سمجھی تھی کہ اس نے شادی کے لئے اسلام قبول کیا تھا۔

''اچھا ہم چلتے ہیں اپنا اور اپنے شوہر کا خیال رکھنا''۔ موبائل پر آتی کال پر وہ عجلت میں بولتی مڑی تھیں۔

''تم نے انہیں بھی یہ بتایا کہ میں تمہارا شوہر ہوں''۔ بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑ کر وہ درشت لہجے میں بولا۔

"میں نے ان سے کبھی کچھ نہیں کہا انہوں نے خود سے یہ سوچ لیا"۔ وہ سر جھکائے مدھم لہجے میں بولی تھی' کچھ پل اسے غصیلی نظروں سے تکنے کے بعد وہ اس کا بازو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

☆

وہ سرتاپا بدل چکا تھا' اب وہ باقاعدگی سے مسجد جاتا تھا قرآن پڑھنے میں اس کی بھی مدد کرتا تھا وہ اس میں آئی اچانک تبدیلی پر جہاں حیران تھی وہیں خوش بھی تھی' آج وہ اسے لئے آؤٹنگ پر نکل آیا تھا' موسم ہلکا ہلکا خنک ہونے لگا تھا۔

"شاید آج بارش ہوگی"۔ سڑک کے کنارے چلتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا تھا۔

"ہمم...... سردی میں اضافہ ہوجائے گا"۔ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے وہ بولی تھی۔ اس نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔

"تم کافی جلدی اردو بولنا سیکھ گئیں"۔ اس کے لہجے میں ستائش تھی۔

"ٹھیک سے تو نہیں بول پاتی"۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی اس نے ماتھے پر آئی لٹ کو پیچھے کیا' وہ غور سے اس کا جائزہ لے رہا تھا' اس نے سیاہ جینز پر نیوی بلیو کلر کی فل سلیو کی شرٹ پہن رکھی تھی' چہرے کے گرد سیاہ اسکارف لپٹا تھا' سیاہ لیدر کی جیکٹ اس نے ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی۔

"میں تمہارے لئے لڑکا ڈھونڈ رہا ہوں"۔ وہ یکدم ہی بولا تھا وہ ساکت ہوگئی' چلتے چلتے وہ بھی رک گیا تھا۔

"کیوں......؟" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب کیوں تمہاری شادی کے لئے تم کب تک میرے ساتھ رہوگی؟" اس نے پاس پڑے پتھر کو ٹھوکر مار کر اڑاتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کیا تم مجھ سے......" اس نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہنا چاہا تھا مگر وہ اس کی بات کاٹ گیا۔

"میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں تم سے شادی نہیں کرسکتا"۔ اس کا لہجہ سخت ہوچکا تھا۔

"تم اب بدل گئے ہو تو اب تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کرسکتے"۔ اس کے صاف انکار پر دوبارہ وہی بات کہنا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

"بس نہیں کرسکتا آخر تم میرے ہی پیچھے کیوں پڑ گئی ہو"۔ وہ جھنجلا گیا۔

"کیوں کہ میں تم پر اعتبار کرتی ہوں جو کسی اور پر نہیں کرسکتی"۔ وہ سر جھکائے شرمندگی سے لب کاٹتے بولی۔ اس کا جھلایا ہوا انداز اسے شرمندہ کررہا تھا وہ خود کو اس پر زبردستی مسلط بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر مجبور تھی۔

"میں پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی کسی مضبوط ہاتھوں میں تمہیں سونپوں گا"۔ اس کا لہجہ پر یقین تھا' وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆

وہ ٹی وی کے آگے جما ہوا تھا جب کہ وہ سونے کے لئے اپنے کمرے میں جاچکی تھی' آدھے گھنٹے سے اس کا سیل مسلسل بج رہا تھا وہ بار بار اٹھا کر دیکھتا اور بے زاری سے نیچے رکھ دیتا' پاکستان سے کال تھی اور وہ بات نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جانتا تھا اسے واپس آنے کے لئے فورس کیا جائے گا۔

"تمہارا سیل بج رہا ہے"۔ وہ نیند میں ڈسٹرب ہوکر باہر آگئی تھی۔

"جانتا ہوں"۔ وہ ٹی وی پر نظریں جمائے بولا۔

"تو ریسیو کیوں نہیں کرتے"۔ وہ برہمی سے بولی۔

"تم جا کر سو جاؤ"۔ وہ چینل سرچ کررہا تھا۔

"سو پاتی تو اٹھ کر یہاں نہ آتی"۔ بولتے ہوئے وہ اس کا سیل اٹھا کر کان سے لگا چکی تھی' وہ دنگ رہ گیا تھا اسے اس سے اس حرکت کی امید نہیں تھی۔

"تمہارا فون ہے"۔ دوسری طرف سے کچھ سن کر اس نے فون اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کون تھی"۔ اس کی ماں بے تابی سے پوچھ رہی تھی وہ کمرے میں واپس جاچکی تھی۔

"آپ بتایئے کیوں فون کیا......؟" وہ کوفت بھرے لہجے میں بولتا ان کا سوال نظر انداز کرگیا تھا۔

"تمہارے ڈیڈ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' تم جتنی جلدی ممکن ہو پاکستان آجاؤ"۔ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد وہ بولیں تھیں۔

"کیا ہوا انہیں"۔ وہ حقیقتاً پریشان ہوا تھا۔

"کچھ سمجھ نہیں آرہا کافی دنوں سے طبیعت خراب تھی اب زیادہ ہوگئی ہے' تمہیں بہت یاد کرتے ہیں ختم کرو اب ہماری سزا اور لوٹ آؤ"۔ پریشانی سے بولتے ہوئے آخری جملہ انہوں نے منت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"آجاؤں گا"۔ اس کا لہجہ مدھم تھا۔

"کب......؟" انہوں نے بے تابی سے استفسار کیا۔

"جلد ہی"۔ آج جواب ہمیشہ والا نہیں تھا وہ کھل گئیں۔

"ہم انتظار کریں گے"۔

"اللہ حافظ"۔ اس نے فون ڈسکنیکٹ کردیا اور پریشانی سے شہادت کی انگلی سے پیشانی رگڑنے لگا ماں کے لہجے میں سے چھلکتی پریشانی حقیقتاً اسے بھی پریشان کرگئی تھی۔

☆

"میں واپس پاکستان جارہا ہوں"۔ صبح ناشتہ کرتے ہوئے وہ اس سے بولا' چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے اس کا ہاتھ لرز گیا تھا۔

"میرے ڈیڈ بیمار ہیں"۔ ایک نظر کپ سے چھلکی چائے پر ڈالتے وہ دوبارہ اس سے مخاطب ہوا تھا' وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"بے فکر رہو تمہیں کسی محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر ہی جاؤں گا"۔ وہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر بولا تھا۔ اپنی تیاریوں کے ساتھ اس نے اس کے لئے لڑکے کی تلاش بھی جاری رکھی تھی' اب تک کوئی اس کی نگاہوں میں نہیں بچا تھا' گرین کارڈ کے حصول کے لئے امریکنز سے شادی کے خواہش مند تو بہت لوگ تھے مگر کوئی بھی اسے اس کے قابل نہ لگا تھا اور وہ کسی بوجھ کی طرح اسے سر سے اتارنا نہیں چاہتا تھا۔

اس کے جانے میں صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا اور وہ اس کے لئے پریشان تھا وہ اسے یوں بے سہارا اور اس کی امیدوں کو توڑ کر بھی نہیں جانا چاہتا تھا' کہیں نہ کہیں وہ اسے اپنی محسن مانتا تھا' جو اسے خدا سے ملانے کا ذریعہ بنی تھی' اس نے راہ حق کے لئے بہت کچھ چھوڑا تھا۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ حالات سے مقابلہ کرتے کرتے تھک کر اس کے قدم ایک بار پھر اندھیروں کے مسافر ہوجائیں۔

بار بار کئے جانے پر اس نے اب اس سے اپنے متعلق بات کرنا چھوڑ ہی دی تھی' اس کی اس سے صرف ناشتے پر

ملاقات ہوتی تھی یا کبھی کبھی رات کو بھی ہو جاتی اگر وہ جلدی لوٹ آتا۔

رات بارہ بجے کے قریب وہ گھر میں داخل ہوا تھا جوتے اتارتے ہوئے خاموشی کے ساتھ ایک عجیب سا احساس بھی اس کے اندر جاگا' وہ جلدی سونے کی عادی تھی عموماً اس کے دیر سے گھر لوٹنے پر وہ اپنے کمرے میں سوئی ہوئی ہوتی تھی۔

وہ جوتے اتار کر تیزی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھا' دو تین بار دستک دینے کے بعد اس نے چابی گھمائی دروازہ لاکڈ نہیں تھا وہ کمرے میں نہیں تھی باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا' لیونگ روم میں کھڑے ہو کر اس نے پورے گھر پر نظر دوڑائی' گھر ہی کتنا بڑا تھا وہ کہیں بھی نہیں تھی' دو تین آوازیں دینے کے بعد اس کا ماتھا ٹھنکا تھا' وہ گھر سے باہر نکلا' جانے وہ کہاں چلی گئی تھی' وہ پاگلوں کی طرح اسے اردگرد کی گلیوں میں تلاش کر رہا تھا' بار بار اس کے منگیتر اور اس کے گھر والوں کا خیال آ رہا تھا کہ وہ تو اسے اٹھا کر نہیں لے گئے' تھکا ہوا تو وہ پہلے کا تھا اب اس پر تھکن غالب ہو رہی تھی' رات خاصی خنک اور سیاہ تھی' کہیں وہ برے لوگوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے یہ سوچ دماغ میں آتے ہی وہ لرز گیا' اس نے پاکدامن رہنے کے لئے کیا کیا کوششیں نہیں کی تھیں۔

گلیوں سے باہر نکل کر اس نے سڑک پر نظر دوڑائی' دور سڑک کنارے لگی سنگی بینچ پر اسے ہیولا سا بیٹھا نظر آیا تھا' وہ دوڑ کر اس تک پہنچا' گھٹنوں میں سر دیئے وہ بلاشبہ وہی تھی' اس کا بازو پکڑ کر ایک جھٹکے سے اس نے اسے پیروں پر کھڑا کیا تھا۔

''تم اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ مشتعل لہجے میں پوچھ رہا تھا اس کا چہرہ سرخ اور آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اس نے سر جھکا دیا۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں جواب دو' اتنی ٹھنڈ میں گھر سے نکل کر تمہارے دماغ میں یہاں آ کر بیٹھنے کا خناس کیوں سمایا......؟'' اس نے اسے ایک جھٹکا دیا تھا۔

''تم پریشان کیوں ہو رہے ہو میں تمہارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی''۔ اس نے اپنا بازو چھڑاتے سنجیدہ لہجے میں بولتی وہ اسے سلگا گئی تھی۔

''میں کیوں پریشان ہو رہا تھا؟ تمہیں پورے چھ سو ڈالرز کے عوض آزادی دلائی تھی میں نے تم غلط ہاتھوں میں پڑ کر میرے چھ سو ڈالرز ضائع کرو میں کبھی نہیں چاہوں گا''۔ وہ تیز لہجے میں بولا تھا۔ اس نے خائف سی نظروں سے اسے دیکھا اسے اپنے چھ سو ڈالرز زیادہ عزیز تھے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی پرواہ ہوتی بھی کیوں آخر وہ لگتی بھی کیا تھی اس کی' اپنے گھر میں رکھ کر اور چھڑا کر اس نے اس پر احسان کیا تھا۔

''میں ویسے ہی یہاں آ گئی تھی دل گھبرا رہا تھا''۔ ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بولی اور جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے' اور رونے اور یہاں آ کر بیٹھنے کا پس منظر وہ خوب جانتا تھا اس لئے مزید کچھ پوچھے بغیر اس نے بھی قدم بڑھا دیئے۔

''جانتی ہو تمہیں گھر میں نہ پا کر میں کتنا پریشان ہو گیا تھا''۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے جتایا تھا۔

''کیوں......؟'' اس نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

''مطلب کیوں......؟'' انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے تم اتنے دنوں سے یہاں رہ رہی ہو اتنی انسیت تو پیدا ہو ہی جاتی ہے''۔ وہ بے نیازی سے بولا۔

''تم مجھے اپنے ساتھ پاکستان نہیں لے جا سکتے''۔ وہ بے اختیار ہی بول گئی تھی اس کی بات پر اس نے پلٹ کر

اسے دیکھا تھا اس کے دیکھنے پر اس نے سر جھکا دیا۔

''معاف کرنا......تم نے میری اتنی مدد کی یہ احسان ہے مجھ پر' میں خود کو تم پر مسلط نہیں کر سکتی جب کہ ہمارے بیچ کوئی رشتہ بھی نہیں ہے''۔ شرمندگی سے بولتی وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔



ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر آتے ہی اس کی نظر اپنی مام کے ساتھ کھڑے اپنے ڈیڈ پر پڑی تھی اور اس کا دل چاہا اگلی فلائٹ پکڑ کر واپس چلا جائے' ان سے کچھ پیچھے ہی وہ کھڑی تھی جس کی وجہ سے وہ ملک بدر ہونے پر مجبور ہوا تھا' وہ اب بھی ویسی ہی تھی' جینز سلیوز کی ایئر لائن شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ دوپٹے سے بے نیاز کھڑی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی اس نے اپنے ساتھ چلتی فرشتے کو دیکھا' سیاہ لانگ کوٹ میں اس کا جسم مکمل چھپا ہوا تھا' اور سیاہ اسکارف میں اس کی سفیدی مائل گلابی رنگت دمک رہی تھی' ان تینوں کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی اور وہ خاصی حیرت سے اس کا کلین شیو چہرے اور ساتھ میں آتی لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

ان کی نظریں خود پر مرکوز دیکھ کر اس نے ساتھ چلتی فرشتے کی کمر میں بازو حمائل کر کے اسے خود سے قریب کیا تھا اس نے گھبرا کر اس کا ہاتھ ہٹانا چاہا تھا کہ وہ بولا۔

''میں ان سے جو بھی کہہ کر تمہارا تعارف کراؤں تم مجھے رد نہیں کرو گی''۔

''تم کیا کہنے والے ہو؟'' پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ ہٹایا تھا اس کے جواب دینے سے پہلے وہ لوگ قریب آ گئے تھے۔ شہاب صاحب نے بازو پھیلائے تھے اور وہ ان کی کھلی بانہوں میں سما گیا' اس کی ماں البتہ کچھ ناگوار نظروں سے فرشتے کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں ان کی گہری نظروں سے وہ گھبرا رہی تھی۔

''دھوکے سے بلایا آپ نے مجھے''۔ ان سے الگ ہوتا وہ شکوہ کناں ہوا۔

''مکمل دھوکہ تو نہیں کہہ سکتے طبیعت واقعی خراب تھی میری''۔ وہ مسکرائے۔

''یہ لڑکی کون ہے......؟'' بجائے اس کے کہ اس کی ماں آٹھ سال بعد لوٹے بیٹے کا استقبال کرتیں' فرشتے کو کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''یہ بھی فرشتے ہے مگر میری فرشتے''۔ اس کا ہاتھ تھام کر قریب کرتے ہوئے وہ محبت بھرے لہجے میں بولا تھا' اس کی بات پر فرشتے کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''مطلب......؟'' سمجھتے ہوئے بھی وہ ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''مطلب یہ کہ یہ میری ہونے والی بیوی ہے......'' اس کے چہرے پر نظریں جمائے وہ بولا تھا جبکہ وہ حیرت و الجھن سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اوہ سوری ڈیئر......میں بھول گیا تعارف کرانا' یہ میرے مام ڈیڈ ہیں اور یہ کزن اس کا نام بھی فرشتے ہے ہمارے گھر میں ہی رہتی ہے''۔ ان کی طرف اشارہ کرتے اس نے تعارف کرایا وہ لبوں پر مسکراہٹ سجائے سر ہلا رہی تھی۔ فرشتے کو اس طرح اپنا تعارف کرائے جانے پر ہتک محسوس ہوئی تھی' اس کے آنے کی خبر سن کر اس نے نہ جانے کون کون سے سپنے سجا لئے تھے اب اس کے ساتھ ایک امریکن کو آتے اسے خاصی مایوسی ہوئی تھی' اس نے سب کو سلام کرنے کے ساتھ فرشتے کی طرف دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ بڑھایا تھا' شہاب صاحب نے گرمجوشی سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا' نہ ماں نے جواب دیا تھا اور نہ ہی فرشتے نے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

”مجھے امید ہے آپ لوگوں کو ہماری شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا“۔ وہ سنجیدگی سے حسینہ بیگم اور شہاب صاحب کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”ہرگز نہیں...... تمہاری پسند ہماری پسند ہے ہمیں بھلا کیا اعتراض ہوگا“۔ شہاب صاحب نے آگے بڑھ کر فرشتے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا' ویسے بھی وہ انہیں کافی پسند آئی تھی جبکہ حسینہ جزبز ہوگئی تھیں ان کے ہاتھ رکھنے پر۔ ڈرائیور سامان اٹھا چکا تھا۔

”آپ لوگ چلئے میں اور فرشتے ٹیکسی سے آجائیں گے گاڑی میں اتنی جگہ نہیں ہوگی“۔ آگے بڑھتی فرشتی کا ہاتھ تھام کر روکتے ہوئے وہ ان سے مخاطب ہوا تھا۔

”ٹیکسی کی ضرورت نہیں تمہاری گاڑی میں لے کر آیا تھا“۔ چابی نکال کر انہوں نے اس کی سمت اچھالی تھی وہ اسے لئے اپنی گاڑی کی سمت بڑھ گیا۔

”تم امریکا میں ہی ٹھیک تھے یہاں تم بار بار مجھ سے کیوں چمٹ رہے ہو اور تم نے اپنے پیرنٹس سے یہ کیوں کہا کہ میں تمہاری ہونے والی بیوی ہوں“۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ اس پر الٹ پڑی گاڑی اسٹارٹ کرتے اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی وہ مزید سلگ گئی تھی۔

”کیوں تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟“ اس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا' وہ الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ بھی سنجیدہ ہوگیا۔

”تم سے قریب ہونے کا ناٹک اس لئے کیا کہ میں فرشتے کو جتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اب اس کی کوئی پرواہ نہیں میرے دل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے“۔ اس کا لہجہ سخت ہوگیا تھا' فرشتے کو گزری باتیں یاد آئیں تھیں اسے سب سمجھ آگیا تھا۔

”تم اب میرا استعمال کروگے“۔ اس نے دکھ و تاسف سے اسے دیکھا۔

”تم سمجھ سکتی ہو ایسا“۔ اس کا انداز لاپرواہ تھا وہ رخ موڑ گئی۔

”وسیع و عریض گھر کے پورچ میں اس نے گاڑی روکی تھی“ گاڑی سے باہر نکل کر وہ وسیع لان اور گھر کی پرشکوہ عمارت کو دیکھتے اس سے بولی تھی۔

”میں نے سنا تھا پاکستان غریب ملک ہے“۔ اس گھر میں اور جن راستوں سے گزر کر وہ آئی تھی وہاں غربت کا نشان تک نہ تھا۔

”حکمران امیر عوام غریب“۔ اس نے جواب دیا۔

”تمہارے ڈیڈ کا شمار حکمرانوں میں ہوتا ہے“۔ ایک نظر خوبصورت کوٹھی پر ڈالتے اس نے سادگی سے پوچھا تھا۔

”نہیں......“ اس کے سوال پر اسے ہنسی آگئی۔

”میرے ڈیڈ کی فرم ہے آؤ اندر چلیں سب انتظار کررہے ہوں گے“۔ اس کی تقلید میں وہ اندر داخل ہوئی جہاں حسینہ بیگم زور و شور سے اس کے پیٹھ پیچھے اسے برا بھلا کہہ رہی تھیں' ولی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ان کی زبان کو بریک لگے تھے اسے آتے دیکھ کر وہ زور زور سے ملازم کو آوازیں دینے لگی تھیں۔

”میڈم کو گیسٹ روم میں لے جاؤ“۔ اس کے آتے ہی وہ فرشتے کو دیکھتی نخوت سے بولی تھیں۔

”یہ کوئی گیسٹ نہیں ہے کہ اسے گیسٹ روم میں ٹھہرایا جائے آپ کی ہونے والی بہو ہے' آپ انہیں لے جائیں اور میرے برابر والا روم انہیں دکھادیں“۔ انہیں جواب دیتا وہ ملازم کو شائستگی سے ہدایات دینے لگا یہ اس کی پرانی

عادت تھی وہ ملازموں سے تہذیب سے ہی بات کرتا تھا جبکہ وہ پہلو بدل گئی تھیں اس کی بات پر۔

اس کے جاتے ہی وہ ان کے سامنے صوفے پر جما تھا۔

”اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ اسے اردو نہیں آتی تو یہ غلط ہے وہ اچھی خاصی اردو بول اور سمجھ لیتی ہے“۔ اس کا لہجہ تیکھا تھا۔

”میں خوب سمجھ رہا ہوں کہ آپ کو اس کا آنا کیوں ناگوار گزرا ہے' میں آج بھی وہی ولی ہوں جو آٹھ سال قبل آپ کو اپنی ماڈرن اور فیشن ایبل بھانجی کے لئے ناموزوں لگتا تھا دوسری صورت میں واپسی کے دروازے میرے لئے کھلے ہیں اب میں گیا تو واپس نہیں لوٹوں گا“۔ وہ ان کو دھڑکاتا اٹھ کھڑا ہوا' جہاں اپنے بارے میں اس کے اس طرح کہنے سے فرشتے نے پہلو بدلا تھا وہیں شہاب صاحب بھی اس کے واپس جانے کی دھمکی سن کر گھبرا گئے تھے۔

”ارے ایسا کچھ نہیں ہے بیٹا تمہاری ماما کو تمہارے گوری میم کے ساتھ واپس آنے کا قلق ہے مگر اب جیسا تم چاہوگے ویسا ہی ہوگا' تم چاہو تو میں کل ہی تمہاری شادی کرادیتا ہوں“۔ وہ بیگم کو خشمگین نظروں سے گھورتے ہلکے پھلکے لہجے میں بولے تھے۔

”نہیں ڈیڈ اتنی جلدی تو میں شادی نہیں کرنا چاہوں گا پہلے وہ یہاں اچھی طرح ایڈجسٹ ہوجائے ہاں یہ طے ہے شادی تو مجھے اس سے ہی کرنی ہے“۔ اس نے جتاتی نظروں سے ماما اور فرشتے کو دیکھا تھا۔

☆

دستک پر اس نے دروازہ کھولا' ملازم اسے کھانا لگنے کی اطلاع دیتا واپس پلٹ گیا تھا وہ اس کی تقلید میں ڈائننگ ہال تک آگئی' اسے آتے دیکھ کر ولی نے اس کے لئے کرسی گھسیٹی تھی وہ خاموشی سے بیٹھ گئی' اس نے اچھے میزبانوں کی طرح مختلف ڈشز اٹھا کر اس کے سامنے رکھیں تھیں۔

”فرشتے بیٹا اپنے بارے میں کچھ بتاؤ“۔

”اپنے بارے میں......؟“ وہ سوچ میں پڑ گئی ولی کو دیکھا اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ مختصراً وہ انہیں اپنے بارے میں بتاتی چلی گئی' شہاب صاحب کے ساتھ حسینہ بھی کافی متاثر ہوگئی تھیں۔

”بس آج سے تم میری بیٹی ہو“۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا وہ جھلملاتی آنکھوں کے ساتھ مسکرائی تھی۔

”ویسے ولی نے بتایا کہ تمہیں اردو بولنا آتی ہے“۔ شہاب صاحب نے اس کے انگریزی میں روداد سنانے پر پوچھا تھا۔

”تھوڑا بہت بولتی ہوں مجھے سوچ سوچ کر بولنا پڑتا ہے“۔ اب کے وہ اردو میں بولی تھی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے سر ہلادیا۔ اس نے ٹیبل کے اطراف بیٹھتے ہوئے سب لوگوں پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا۔

”کتنا مکمل گھرانا ہے کاش یہ فیملی میری بھی ہوجائے“۔ اس نے دل سے دعا مانگی تھی۔

”لگتا ہے ولی! اس نے تمہیں کافی حد تک سدھار دیا ہے“۔ فرشتے اس کی کلین شیو کی طرف اشارہ کرتی طنزیہ بولی تھی۔

”ہاں اس نے مجھے سدھار دیا ہے“۔

باقی آئندہ

صدف سعد

ردا کی ڈائری

ریمانور رضوان کی ڈائری سے

عکاشہ سحر ایمان کی نظم

دسمبر میں

اب کے برس دسمبر میں
جب ہم تنہا سیڑھیوں پر بیٹھیں گے
پھر یاد تمہاری آئے گی
ہر پل مجھے ستائے گی
تم سنگ بیتے اچھے پل
میرا آنے والا کل
دُکھ کے روگ میں ڈھل جائے گا......!
تیرے بن جاناں......!
دسمبر مجھ کو بہت رُلائے گا
گزرے دسمبر کی بیتی باتیں
مجھ سے ہر پل سوال کریں گی
جینا پھر سے محال کریں گی
اب کے برس دسمبر میں
جاناں......
لوٹ کر آ جاؤ
تڑپتے دل کو اب اور نہ تڑپاؤ
اب کے برس دسمبر میں ہم تنہا نہ رہ سکیں گے
تیرے ہجر کا ہر ستم سہہ نہ سکیں گے
دسمبر کی مہکی بھیگی ہوائیں
تیرے ہی بارے میں سوال کریں گی
اس سے پہلے کہ
دسمبر بیتے
اور میرے ضبط کا دامن چھوٹ جائے
جس میں تم رہتے ہو
پیار بھرا وہ دل ٹوٹ جائے
لوٹ کر آ جاؤ
جاناں......
دسمبر میرے سنگ بتاؤ
بیت گئے جو کٹھن لمحے
جاناں......
اب اُن کو بھول بھی جاؤ......

حنا تبسم کی ڈائری سے

محسن نقوی کی غزل

یہ سال بھی اداس رہا روٹھ کر گیا
تجھ سے ملے بغیر دسمبر گزر گیا
عمر رواں خزاں کی ہوا سے بھی تیز تھی
ہر لمحہ برگ زرد کی صورت بکھر گیا
کب سے گھرا ہوا ہوں، بگولوں کے درمیاں
صحرا بھی میرے گھر کے در و بام ہو گیا
دل میں چبھتے چبھتے وہموں کے بوجھ سے
وہ خوف تھا کہ رات میں سوتے میں ڈر گیا
جو بات معتبر تھی وہ سر سے گزر گئی
جو حرف سرسری تھا وہ دل میں اُتر گیا
ہم عکس خون دل میں لٹاتے پھرے مگر
وہ شخص آنسوؤں کی دھنک میں نکھر گیا
محسن یہ رنگ و روپ یہ رونق بجا مگر
میں زندہ کیا رہوں کہ میرا جی تو بھر گیا

سعدیہ عابد کی ڈائری سے

خالد شریف کی غزل

اے کہ میں تیرے لئے تھا اور تو میرے لیے
اب تیرے ہاتھوں پہ لکھا ہے لہو میرے لیے
کاش ایسا ہو کہ اب کے بے وفائی میں کروں
تو پھرے قریہ بہ قریہ کو بکو میرے لیے
میری بکھری کرچیوں میں پھوٹنے والے ہیں پَر
میرے قاتل جال پھیلا چار سُو میرے لیے
میں تو لامحدود ہو جاؤں سمندر کی طرح
تو بھی دریا بہ دریا جو بہ جو میرے لیے
پھر زمین کی سسکیاں اپنی لگیں خالد مجھے
پھر ہوا ہے جشن مرگ آرزو میرے لیے

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

وصی شاہ کی غزل

کبھی تم اپنی قسمت کا لکھا تبدیل کر لیتے
تو شاید ہم بھی اپنا راستہ تبدیل کر لیتے
اگر ہم واقعی کم حوصلہ ہوتے محبت میں!
مرض بڑھنے سے پہلے ہی دوا تبدیل کر لیتے
تمہیں ان موسموں کی کیا خبر ملتی اگر ہم بھی
کسی خوف سے آب و ہوا تبدیل کر لیتے
جدائی بھی نہ ہوتی، زندگی بھی سہل ہو جاتی
جو ہم ایک دوسرے سے مسئلہ تبدیل کر لیتے
تمہاری طرح جینے کا ہنر آتا تو پھر شاید
مکان اپنا وہی رکھتے پتہ تبدیل کر لیتے
تمہارے سنگ چلنے پر جو دل راضی نہیں ہوتا
بہت پہلے ہی اپنا فیصلہ تبدیل کر لیتے

صبا سحر کی ڈائری سے

محمد وحید انصاری کی غزل

دلوں کے دکھ نگاہوں سے عیاں تھے
بچھڑتے وقت تم بھی خوش کہاں تھے
مجھے راس آ گئی تھی زندگانی
یہ جب کی بات ہے تم مہرباں تھے
جنہیں سمجھا خیالوں کی بلندی
وہ جذبے راہ میں کوہ گراں تھے
متاع دل لٹی کس کس کے ہاتھوں
کچھ اپنے دوست تھے کچھ رازداں تھے
مسلسل قربتوں سے مٹ نہ پائے
دلوں کے فاصلے کیا سخت جاں تھے
سرہانے رات بھر بیٹھا تھا کوئی
تصور تھا مرا یا تم وہاں تھے
خلوص دل، وفا، جذبے، مروت
وحید اپنے لیے سب رائیگاں تھے

☆☆☆

اشعار

بشریٰ طارق ..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

یاد تو ہوں گی وہ باتیں تجھے اب بھی لیکن
شیلف میں رکھی ہوئی بند کتابوں کی طرح
کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

...وشی ..... وہاڑی

وہ میرا سب کچھ ہے بس میرا مقدر نہیں فراز
کاش وہ میرا کچھ نہ ہوتا بس میرا مقدر ہوتا

سحر انجم ..... کراچی

کبھی منزلوں کی صورت میری دسترس سے باہر
کبھی سنگ میل بن کر میرے راستے میں رہنا
میرے ہاتھ کی لکیریں تیرا نام بن کے چمکیں
میری خواہشوں کی خوشبو میرے زائچے میں رہنا

...یدہ امبر اختر ..... چنڈی پور

وہ بات کیوں کریں جن کی خبر ہی نہ ہو
وہ دعا کیوں کریں جس کا اثر ہی نہ ہو
کیسے کہہ دوں تمہیں لگ جائے میری عمر
کیا پتہ اگلے پل میری عمر ہی نہ ہو

...ید سلیم ..... کراچی

جن درختوں پہ تیرا نام لکھا
ان درختوں کی چھال رکھی ہے
سرد موسم میں یاد آیا تو
تیرے ہاتھوں کی شال رکھی ہے

حنا نسیم ..... کراچی

کسی کلی نے بھی دیکھا نہ آنکھ بھر کے مجھے
گزر گئی جرسِ گل اداس کر کے مجھے
میں سو رہا تھا کسی یاد کے شبستان میں
جگا کے چھوڑ گئے قافلے سحر کے مجھے

بسمہ علی ..... سکھر

ہو کے انساں تو محبت سے بچے گا کیونکر
اس خطا پر تو فرشتوں نے سزا پائی ہے

نائلہ اسحاق ..... لاہور

فسانہ اپنا کسی اور باب میں ہے رقم
ہے انتخاب کسی اور داستاں کیلئے
ہوا پہ لکھا ہوا حرف ہی سہی دنیا
تمام رنگ اسی نقشِ رائیگاں کیلئے

فرزانہ شوکت ..... کراچی

بے چین بہت پھرنا گھبرائے ہوئے رہنا
اک آگ سی جذبوں کی دہکائے رکھنا
عادت ہی بنالی ہے تم نے منیر اپنی
جس شہر میں رہنا اکتائے ہوئے رہنا

مائرہ فیاض ..... ملتان

بچھڑ گیا مجھ سے جو گئے سال کی طرح
اس کا حال بھی ہوگا میرے حال کی طرح
آتا نہیں وہ روٹھ گیا اسے سمجھتے ہوئے
یہ سال بھی گزر گیا ہر سال کی طرح

☆☆☆☆☆

شائستہ زاہد

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

منافقت:

منافقت انسان کو اللہ کے قرب سے محروم کر دیتی ہے۔ منافق وہ شخص بھی ہے جو اسلام سے پیار کرے اور مسلمانوں سے نفرت۔ منافق وہ بھی ہے۔ جس کے ظاہر و باطن میں فرق ہو' خلوت جلوت میں فرق ہو۔ منافق وہ بھی ہے۔ جس کی باتیں سچی ہوں اور وعدے جھوٹے ہوں۔ منافق وہ ہے جو دشمنوں کے ساتھ ہنس ہنس کر بات کرے اور دوستوں کی ہنسی اڑائے۔ جو محسنوں کے ساتھ وفا نہ کرے' جو امانت کی حفاظت نہ کرے' جس کو اپنے سے بہتر کوئی انسان نظر نہ آئے' جو اپنے دماغ کو سب سے بڑا سمجھے' جو یہ نہ سمجھے کہ اللہ جب چاہے مکڑی کے کمزور جالے سے بھی طاقتور دلیل پیدا کر سکتا ہے۔

واصف علی واصف کی کتاب "دل دریا سمندر" سے

انتخاب: شازیہ عمران ..... کراچی

زندگی

زندگی بھی بس ایک ڈائری کی مانند ہے۔ جس کے ہر صفحے پر دن' تاریخ' ماہ و سال چسپاں ہیں۔ صفحہ ایک سے لے کر آخر تک زندگی اس پر بے شمار تاریخیں لکھتی ہے۔ ہر تاریخ کی نوعیت زندگی کے مزاج پر منحصر ہے۔ جب یہ خوش ہوتی ہے تو دھنک کے ساتوں رنگ ڈائری میں سجاتی ہے اور جب ناخوش ہوتی ہے تو ماتمی سیاہ رنگ سے صفحوں کو کالا کر ڈالتی ہے۔ ہم اگر شروع سے آخر تک اسے پڑھتے جائیں تو پتا چلے گا کہ تاریخ کے ساتھ ساتھ تحریروں میں پختگی' سوچ اور تجربہ دکھائی دیتا ہے لیکن افسوس کہ جوں ہی ہم ان تجربوں اور پختگی سے فیض یاب ہونے لگتے ہیں ڈائری کے صفحات ختم ہو جاتے ہیں۔ (خلیل جبران)

انتخاب: راحیلہ سمیع ..... اسلام آباد

اس ماہ کے قول

☆ جوش اور ہوش بہت کم یکجا ہوتے ہیں لیکن جس میں یہ دونوں وصف موجود ہوں اس سے کبھی لغزش نہیں ہوتی۔ (ایمرسن)

☆ سچی محبت یہ بھی ہے کہ بچھڑ جانے کے بعد اس کی کسک محسوس کرے۔ (بلراج سائن)

☆ آپ سیکھنا چاہیں تو آپ کی ہر غلطی آپ کو سبق دے سکتی ہے۔ (ارسطو)

☆ دنیا میں کئی عجوبے ہیں لیکن انسان سے بڑا عجوبہ کوئی نہیں۔ (سوفوکلس)

☆ خاموش اور کم گو آدمی کا ہر جگہ ہر وقت استقبال ہوتا ہے۔ (برنارڈ شا)

☆ محبت اندھی ہوتی ہے اس لئے محبت کرنے والے ان باریک غلطیوں کو نہیں دیکھ سکتے جو ہر آن ان سے سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ (شیکسپیئر)

☆ ماں کی دعا میری کامیابی کا راز ہے۔ (ہٹلر)

رفعت حسن...... حیدر آباد

اس ماہ کی بات

انسان کو انسان دھوکا نہیں دیتا
انسان کو اس کی وہ توقعات دھوکا دے جاتی ہیں
جو وہ اللہ کے سوا دوسروں سے وابستہ کر لیتا ہے۔

نائلہ اسحاق...... لاہور

اس ماہ کی معلومات

O ''ابوالانبیاء'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔

O حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جس پہاڑ پر رکی وہ ترکی میں واقع ہے۔

O زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

O حضرت سلیمان علیہ السلام حیوانوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔

O ''ابوالبشر'' حضرت آدم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔

O ''گنبد خضرا'' کے لغوی معنی سبز گنبد کے ہیں اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کے روضہ مبارک کا ہے۔

O حضرت داؤد علیہ السلام وہ پیغمبر تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں نرم ہو جاتا تھا۔

O آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔

عانیہ نیازی...... ربوہ

اس ماہ کا قطعہ

دہر میں رنگینی ہے دل سے دور سویرا ہے
کل بھی وہ کسی کا تھا اب بھی کب وہ میرا ہے
جس کی چاہ میں ہم نے جان تک گنوا دی ہے
اسی کی بدولت زندگی میں اندھیرا ہے

شاعر: تنویر ناصر نایاب
انتخاب: شمع پروین...... فیصل آباد

اس ماہ کی نظم

یہ جو سانپ سیڑھی کا کھیل ہے
ابھی ساتھ تھے دونوں ہمنوا
وہ بھی ایک پہ میں بھی ایک پہ
اسے سیڑھی ملی وہ چڑھ گیا
مجھے راستے میں ڈس لیا میرے بخت کے کسی سانپ نے
بڑی دور سے پڑا لوٹنا زخم کھا کے اپنے نصیب کا
وہ ننانوے پہ پہنچ گیا
میں دس کے پھیر میں گھر گیا
اسے ایک نمبر تھا چاہیے جو نہیں ملا سو نہیں ملا
میں بڑھا تو بڑھتا چلا گیا
بس ایک چوکے کی مات تھی
پر اس کا جیتنا میری جیت تھی
اس کا ہارنا میری مات تھی
میں نے جان کے گوٹ غلط چلی
اور سانپ کے منہ میں ڈال دی
یہ جو پیار ہے کبھی سوچنا
یہ بھی ''سانپ سیڑھی'' کا کھیل ہے

ناصر عباس...... کراچی

اس ماہ کی غزل

ابھی خوش گمانیوں میں کہیں جاں سے بھی نہ جاؤ
وہ جو چارہ گر نہیں ہے اسے زخم کیوں دکھاؤ
یہ اداسیوں کے موسم یونہی رائیگاں نہ جائیں
کسی یاد کو پکارو کسی درد کو جگاؤ
وہ کہانیاں ادھوری جو نہ ہو سکیں گی پوری
انہیں میں بھی کیوں سناؤں انہیں تم بھی کیوں سناؤ
یہ جدائیوں کے رستے بڑی دور تک گئے ہیں
جو گیا وہ پھر نہ آیا میری بات مان جاؤ
کسی بے وفا کی خاطر یہ جنوں فراز کب تک
جو تمہیں بھلا چکا ہے اسے تم بھی بھول جاؤ

شاعر: احمد فراز
انتخاب: افشین مرتضیٰ...... سیالکوٹ

اس ماہ کا لطیفہ

بیوی نے شوہر سے کہا: ''دیکھئے جی یہ بلی بہت تنگ کر رہی ہے اس کو میں تھیلے میں بند کر دیتی ہوں کہیں دور چھوڑ کر آئیے''۔

شوہر نے کہا: ''ٹھیک ہے اسے بند کر کے دیدو''۔

بیوی نے بلی کو پکڑ کر تھیلے میں بند کر کے شوہر کے حوالے کر دیا۔ شوہر صاحب بلی لے کر چلے گئے کافی وقت گزر گیا وہ گھر لوٹے نہیں ادھر بیوی پریشان ہو گئی کیونکہ کافی دیر ہو چکی تھی۔ جب شوہر گھر آئے تو بیوی نے کہا۔

''کافی دیر لگا دی میں تو گھبرا گئی تھی!''

شوہر نے کہا: ''راستہ بھول گیا تھا''۔

بیوی بولی: ''پھر کیسے آئے؟''

''شوہر نے کہا: ''بلی کے پیچھے پیچھے چلا آیا''۔

ایس امتیاز احمد...... کراچی

اس ماہ کی مہنگائی

مہنگائی ایک ایسی بلا ہے جو ہر ایک ذی روح کے ساتھ چمٹ گئی ہے جان چھوڑنے کا نام نہیں لے رہی مہنگائی ایک ایسا لفظ جو ہر کسی کی زبان پر آتا ہے تو تلخی خود بخود زبان کا حصہ بن جاتی ہے جیسے کہ آپ پڑھ رہے ہیں اور غصے سے لال پیلے ہو رہے ہیں۔ ایسا کریں غصے کو پی جائیں اب مہنگائی اتنی ہے کہ کھانا ملنا تو جان جوکھوں کا کام بن گیا ہے ہر وہ غریب آدمی جس کا کرائے کا مکان بجلی کا بل گیس کا بل پانی کا بل بچوں کی فیس کام پر جانے کیلئے کرایہ چاہیے روز کا اور بیماری میں دواؤں کے اخراجات نے تو کمر توڑ کر رکھ دی ہے ایسے میں سکون کے دو پل مل جائیں بہت ہیں۔ پھر گھر میں جھگڑے پیسوں پر جھگڑا گھریلو پریشانیاں ایک انسان کب تک برداشت کرے آخر انسان ہے برداشت کا مادہ جب سوا نیزے پر پہنچ جائے تو زندگی تباہ کر دیتی ہے۔

سیدہ امبر ہاشمی...... کراچی

☆☆☆☆☆☆

خوشبو

تقدیر پر بھروسہ رکھنے کا حکم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کامل مسلمان اللہ کے نزدیک بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے کمزور مسلمان سے اور ہر ایک طرح کا مسلمان بہتر ہے۔ حرص کر ان کاموں کی جو تجھے مفید ہیں اور مدد مانگ اللہ سے اور ہمت مت ہار اور اگر تجھے کوئی مصیبت آ جائے تو یوں مت کہہ کہ اگر میں ایسا کرتا تو یہ مصیبت کیوں آتی لیکن یوں کہہ کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی تھا‘ جو اس نے چاہا کیا۔ اگر مگر کرنا شیطان کے لئے راہ کھولنا ہے“۔

(مسلم شریف: باب الایمان بالقدر)

تاجروں کو خرید و فروخت میں کس ضابطہ پر عمل کرنا چاہیے؟

حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فروخت کرنے والے اور خریدنے والے دونوں کو اختیار ہے کہ جس وقت تک علیحدہ نہ ہوں (یعنی خرید و فروخت کے ختم کرنے کا اختیار) اگر وہ سچ بات کہیں گے اور جو کچھ عیب ہو اس کو بتلا دیں گے تو ان کے فروخت کرنے میں برکت ہوگی اور جھوٹ بولیں گے قیمت میں اور عیب پوشیدہ کریں گے تو ان کے فروخت کرنے کی برکت رخصت ہو جائے گی اور نفع کے بدلے نقصان ہوگا“۔

(سنن نسائی شریف: باب ما یجب علی التجار من التوقیۃ فی مبایعتھم)

حنا نسیم ...... کراچی

باتوں سے خوشبو آئے

☆ خدا کی نظر میں وہ عظیم ہے جس کا اخلاق بلند ہے۔ (آنحضرتؐ)

☆ مصیبت میں آرام کی تلاش مصیبت کو ترقی دیتی ہے۔ (حضرت امام جعفر صادقؒ)

☆ عقلمند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔ (حضرت حسن بصریؒ)

☆ ہماری ماں نے ہمیں زندہ رہنے اور آزادی سے زندگی گزارنے کا سبق دیا۔ (مولانا شوکت علی)

☆ بادل کی طرح رہو جو پھولوں پر ہی نہیں کانٹوں پر بھی برستا ہے۔ (ہارون رشید)

☆ حلال روزی کمانے والے کے دل کو خدا نور سے بھر دیتا ہے۔ (شاہ عبداللطیف بھٹائی)

☆ مجھے دوستوں میں ہم رائے دوست زیادہ محبوب ہیں جو میری کوتاہیوں سے چشم پوشی کریں۔ (امام شافعیؒ)

☆ عالم بے عمل‘ پارس پتھر کی طرح ہے جو اوروں کو سونا بناتا ہے مگر خود پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔

(حضرت مجدد الف ثانیؒ)

بتول رحمان ...... سیالکوٹ

ہم سے پوچھیے ......!

☆ اگر دنیا میں صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوتیں تو ......؟

○ غم خودکشی کر لیتے۔

☆ کیا آج کے دور میں بھی کہیں سے خلوص مل سکتا ہے؟

○ بالکل مل سکتا ہے اگر آپ ادھار دے کر بھول جائیں۔

☆ ادھار محبت کی قینچی ہے لیکن لوگ پھر بھی ادھار مانگتے ہیں‘ کیا وجہ ہے؟

○ قینچی کی دھار تیز رکھنے کے لئے ......!

☆ اگر فرہاد آج کے دور میں پیدا ہوتا تو ......؟

○ ملک پیک کا پلانٹ لگا لیتا۔

☆ بہتی گنگا میں کیسے ہاتھ دھوئے جا سکتے ہیں؟

○ جب کسی منچلے کو سر راہ جوتیاں پڑ رہی ہوں تو آپ بھی اپنا حصہ ڈال دیجیے۔

☆ آج کل لوگ اصلی پھولوں کی بجائے نقلی پھول کیوں پسند کرتے ہیں؟

○ کانٹوں سے بچنے کے لئے ......!

☆ شوہر کی قدر کب ہوتی ہے؟

○ ایک کروڑ کی لاٹری نکل آنے پر۔

☆ کسی لیڈر کا نشہ کب ہرن ہوتا ہے؟

○ جب اس پر ریفرنس دائر ہو جاتا ہے۔

ایس امتیاز احمد ...... کراچی

زندگی

زندگی کوئی تیز رفتار دوڑ کا نام نہیں ہے۔ یہ تو رفتہ رفتہ چلنے کا نام ہے۔ وہی لوگ اپنی منزل تک جا پہنچتے ہیں جو مسلسل اس کی طرف رفتہ رفتہ چلتے ہیں۔

عانیہ نیازی ...... ربوہ

چھیل

انڈیا کے صوبے یوپی کے مشہور تاریخی ضلع بجنور کی تحصیل نجیب آباد کے موضع حسین پور محلے پٹواریان میں ایک پٹواری سید محمد خورشید علی نقوی کیلا چھلکے سمیت کھا رہا تھا۔ انسپکٹر ڈاکخانہ جات سید زاہد حسین نقوی نے انہیں ٹوکا۔ ”اسے چھیل تو لیں“۔

پٹواری سید محمد خورشید علی نقوی بولے: ”چھیلنے کی کیا ضرورت ہے مجھے معلوم ہے اس کے اندر کیا ہے؟“

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی ...... کراچی

کاروباری ذہن

ایک فقیر کی لاٹری کھلتی ہے اور وہ ان پیسوں سے مسجد تعمیر کرواتا ہے۔ دوسرا فقیر پوچھتا ہے:

”یار تم نے اپنے پیسوں سے مسجد ہی کیوں بنوائی“۔

پہلا فقیر: ”تاکہ اس مسجد کے باہر صرف میں ہی بھیک مانگوں“۔

سردار جی

ایک سردار سے کسی نے پوچھا: ”سردار جی! عقل بڑی یا بھینس؟“

سردار جی نے پگڑی اتار کر ذرا سا سر کھجایا پھر بولے: ”پہلے تاریخ پیدائش تو بتاؤ“

امبر ہاشمی ...... کراچی

اچھے عمل

اچھے عمل کو موتی سمجھ کر ہار بناتے جاؤ
گنتے رہو ان کو اور خوشیاں مناتے جاؤ
یہ جسم خاکی خاک سے ہی بنا ہے
تمہارے اعمال ہیں گل کی شکل میں
اپنا باغ خود ہی سجاتے جاؤ
ہم انسان خود ہی سمجھتے ہیں اپنے کو
ہر عمل جو تمہارا ہے غور اس پر کرتے جاؤ
زندگی اعمال کی شکل میں ہے کتاب
اس کتاب کی ہر لائن روز پڑھتے جاؤ
تم انسان ہو حیوان نہیں ہو بہت ہشیار
تم اپنے کو نہ سہی دوسروں کو سمجھتے جاؤ

فرخ سلطانہ

محبت یاد رکھتی ہے

وصال وہجر میں
یہ خواب سے محروم آنکھوں میں
کسی عہد رفاقت میں
کسی تنہائی کے جنگل میں
خیالِ خال وخد کی روشنی کے گہرے بادل میں
چمکتی دھوپ میں یا پھر
کسی بھی ابر سائے میں
کہیں بارش میں بھیگے جسم وجاں کے نصر پاروں میں
کہیں ہونٹوں پر شعروں کی مہکتی آبشاروں میں
یا بے نور راتوں میں
سحر ہو رونما جیسے کہیں باتوں ہی باتوں میں
کوئی لپٹا ہوا ہو جس طرح
صندل کی خوشبو میں
کہیں یہ تتلیوں کے رنگ تصویریں بناتی ہو
کہیں یہ جگنوؤں کی مٹھیوں میں روشنی خود کو چھپاتی ہو
کہیں کیسا ہی منظر ہو
کہیں کیسا ہی موسم ہو
تیرے سارے حوالوں کو
تیری ساری مثالوں کو
محبت یاد رکھتی ہے

ناصر عباس

غزل

موسم کے دکھ سہہ جاتے ہیں
پیڑ اکیلے رہ جاتے ہیں
درد سروں میں رہ جاتے ہیں
آنسو باتیں کہہ جاتے ہیں
بعض اوقات فقیر نمانے
بات پتے کی کہہ جاتے ہیں
آنکھیں جب تھک جاتی ہیں تو
خواب گھروندے ڈھے جاتے ہیں

کچھ ہونٹوں پر کچھ باتوں کے
رنگ ادھورے رہ جاتے ہیں
خود سے روٹھنے والے دوستو
پھول ادھورے رہ جاتے ہیں

فرزانہ شوکت

کیا سمجھوں......؟

مجھے معلوم تھا جاناں!
محبت تم بھی کرتے تھے
دلوں میں چپکے چپکے......
آہیں تم بھی بھرتے تھے......
لبوں پہ خاموش التجائیں......
حسین دلکشی سے احتجاج کرتی تھیں......
تیرے دل کے نہاں خانوں میں......
ہاں میں ہی راج کرتی تھی
مجھے معلوم تھا جاناں......!
محبت تم بھی کرتے تھے......
مگر پھر اے میرے ہمدم......
یہ تیری بے رُخی......
اسے کیا سمجھوں......؟
تیری انا......
یا اپنی یکطرفہ محبت غزل

سمیرا غزل حکمت اللہ صدیقی

غزل

ایک جھلک دکھا کر وہ مجھ سے دور چلی گئی
وہ مجھے رسوائی آج اتنی دے کر چلی گئی
دوست بنے میرے بہت سے لیکن
وہ دوستی کو الفت کا نام دے کر چلی گئی
داستانیں بہت سی سنی ہیں میں نے لیکن
وہ محبت کی داستانیں مجھے سنا کر چلی گئی
کہتے ہیں لوگ خواب کبھی سچ نہیں ہوتے
تاریکیوں میں ہی وہ مجھ سے کچھ کہہ کر چلی گئی
سحر ہونے پر ہم نے نہ پایا اپنے پاس کسی کو
وہ مجھے ایک خوبصورت شام دکھا کر چلی گئی
امتیاز کے خوابوں میں وہ رہے گی یوں ہی سدا
وہ مجھے زندگی بھر کی خاموشی دے کر چلی گئی

ایس امتیاز احمد

یاد

بارش ہو یا دھوپ کا موسم
ہر موسم میں
تم
بس تم ہی ہمیشہ یاد آتے ہو

سباس گل

غزل

خیالوں میں میرے ایسی محفل بجی ہے
کہ دل تنہا ہو کر بھی تنہا نہیں ہے
وہ دور رہ کر بھی ہے پاس میرے
یہ احساسِ محبت بھی کتنا حسیں ہے
کروں بند پلکیں تو آ جائے چھم سے
کھلی آنکھوں میں بھی اس کی شبیہہ ہے
کھیلی ایک بازی جو جیتی نہ ہاری
مگر یہ کھیل بھی کتنا دلنشیں ہے
سحر کے لبوں پر بس ایک ہی دعا ہے
ملے اسے وہ سب جو اس کی خوشی ہے

سحر انجم

میرے ہمسفر

میرے ہمسفر
میرے ہمنوا
مجھے تو ملا سب کچھ ملا
مجھے یوں لگے ہے گھڑی گھڑی
میری سب عبادتوں کا تو ہے صلہ
تیرا اس طرح مجھے چاہنا
بے خوف ہو کے پکارنا
میرا سوچنا تیری ذات تک
میرا بولنا تیری ذات تک
ڈھیروں باتیں وہ رات بھر
کبھی تم کرو کبھی میں کروں
پھر ڈھیروں وعدے وہ رات بھر
کبھی تم کرو کبھی میں کروں
وہ بے خوابی کے حسین پل
بسے ہیں آنکھوں میں آج تک
اک سازِ محبت کی گونج تھی
اور طرح طرح کے خیال تھے
حسین بارش وہ شام والی
نہیں ہوں بھولی میں آج تک وہ
وہی تو میرا عروج تھا
جو تیرے سنگ بتا دیا
اور اب......!
فقط ہیں یادیں ہی آس میری
اور یہی ہے حاصلِ حیات میری

نین شاہ

غزل

کندھے پہ ڈال کر جنازہ لحد میں دبا دیا بھول گئے
اہل و عیال میرے میری ہستی سے ہی مکر گئے
ہمیں تو خوشی عزیز تھی تیری، اے دوست
تیری ہنسی کے لئے ہی کر کے صبر، مر گئے
ہم تو وہ تھے جس کے دم سے آباد تھیں یہ رونقیں
یہ تو بتا ذرا یہ تیرے قول و قرار کدھر گئے
اندھیری نگری کی میں اکیلی ہی باسی ہوں
میری راہوں میں چراغاں کرنے والے ہمسفر کہاں گئے
ہنسی، شوخی سے دھڑکتے تھے جن کے دل
میں نہیں وہاں تو کیا وہ بھی جہاں سے گزر گئے

ثمرین اسلام الدین

بھول جاؤ

ہم نے کہا......
اگر
بھول جاؤ ہمیں
تو
کمال ہو جائے......
ہم نے تو فقط
بات کی تھی
اور
اس نے کمال کر دیا......

نوشی

غزل

چاند سورج اور ستارے اجنبی
ایک مسافر سب نظارے اجنبی
معجزہ ہے گردشِ حالات کا
شہر اپنا لوگ سارے اجنبی
اجنبیات کا تعلق خوب ہے
ہم تمہارے تم ہمارے اجنبی
جان کے دشمن ہمارے آشیاں
آشیاں سارے کے سارے اجنبی
زندگی کی تلخیاں ہیں ہم نشیں
پھول خوشبو رنگ سارے اجنبی
وہ جسے واجد ہم نے اپنی پہچان دی
آج وہ ہم کو پکارے اجنبی

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی

نظم

جب بھی تیرا خیال آیا ہے
میں نے تجھے اپنے قریب پایا ہے
پھر یوں چھو کر گزری ہے ہوا
جیسے تو نے نرمی سے میرے بالوں کو سہلایا ہو
شام رنگوں میں لپٹی یوں چلی آئی ہے
جیسے تو نے آنچل لہرایا ہو
رات یوں پھیلی ہے کسی فسوں کی طرح
جیسے تو نے زلفوں کو بکھرایا ہو
پھر یوں ہوا ہے کہ شب بھر
چاند سے کلام رہا ہے
بس تیرا ہی ذکر عام رہا ہے

روحان دانش

غزل

سنا ہے وہ باتیں بہت اچھی کرتے ہیں
چلو کچھ دیر ہم ان کو سنتے ہیں
سنا ہے وہ بولتے ہیں تو لفظ مہکتے ہیں
چلو کچھ دیر ہم ان کو دیکھتے ہیں
سنا ہے وہ مسکراتے ہوئے اچھے لگتے ہیں
چلو کچھ دیر ہم بھی ان کے ساتھ ہنستے ہیں
سنا ہے وہ دل جیتنے کا ہنر جانتے ہیں
چلو کچھ دیر ہم بھی ان سے ہنر جانتے ہیں
سنا ہے وہ راز خوشی جانتے ہیں
چلو کچھ دیر ہم ان کے پاس بیٹھتے ہیں

ارم ناز

یادوں کا ساون

تیری یادوں کا ساون مجھ پہ برستا ہی رہے گا
تیرا نام ہمیشہ میری سانسوں سے وابستہ رہے گا
رہتی ہے تیرے پیار کی خوشبو میرے ہر سو
جہاں اور کوئی نہیں ہوتا ہوتے ہیں بس میں اور تو
میں تجھ سے اور تو مجھ سے وابستہ ہی رہے گا
تیری یادوں کا ساون مجھ پر برستا ہی رہے گا
میں تجھے اس طرح سے دیکھوں کہ تو مجسم بن جائے
اور پھر میرے پاس سے اٹھ کر نہ کہیں تو جائے
میرا یہ جنون تجھے حیران کرتا ہی رہے گا

ثنا خان صنعا

غزل

مفلسی نے کہیں کا نہ چھوڑا مجھے
بے بسی نے کہیں کا نہ چھوڑا مجھے
چھین لی میری آنکھوں سے بینائی بھی
روشنی نے کہیں کا نہ چھوڑا مجھے

چھانتا ہوں میں دشتِ تمنا کی خاک
عاشقی نے کہیں کا نہ چھوڑا مجھے
پہلے رنج و اَلم سے تھا بیزار دل
اب خوشی نے کہیں کا نہ چھوڑا مجھے
ہر کسی کو مری ذات سے ہے مفر
دشمنی نے کہیں کا نہ چھوڑا مجھے
مجھ کو اپنی بھی کوئی خبر اب نہیں
بے خودی نے کہیں کا نہ چھوڑا مجھے
آندھیوں سے میں لڑتا رہا عمر بھر
خودسری نے کہیں کا نہ چھوڑا مجھے
سچ لکھا تو مخالف زمانہ ہوا
شاعری نے کہیں کا نہ چھوڑا مجھے

حکیم خان حکیم

غزل

اجنبی چہرہ، اجنبی آنکھیں
کیسے اس شخص نے بدلی آنکھیں
صبح دم دیر تک سوتی رہیں
خواب چنتی ہوئی تھکی آنکھیں
بعد مدت کے پل بھر کے لیے
اس کے چہرے پہ بھی رکی آنکھیں
اس کا لہجہ تو نہیں یاد مگر!
یاد ہیں بس وہ بولتی آنکھیں
مجھ میں جگتا رہا وہ نیلا درد
زرد ہوتی رہیں جھکی آنکھیں
سانولی شام ابھی دور ہی ہے
دور ہی ہیں وہ سرمئی آنکھیں

حمی

سند یہ ہے

حمیرا علی .... کراچی

صالحہ جی! تمام روا اسٹاف اور قارئین السلام و علیکم۔ مئی کی ایک گرم دوپہر میں اچانک ہی بادل ہوا کے دوش پر اڑ کر آئے اور من آنگن کو جل تھل کر گئے ایک سرخوشی کا عالم تھا تو ملن کے آخری پہر کے بعد لمبی جدائی کا دھڑکا بھی مگر خوش امیدی اور خوش گمانی کا دیا بھی روشن تھا کہ بالآخر ملن کی رت تو آئی ہے انتظار کی طوالت بے چینی ہی کو نہیں بلکہ محبت کو بھی بڑھا دیتی ہے، ایسی ہی تاثیر ہے ”تم میرے ہو کے رہو“ کی جس نے جانے کتنے دلوں کو صرف اور صرف آپ کا بنا دیا اور وہ صرف صالحہ جی کے ہو کے رہ گئے۔ یہاں ہم محوِ انتظار ہیں پھر سے کسی محبت بھرے سلسلے کے اور صالحہ جی نے آتشِ شوق کو مزید بھڑکا دیا۔ 26 اکتوبر کو رسالہ ہاتھ میں آیا اور ہم حیرت وانبساط کی تصویر بن گئے یہ دیکھ کر کہ صالحہ جی ”وطن کی مٹی گواہ رہنا“ کے ساتھ جلوہ گر تھیں۔ آنسوؤں، سسکیوں، درد و کرب مگر محبت اور اخلاص کے لفظوں سے گندھا ہوا مکمل ناول ہمارے سامنے ان مناظر کو تازہ کرتا گیا جو ہم نے بارہا ٹی وی پر دیکھے ہیں مگر لاکھوں کروڑوں ایسے لوگ ہیں جو ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ جو خود پر سہہ چکے ہیں، جن پر یہ کڑے لمحات گزر چکے ہیں اور لاکھوں وہ لوگ بھی ہیں جن پر ہماری حکومت اور ہماری بے حسی کے باعث وہ کڑا وقت ٹھہر سا گیا ہے۔ صالحہ جی نے کمال کی منظر کشی کی ہے۔ ان کا درد جیسے شہ رگ سے بھی قریب محسوس ہوا۔ صالحہ جی! جذبوں، رویوں، احساسات اور ان کے محرکات کی اس خوبی سے ترجمانی کرنا آپ ہی کا خاصا ہے۔ آپ ان لکھاریوں میں سے ایک ہیں جن کی تحریریں عمر بھر کیلئے ذہن و دل میں اتر جاتی ہیں۔

اسد شایان کے عزم و حوصلے کو داد دینی پڑے گی اس کا اپنا خاندان لٹ گیا تھا مگر وہ مسیحائی کا فرض ادا کر رہا تھا اور یقیناً ایسے ہی عزم و حوصلے کی مثالیں ہمارے معاشرے میں بھری پڑی ہیں۔ صالحہ جی کے قلم نے صرف ایک ٹاپک کا نہیں بلکہ کئی موضوعات کا بیک وقت احاطہ کیا، زلزلہ اور سیلاب کے علاوہ دورِ حاضر کا بڑا مسئلہ ٹارگٹ کلنگ کو بھی بے حد گہرائی سے بیان کیا۔

اپر کلاس اور لوئر کلاس کے درمیان کی کشمکش اور فرق کو بیان کیا جو ہمارے معاشرے میں امیر طبقے نے بنایا ہوا ہے۔ وہ کون سا موضوع تھا جسے صالحہ

آپی جی کے قلم نے اس ناول میں نہ چھیڑا ہو اور یقیناً صالحہ جی کے احساسات دل کی کرامات ہیں جو صالحہ جی نے اتنی نرمی اور خوبصورتی سے ان نازک موضوعات کو بیان کر دیا۔

شازیہ مصطفیٰ اور سباس گل نے اچھا لکھا اس بار بھی۔ ثنا خان صنعا' سعدیہ عابد' عائشہ ذوالفقار کے افسانے زبردست تھے۔ لبنیٰ عبید کا ناولٹ بھی اچھا لگا۔ انعم خان کا مکمل ناول ابھی نہیں پڑھا مگر یقیناً قسط اچھی ہوگی۔

ایمان علی .... سکھر

دسمبر کی یخ بستہ ٹھٹھرتی سردیوں اور شوخ و چنچل رقصاں ہواؤں کے قافلے سے لطف اندوز ہوتیں سبھی قارئین اور پیاری آپی جی کو ایمان علی کا گرما گرم سلامِ عقیدت اور دعاؤں کی بہتی ندیا قبول ہو۔ مدت کے بعد سندیسے کی محفل میں پلٹ آئی ہوں سوچ تو مچل رہا ہے کہ صفحہ ابیض کو بھی سیاہ کرتی چلی جاؤں...... ردا پہ تبصرہ خیال کرنے سے قبل تمام لوگوں کو عید الاضحیٰ کی خوشیاں مبارک ہوں۔ عید کی خوشیاں ردا میں دوبالا کرنے کیلئے عید کے لیے اسپیشل کہانی تحریر کی ہے ''عید کے رنگ'' کے نام سے سو وہ اپنے سنگ لائی ہوں' اگرچہ میں تھوڑی لیٹ ہوگئی ہوں مگر پلیز ضرور شامل کر دیں تو سمجھ جاؤں گی کہ لکھنے کی محنت وصول ہوگئی۔ نائلہ طارق بہت خوب اور اعلیٰ لکھ رہی ہیں' مجھے تو خاص کردار سارہ' شیث اور شاہ رخ کے بھاتے ہیں' شاہی کے ڈائیلاگ کھی کھی کرنے پر بے ساختہ مجبور کرتے ہیں' ویلڈن نائلہ۔ علاوہ ازیں سباس گل' اُف یہ کنول تو سلطان راہی بن گئی ہے (ہاہاہا) اجازت دے کر اب عینی پر جل بھن ہونے کا فائدہ؟ انعم خان پلیز کہانی کے Pages تو زیادہ کریں۔ گوشہ قارئین اور ملاقات کا سلسلہ عمدہ ہے۔ مستقل سلسلے بھی دل آویزی سے چمک دمک کر دل لبھاتے ہیں۔ آپی جی! یہ پوچھنا تھا کہ ردا کی کوئی ویب ہے۔ جاتے جاتے ایک میٹھی خوشی بھری بات کہ دو مہینے پہلے میرے بھائی کی شادی ہوئی ہے اور بھابی ان کے ساتھ UK شفٹ ہو چکی ہیں۔ اگر آپی اجازت دیں تو شادی کا مزیدار حال ردا کی طرف ارسال کر دوں؟ گوشہ چشم میں جواب کی منتظر رہوں گی۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو (آمین)

کرن امیر بہادر .... کراچی

صالحہ آپی! یہ میرا پہلا خط ہے میری ردا سے وابستگی فروری 2011ء سے ہے لیکن ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارا تعلق صدیوں پہ محیط ہے۔ فروری کا رسالہ پڑھنے کے بعد میں نے ردا کا کوئی ایک رسالہ نہ چھوڑا' سارے پڑھ ڈالے۔ ردا سے میری دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ رات ایک بجے تک بلکہ اگر لائٹ چلی جائے تو گیس لائٹ سے اور اگر گھر والے تمام لائٹس سونے کے لئے بند کر لیں تو میں TV کی لائٹ سے پڑھتی رہتی ہوں۔ رِداڈائجسٹ 25 سے 27 تاریخ تک میرے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے اور میں دو دن میں پڑھ لیتی ہوں۔ آپی! ردا کی

تمام رائٹرز بہت اچھی ہیں اور خاص طور پر آپ یعنی پیاری صالحہ آپی اور پھر شازیہ مصطفیٰ اور سباس گل میری فیورٹ رائٹرز ہیں۔ باقی تمام رائٹرز بھی بہت اچھی ہیں۔ شازیہ مصطفیٰ کا ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' اور سباس گل کا ''اعتبارِ عشق'' سپرہٹ جا رہے ہیں اور آپی پلیز ان دونوں ناولز کے صفحے زیادہ کیجیے۔ آپی! میرے جیسے بندے میں بھی کچھ لکھنے کے جراثیم پائے جاتے ہیں اگر آپ حوصلہ افزائی کریں تو میں ایک افسانہ بھیجنا چاہتی ہوں' میں آپ کی حوصلہ افزائی کی منتظر رہوں گی۔ آپی! میرا خط طویل ہو گیا ہے مگر پلیز پلیز اس خط کو ردی کی ٹوکری کی نذر نہ کیجیے گا۔ ویسے آپی! آپ اتنی اچھی ہیں نئے لکھنے والوں کو ضرور رسالے میں جگہ دیتی ہیں اس لئے مجھے امید ہے کہ میرا خط ضرور شائع ہوگا' پلیز ضرور شائع کیجیے گا۔

جیا قریشی .... کراچی

ڈیئرسٹ آپی السلام وعلیکم! عید نمبر 1 پر تبصرہ لفافے میں ہی رکھا رہ گیا۔ شہر کے حالات ہی اتنے خراب تھے کہ دل ہی نہ چاہا کہ بھائیوں کو کہوں پوسٹ کرنے کیلئے۔ ایک خوف نے رمضان اور پھر اس کے بعد عید کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے رکھا۔ عید کی خوشیاں کراچی کے شہریوں نے اس بار محسوس ہی نہیں کیں' پورا رمضان روتے ہوئے گزرا۔ انسان گائے بکری کے علاوہ کسی کتے بلی پر بھی چھری پھیرنے کا سوچے تو روح کپکپا اٹھتی ہے' جسم پر لرزا طاری ہو جاتا ہے' پورا رمضان میرا یہ سوچتے ہوئے گزرا کہ کن لوگوں کے دل اس قدر سخت ہیں کہ معصوم لوگوں کی گردنیں چھری کے نیچے رکھتے جن کے ہاتھ نہیں کپکپاتے' ان کی فریادوں پر ان کے دل نہیں پسیجے' اٹھارہ انیس سال کے معصوم نوجوانوں کو ہی زیادہ تر نشانہ بنایا گیا۔ آہ...... اٹھارہ انیس سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے' آنکھوں میں خواب سجے ہوتے ہیں' باپ کا بازو بننے کے' بہنوں کی ڈولیاں رخصت کرنے کے' نیا نیا شناختی کارڈ بنا ہوتا ہے' معصوم ذہن سوچتے ہیں کہ اب ہمیں اس ملک کی شناخت ملی ہے اب ہمیں بنیادی حقوق ملیں گے مگر انہیں کیا پتا کہ ظالم ان سے سانس لینے کا وہ بنیادی حق بھی چھین لیں گے جو خود خدا نے انسان کو عطا کیا ہے' بڑی بے رحمی سے ان کی سانسوں کی ڈور کاٹ دی جائے گی۔ کراچی کی سوگوار فضاؤں میں سانحہ سیالکوٹ پر عدالت کے منصفانہ فیصلے پر قدرے خوشی ہوئی۔ کاش کراچی کے شہریوں کو بھی انصاف نصیب ہو اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ ہمارے شہر کی رونقیں پھر سے لوٹ آئیں (آمین)

یہ میرے احساسات تھے جسے میں سب قارئین سے شیئر کرنا چاہتی تھی' خط طویل ہوتا جارہا ہے اس لئے شمارے پر زیادہ تبصرہ نہیں کروں گی۔ ناولٹ دونوں ہی بہترین تھے روشنی فاطمہ کا ''عید پر بہار'' معاشرتی حقیقت تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو ایشو بنا کر لڑکیاں یوں ہی گھر بیٹھ جاتی ہیں اور والدین ان کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے میں اگر گھر تباہ ہو جائے تو سب سے زیادہ نقصان لڑکیوں کا ہوتا ہے۔ یہ ناولٹ نصیحت تھا لڑکیوں

کیلئے۔ ''سانس، سڑک اور سکوت،، میں نائلہ طارق نے شمس کی شخصیت کو اچھی طرح ڈفائن کیا جس سے اس کے مزاج کی تلخی کو سمجھنے میں مدد ملی۔ نائلہ طارق اور سیدہ امبر ہاشمی سے ملاقات اچھی لگی۔ باقی تمام ناول اور افسانے سب ہی خوب تھے۔ مستقل سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح دلچسپ تھے۔ کچن کی تمام ریسیپیز اچھی لگ رہی ہیں' ٹرائی کرنے کا ارادہ ہے۔ آپی! تین ماہ ہوگئے آپ نے میرا کوئی ناول شائع نہیں کیا۔ اس بار میرا دل کہہ رہا ہے کہ نومبر کے شمارے میں میرے ناول کو ضرور جگہ ملے گی۔ ایک ناول بھیج رہی ہوں میں چاہتی ہوں کہ آپ اسے نومبر کے شمارے میں ضرور جگہ دیں' پلیز پلیز آپی! میرے ناول کو نومبر کے شمارے میں ضرور جگہ دیجیے گا۔

نجف بتول ....ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام وعلیکم صالحہ آپی جی! آپ کیسی ہیں۔ آپی! ردا میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں اور امید رکھتی ہوں کہ انشاء اللہ آئندہ بھی شرکت کروں گی۔ ردا ماشاء اللہ بہت اچھا جا رہا ہے اور ہم جیسے نئے لکھنے والوں کے لیے ایک زبردست پلیٹ فارم۔ ردا کے بھی مستقل سلسلے اچھے جا رہے ہیں اور نئے لکھنے والے بھی اچھا لکھ رہے ہیں۔ میں اپنا افسانہ آپ کو بھیج رہی ہوں اور امید رکھتی ہوں کہ یہ ردا کی زینت ضرور بنے گا۔ آپی! میں آپ کی مستقل رائٹر بننا چاہتی ہوں۔

اقی میں آپ کی' شازیہ مصطفیٰ' قمروش شہک' سعدیہ عابد اور باقی سب رائٹرز کے لیے دعاگو ہوں اور چاہتی ہوں کہ ردا سدا پھلے پھولے اور اس کو بھی نظر نہ لگے۔ اپنا خیال رکھیے گا۔

ثمرین اسلام الدین ....کراچی

السلام وعلیکم آپی! امید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہوں گی۔ سب سے پہلے تو آپ نے میرے افسانے کو ردا میں جگہ دی' میں شکر گزار ہوں (کہ افسانے کے ذریعے میں نے دوبارہ کم بیک کیا) آپ کی اور ان سب کی جنہوں نے پسند کیا افسانہ۔ ہاں تو اب بات کرتی ہوں ردا کی آپی! اس دفعہ ردا بہت زبردست تھا' ردا کا گوشہ گوشہ بہت پسند آیا۔ بات ہو ملاقات کی تو سیدہ امبر ہاشمی سے ملاقات اچھی لگی اور نائلہ طارق واقعی مزہ آیا ان سے مل کر۔ میری کزنز ہم اکثر کمنٹس دیتے ہیں (ناول' افسانے) کے بارے میں تو ہم یہ ہی کہتے ہیں نائلہ طارق کے ناول میں اکثر رومانس کم ہوتا ہے مگر مزہ اتنا ہے کہ ان کا ناول دل کو چھو جاتا ہے' اس دفعہ بھی ان کا ناول بیسٹ آف منتھ رہا۔ پھر اعتبارِ عشق اور بھی عشق ہو تو پتہ چلے' بھی کم نہیں تھے۔ مکمل ناول انعم خان کا پسند آیا۔ ناولٹ میں سمجھ نہیں آ رہا زیادہ اچھا کس نے لکھا۔ افسانوں میں نمبرون پر نازیہ خان کا (کافی عرصے بعد لکھا ہے آپ نے) دوسرے نمبر پر بجنا ہے مجھے' پھر پیار کا ایگریمنٹ اور دوسرے بھی افسانے اچھے تھے۔ باقی سلسلے بھی اچھے اور سب سے بڑھ کر ردائے جنت' اب کے فکرِ آخرت جیسے موضوع ہمارے لئے بہت ضروری ہیں۔

☆☆☆

گوشہ چشم

صالحہ محمود

حمیرا علی ....کراچی

پیاری حمیرا علی! آپ نے اتنی تعریف کی' میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس دور میں میری طرح احساسات رکھنے والی لڑکی ہمارے ردا سے منسلک ہے۔ آپ کی فیلنگز قابل تعریف ہیں' پذیرائی کا بہت شکریہ۔

ایمان علی ....سکھر

پیاری ایمان علی! آپ کا اندازِ تحریر بہت خوبصورت ہے۔ کہانی واقعی لیٹ ہوگئی ہے۔ آپ فون پر رابطہ کر سکتی ہیں۔ کوئی ویب نہیں ہے۔ آپ شادی کا احوال بھیجنا چاہتی ہیں ضرور بھیجیے۔ جو بھی ڈائری بھیجتی ہیں شاعر کا نام ضرور لکھیے۔ دسمبر کی سرد ہواؤں میں اپنا بہت خیال رکھیے۔

کرن امیر بہادر ....کراچی

سوسوئٹ کرن! ردا میں ویلکم۔ بہت خوشی ہوئی یہ جان کر کہ آپ اتنی دلچسپی سے ردا کو پڑھتی ہیں۔ لیکن ایسا بھی نہیں کیجیے کہ گیس لائٹ جلا کر پڑھیں' بہر حال اس سے آپ کے پڑھنے کا شغف ظاہر ہوتا ہے۔ ردا نئے لکھنے والوں کو ہمیشہ ویلکم کہتا ہے اور کوئی بھی خط ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالا جاتا۔ کوشش ہوتی ہے کہ شامل ضرور کریں۔ آپ افسانہ بھیجنا چاہتی ہیں ضرور بھیجیے۔ ردا کے مستقل سلسلوں میں بھی شامل ہو سکتی ہیں۔

جیا قریشی ....کراچی

پیاری جیا قریشی! آپ کے احساسات واقعی قابل احترام ہیں۔ آپ کے ساتھ ساتھ سب ہی کا دل کراچی میں ہونے والے واقعات پر دہل اٹھا تھا۔ ہماری یہی دعا ہے کہ پورے ملک میں امن کی فضا قائم ہو جائے (آمین)

آپ کی حاضری 3 ماہ بعد ہوئی ہے آپ کی بھیجی گئی تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ آپ کا خط نومبر میں شامل نہیں ہو سکا لیکن دسمبر میں شامل کیا جا رہا ہے۔ نومبر میں آپ کی تحریر شامل نہ ہو سکی لیکن آپ اداس نہ ہوں آپ کی شکایت دور کر دی گئی ہے۔

نجف بتول ....ٹوبہ ٹیک سنگھ

پیاری نجف بتول! ردا میں شامل ہونے کیلئے بہت شکریہ۔ بالکل ردا آپ کا ہی ہے۔ آپ اس کی رائٹر بننا چاہتی ہیں ضرور بنیں۔ ردا نئے لکھنے والوں کیلئے ہی بنا ہے۔ ہم نئے رائٹرز کو ایک موقع ضرور دیتے ہیں۔ آپ ردا پر تفصیل سے تبصرہ لکھ کر بھیج سکتی ہیں۔

ثمرین اسلام الدین ....کراچی

سوسوئٹ ثمرین اسلام الدین! آپ کی تحریر واقعی عید کے بعد ملی اس لئے شامل نہ ہو سکی لیکن آپ کا خط شامل کیا جا رہا ہے دسمبر کے شمارے میں۔ جن رائٹرز کے ناول' ناولٹ اور افسانے آپ نے پسند کیے ہیں ان کو میسج آپ کی تحریر کے ذریعے پہنچ جاتا ہے۔ آپ لکھنے کا سفر جاری رکھیے اور ردا سے منسلک رہیے۔

دوستوں کے نام پیغام

سوئٹ قمروش! آپ کی تحریر ہمیشہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ آپ کا انٹرویو پڑھا بہت اچھا لگا' کاش آپ کی تصویر دیکھ سکتی۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ بہت خوبصورت ہوں گی۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کے ہاں ایک چھوٹی سی بیٹی بھی آ گئی ہے۔ دعا کیجیے گا کہ ہمارے گھر بھی ایک خوبصورت سا پھول آئے۔ مجھے آپ کا ناولٹ بہت اچھا لگا تھا۔ کیا آپ اپنی بیٹی کے ساتھ لکھ لیتی ہیں' اس کا جواب ضرور دیجیے گا۔ آپ کی بیٹی کا نام انائیا مجھے بہت پسند آیا۔ اسے میری طرف سے بہت بہت پیار کریں کہ وہ میری فیورٹ رائٹر کی بیٹی ہے۔

شازیہ خان......کراچی

............☆☆☆............

صالحہ آپی! میری طرف سے عانیہ نیازی کو حج کی مبارکباد دیجیے گا۔ شازیہ جی کا ناول بہت اچھا جارہا ہے' ویل ڈن شازیہ جی ویل ڈن۔ آپ میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ سباس گل! آپ بھی بہت اچھا لکھتی ہیں آپ کی جتنی کتابیں مارکیٹ میں آئی ہیں وہ سب میرے پاس موجود ہیں۔ آپ اپنی فیملی کے بارے میں کبھی لکھیے ناں۔ آپ کی کہانیوں سے اندازہ ہوتا ہے آپ ہماری طرح ہیں۔ آپ مکمل تعارف کرائیے' خاص طور پر شادی کے بعد۔ سباس جی! آپ نے چپکے چپکے شادی کر لی ہمیں تو خبر ردا سے مل گئی' چلیں جی کوئی بات نہیں آپ کو بہت بہت مبارک۔ حمنہ! اس بار دسمبر میں ضرور آنا ہے۔ بھائی' بھابی کینیڈا سے آرہے ہیں۔ ردا کے ذریعے میں اپنی کزن ثناشہ کو بھی یہی انویٹیشن دینا چاہتی ہوں کہ ہم سب مل کر اکٹھے نانی کے گھر حویلیاں جائیں اور سردیوں سے لطف اندوز ہوں۔ پیاری ثمر! جب بھی آپ سے رابطہ کرتی ہوں آپ کا نمبر بند ہو جاتا ہے۔ مجھے ربیعہ نے بتایا ہے کہ وہ تمہیں ردا میں چھپنے والی خبر کی اطلاع دے گی۔ ثمر! خالہ' خالو کو میری طرف سے سلام کہیے گا۔ امی بھی دعائیں دے رہی ہیں۔

آمنہ مصطفیٰ......سکھر

............☆☆☆............

سوئٹ شازیہ مصطفیٰ!

رہے تا ابد سلامت تیرا خاورِ درخشاں
تیری صبح و نور افشاں کبھی شام تک نہ پہنچے

مائی سوئٹ ہارٹ! دسمبر کا ردا جب آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو خوش رنگ مہندی اور وہ ڈریس جو میں نے خود دیکھے ہیں کوئی نہ کوئی تو زیب تن کیے ہوں گی۔ ہمارے اسٹاف اور ردا کی جانب سے آپ کو شادی کی ڈھیروں مبارکباد۔ امی کو سلام کہیے گا۔ آرٹسٹ مہتاب علی جو کہ بڑے بھائی ہیں بہت خوبصورت سا پورٹریٹ بنائیں گے۔ شازی جی! آپ کی ہنسی' آپ کے اخلاق پر ہم اور شائستہ جی بیٹھ کر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ آپ سے مل کر بہت اچھا لگا تھا۔ میری طرف سے عمران کو ڈھیروں مبارکباد۔ زندگی کے ہر مقام پر کامیابیاں حاصل ہوں۔ سب بھائیوں کو میری طرف سے مبارکباد۔ خاص طور پر پھر آپ کی امی صاحبہ کو مبارکباد۔

چیف ایڈیٹر: صالحہ محمود......کراچی

............☆☆☆............

بہت ہی سوئٹ لکھنے والی نائلہ طارق! ''سانس' سڑک اور سکوت'' پر ہم حیران ہو گئے۔ آپ تو یوں لگتا ہے ہمارے دل میں جھانک رہی ہیں۔ میں تو خود اپنی بہن کے ساتھ رہتی ہوں لیکن نائلہ جی ہمارے ساتھ تو بالکل الٹ معاملہ ہے۔ بہر حال کہانی بے حد متاثر کن ہے۔ شازیہ جی اور سباس جی اچھا لکھ رہی ہیں' انہیں ہماری طرف سے مبارکباد دیجیے۔ میری چھوٹی فاطمہ گل مجھ سے ناراض ہے۔ ردا کے ذریعے میں اس سے دوبارہ دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ پیاری فاطمہ! نادیہ باجی بھی تمہیں بہت مس کر رہی ہیں' ہو سکے تو ردا کی طرف سے مجھے معاف کر دینا۔

حبیبہ اقبال......ٹوبہ ٹیک سنگھ

............☆☆☆............

مائی سوئٹ دوست ماہین ملک! آپ مجھ سے کب تک ناراض رہیں گی' بس آپ ردا کے ذریعے مجھے خط لکھیں۔ ویسے آپ جنوری میں گڑیا کی شادی پر تو آئیں گی ناں۔ تائی اماں اور چچی کو ہماری طرف سے سلام کہیے گا۔ ہمارے چھوٹے سے بھائی اسد کو پیار کریں اور فنافٹ ہمیں ردا کے ذریعے وش کریں کہ ہماری بھی بات طے ہو گئی ہے۔

کائنات فیصل......لاہور

............☆☆☆............

شازیہ باجی! آپ کو بہت بہت مبارک ہو' آپ کی شادی کا سن کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ پلیز ردا کے ساتھ ایک دن ضرور اسپینڈ کرنے آئیں گی۔ لکھنے کا سلسلہ نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔

ڈاکٹر عائشہ......کراچی

............☆☆☆............

نازیہ کنول نازی جی! آپ ہماری فیورٹ رائٹر ہیں آپ کا سلسلے وار ناول میں آنچل میں پڑھتی ہوں۔ آپ ردا میں کیوں نہیں لکھتیں؟ میں ردا بہت شوق سے پڑھتی ہوں اس میں آپ کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ کوئی بھی پڑھنے والا میرا یہ پیغام ان تک پہنچا دے یا خود نازیہ جی پڑھیں۔ کچھ نہ سہی تو مجھے وش کریں میری انگیجمنٹ ہو گئی ہے۔ آپ میری فیورٹ رائٹر ہیں لیکن اب ردا بھی میرا فیورٹ ہے۔ اس سلسلے میں یہ میرا پہلا خط ہے۔

''کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو''

عائشہ الیاس خان......کمالیہ

............☆☆☆............

صالحہ آپی! آپ کو عید مبارک۔ میں اس کالم کے ذریعے آپ کو اسپیشل وش کر رہی ہوں۔ آپ نے 2005ء کی جو پوری تفصیل لکھی ہے یوں لگ رہا تھا کہ ہم مظفر آباد کی زمین پر اللہ سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ آپ نے منظر کشی بالکل صحیح کی ہے۔ اتفاق سے ان دنوں ہم مظفر آباد ہی تھے بس اللہ نے ہم پر کرم کر دیا۔ ہم اپنے بھائی کی شادی کیلئے گئے ہوئے تھے کہ اچانک سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ ہماری دوست مہناز' طلعت' سمعیہ نے فون پر بتایا زلزلے سے متعلق صالحہ آپی نے مکمل ناول لکھا ہے ''وطن کی مٹی گواہ رہنا'' تو میں نے ردا منگوا کر پڑھا۔ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ آپ کا اداریہ دل کو چھو گیا۔ وقت سے پہلے ہی آپ نے ہمیں ایثار و قربانی کیلئے آگاہ کر دیا۔ میں اس کالم کے ذریعے سمعیہ' طلعت اور مہناز کو بقر عید کی مبارکباد دینا چاہتی ہوں۔ تھینک یو سمعیہ ردا کی سب سے پہلے اطلاع تم نے مجھے دی۔

مہرین ملک......اسلام آباد

باتیں صحت کی

مچھلی

مچھلی میں پروٹین زیادہ اور چکنائی کم ہوتی ہے اور صحت کے لیے اس کے متعدد فوائد ہیں۔ اس سلسلے میں دنیا بھر میں جو تحقیق ہوئی ہے اس سے پتا چلا ہے کہ مچھلی کھانے سے بچپن کے دمے سے لے کر غدہ مثانہ کے سرطان تک بہت سی بیماریوں سے آرام ملتا ہے۔

سفید گوشت کی مچھلی میں خصوصی طور پر چکنائی کم ہوتی ہے۔ روغنی مچھلی میں اومیگا۔۳ روغنی تیزاب خوب ہوتے ہیں جو ایک صحت بخش چکنائی ہے۔

امریکن ہارٹ فاؤنڈیشن کی تجویز کے مطابق ہمیں ہفتے میں دو بار مچھلی کھانی چاہیے۔ ایسی مچھلی کھانے کی زیادہ کوشش کی جائے جس میں روغن زیادہ ہو مثلاً سامن، ہیرنگ اور میکرل وغیرہ۔ کیونکہ ان میں اومیگا۔۳ زیادہ ہے۔ ہمارے جسم کو دن بھر میں پروٹین کی جو مقدار درکار ہوتی ہے اس کا پچاس سے ساٹھ فیصد ہمیں ڈیڑھ سو گرام مچھلی یا دوسری سمندری غذا کھانے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ساری سمندری غذاؤں میں ہی چکنائی کم ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں کافی تحقیق ہوئی ہے کہ مچھلی مرض قلب کے لیے کس قدر مفید ہے اور مچھلی کے تیل کے کیا فوائد ہیں۔ برٹش میڈیکل جرنل میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کے مطابق مچھلی اور مچھلی کے تیل سے تیار شدہ ضمیمے حملہ قلب کو روکنے کے سلسلے میں مفید ہیں، خصوصاً ایسے لوگوں کے لیے جن کے خاندان میں یہ مرض پایا جاتا ہو۔

اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ پابندی سے مچھلی کھانے والوں کیلئے مختلف بیماریوں کا خطرہ کم ہو جاتا ہے اور صحت کیلئے متعدد فوائد ہیں۔ ہر ہفتے مچھلی کھانے سے مرض قلب کا خطرہ کافی کم ہو جاتا ہے اور فالج کے امکان میں بھی کمی ہوتی ہے، کیونکہ اس غذا سے خون میں تھکا (Clot) بننے اور خون کی نالیوں کی سوزش میں کمی ہونے کے علاوہ ان کی لچک بھی بڑھ جاتی ہے، بلڈ پریشر کم ہوتا ہے، خون میں چکنائی کم ہوتی ہے اور اچھا کولیسٹرول یعنی ایچ ڈی ایل بڑھ جاتا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ جو بچے مچھلی کھاتے ہیں ان میں دمے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ ایسی مچھلی کھانے سے جس میں اومیگا۔۳ روغنی تیزاب زیادہ ہو دماغ کی نسیجوں (بافتوں) کو تقویت پہنچتی ہے اور یہ پردہ چشم کیلئے بھی مفید ہے۔ جو سن رسیدہ لوگ ہفتے میں کم از کم ایک بار مچھلی کھاتے ہیں ان میں نسیان اور الزائمر کی بیماری کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ پابندی سے مچھلی کھائی جائے تو گٹھیا کے مرض میں بھی آرام آتا ہے۔ نیز ہڈیوں کی بھربھراہٹ میں بھی کمی ہوتی ہے۔ تازہ پکی ہوئی مچھلی زیادہ فائدے مند ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ مچھلی متوازن غذا کا اہم جزو ہے، جس میں حیاتین، مقویات اور روغنی تیزاب خوب ہوتے ہیں جن سے خون میں کولیسٹرول کی سطح کم کرنے اور بلڈ پریشر پر قابو پانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ (بشکریہ ہمدرد)

☆☆☆☆☆

کچن

تلی ہوئی مچھلی اور ٹارٹر ساس

اجزاء:

- سول مچھلی کے قتلے: 8 عدد
- انڈے کی سفیدی: 2 عدد
- ڈبل روٹی کا چورہ: 1 پیکٹ
- میدہ: 1/2 پیالی
- کارن فلور: 1/2 پیالی
- پسی ہوئی سفید مرچ: 1 چائے کا چمچ
- سفید سرکہ: 6 کھانے کے چمچ
- نمک: حسب ذائقہ
- تیل: تلنے کے لیے

ٹارٹر ساس کے اجزاء:

- دہی: 1/2 پیالی
- مایونیز: 1/2 پیالی
- کٹی ہوئی کالی مرچ: 1 چائے کا چمچ
- مسٹرڈ پیسٹ: 1 کھانے کا چمچ
- اجمودہ: حسب ضرورت
- نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: مچھلی پر 3 کھانے کے چمچ سرکہ لگائیں اور 10 منٹ بعد دھو لیں۔ ایک پلیٹ میں میدہ، کارن فلور، سفید مرچ اور نمک ڈال کر ملائیں۔ مچھلی پر باقی سرکہ لگا کر اس پر میدے کا آمیزہ لگا دیں۔ انڈے کی سفیدی پھینٹ لیں اور ڈبل روٹی کا چورہ ایک پلیٹ میں نکال لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ مچھلی کے ٹکڑوں کو پہلے انڈے پھر ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر کڑاہی میں شامل کریں۔ مچھلی کے ٹکڑے سنہری رنگ کے ہو جائیں تو انہیں جاذب کاغذ پر نکال لیں۔ ٹارٹر ساس بنانے کے لیے اجمودہ کے علاوہ باقی تمام اجزاء ملا لیں اور اجمودہ اوپر سے چھڑک دیں۔

تلی ہوئی فنگر فش

اجزاء:

- مچھلی (لمبائی میں کاٹ لیں): 1/2 کلو
- انڈہ: 1 عدد
- ڈبل روٹی کا چورہ: 1 پیالی
- میدہ: 1/2 پیالی
- پسی ہوئی کالی مرچ: 1/4 چائے کا چمچ
- پسی ہوئی لال مرچ: 1/2 چائے کا چمچ
- لیموں کا رس: 2 کھانے کے چمچ
- نمک: 1 چائے کا چمچ
- تیل: تلنے کے لیے

ترکیب: ایک پیالے میں مچھلی، لیموں کا رس،

کالی مرچ اور لال مرچ ڈال کر تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر لیں۔

ایک پلیٹ میں ڈبل روٹی کا چورہ اور دوسری پلیٹ میں میدہ نکال لیں، انڈے پھینٹ لیں۔

مچھلی کا ایک ایک ٹکڑا لے کر اسے پہلے انڈے پھر میدے میں لپیٹیں پھر انہیں انڈے اور ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر کڑاہی میں سنہری رنگ آنے تک تلیں اور گرما گرم پیش کریں۔

مچھلی کا شاشلک

اجزاء:

مچھلی بغیر ہڈی (رہو): 1/2 کلو
پیاز (چوکور کٹی ہوئی): 1 عدد
شملہ مرچ (چوکور کٹی ہوئی): 1 عدد
ٹماٹر (چوکور کٹا ہوا): 2 عدد
پسی ہوئی لال مرچ: 1 چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک: 1 چائے کا چمچ
بھنا اور پسا ہوا سفید زیرہ: 1 چائے کا چمچ
لیموں کا رس: 2 کھانے کے چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ: 1/2 چائے کا چمچ
نمک: 1 چائے کا چمچ
تیل: 2 کھانے کے چمچ

باربی کیو ساس کے اجزاء:

ہری مرچیں (چوپ کی ہوئی): 2 عدد
چینی: 1 چائے کا چمچ
پسی ہوئی لال مرچ: 1 چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن: 1/2 چائے کا چمچ
سرکہ: 3 کھانے کے چمچ
ٹماٹو کیچپ: 4 کھانے کے چمچ
نمک: 1/2 چائے کا چمچ

ترکیب: ایک پیالے میں مچھلی اور اس کے تمام اجزاء ڈال کر ملا لیں۔ باربی کیو ساس بنانے کے لئے فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور لہسن سنہری کریں۔ اس میں ٹماٹو کیچپ اور سرکہ ڈال کر بھونیں۔ اس میں پسی ہوئی لال مرچ، ہری مرچ اور چینی ڈال لیں اور 5 منٹ پکا کر اتار لیں۔

ایک علیحدہ فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے مچھلی شامل کریں اور اس میں 1/2 باربی کیو ساس ملا کر ہلکے ہاتھ سے چلاتے ہوئے پکائیں۔ اس میں سبزیاں ڈالیں اور باقی باربی کیو ساس ملا کر تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ فرائنگ پین میں سبزیاں ڈال کر چند منٹ پکا کر اتار لیں۔

مچھلی کے مصالحے دار نگٹس

اجزاء:

مچھلی کے فلے: 250 گرام
انڈے کی سفیدی: 1 عدد
ہری مرچیں: 4 عدد
لہسن: 8 جوے
پسی ہوئی کالی مرچ: 1 چائے کا چمچ
پسی ہوئی رائی: 1/2 چائے کا چمچ
پسی ہوئی لال مرچ: 1/2 چائے کا چمچ
اوریگانو: 1/2 چائے کا چمچ
پاکستانی چائنیز نمک: 1/4 چائے کا چمچ

چاول کا آٹا: 2 کھانے کے چمچ
ڈبل روٹی کا چورہ: حسب ضرورت
نمک: 1/2 چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک: 1 چائے کا چمچ
تیل: تلنے کے لیے

ترکیب: بلینڈر میں لہسن، ہری مرچیں، رائی، اوریگانو، کالی مرچ، نمک، پاکستانی چائنیز نمک، لال مرچ، لہسن ادرک اور مچھلی بلینڈ کر لیں۔ مچھلی کے آمیزے کو ایک پیالے میں نکالیں اور چاول کا آٹا ڈال کر اسے اچھی طرح سے ملا لیں۔ اگر آمیزہ ہاتھوں میں چپکے تو ہاتھوں پر ہلکا سا پانی یا تیل لگا لیں۔

ایک پلاسٹک کی تھیلی میں اس آمیزے کو ڈال کر ہاتھوں کی مدد سے اسے دبا کر چپٹا کر لیں۔ اسے ایک شیشے کی ڈش میں رکھ کر اوون میں 180 سینٹی گریڈ پر 2 منٹ پکا کر نکالیں اور چوکور ٹکڑے کاٹ لیں۔ مچھلی کے ٹکڑوں کو پہلے ڈبل روٹی کے چورے پھر انڈے میں لپیٹ لیں۔ فائنگ پین میں تیل گرم کر کے مچھلی کے ٹکڑے شامل کریں اور سنہری کر کے جاذب کاغذ پر نکال لیں۔

مچھلی کی کڑھی

اجزاء:

مچھلی کا گوشت: 1/2 کلو
گھی: 1 کپ
ہلدی: 1/2 چائے کا چمچ
پیاز: 50 گرام
ادرک/لہسن (پسٹ): 1 کھانے کا چمچ
سرخ مرچ: حسب ضرورت
بیسن: 125 گرام
ہری مرچیں: 6 عدد
ہرا دھنیا، پودینہ: چند پتیاں
دہی: 2 کپ
نمک: حسب ضرورت
سفید زیرہ: حسب ضرورت

ترکیب: لہسن، پیاز اور ادرک کو چھیل کر باریک کاٹ لیں۔ مچھلی کے گوشت کے باریک ٹکڑے کر لیں اس کے بعد فرائی پین میں گھی ڈال کر چولہے پر رکھیں۔ اس میں ہری مرچیں، ہرا دھنیا، پودینہ، ہلدی، سرخ مرچیں، نمک، پیاز، ادرک، لہسن کو اچھی طرح بھون لیں۔

اس کے بعد بیسن کو پانی میں گھول کر بھنے ہوئے مصالحے میں ڈال دیں اور دہی ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور اس مکس آمیزے کو چولہے پر رکھ دیں۔

مچھلی کے ٹکڑوں پر نمک اور لہسن لگا کر کچھ دیر رکھا رہنے دیں، اس کے بعد کڑاہی میں ڈیپ فرائی کر لیں۔

مچھلی کے تلے ہوئے ٹکڑوں کو دہی اور بیسن کے مکس آمیزے میں ہلکی آنچ پر پکائیں، جب کڑھی گاڑھی ہو جائے تو چولہے سے نیچے اتار لیں اور زیرے کا بگھار لگائیں۔ مچھلی کی مزیدار کڑھی تیار ہے۔

☆☆☆

گھریلو ٹوٹکے

سفید کپڑوں کو اجلا رکھنے کیلئے:

سفید کپڑوں کو مزید اجلا رکھنے کیلئے پہلے پانی میں لیموں کی چند قاشیں ڈال کر ابال لیں۔ پانی کو تھوڑا ٹھنڈا کر کے اس میں دھلے ہوئے کپڑوں کو کچھ دیر کیلئے بھگوئیں اور پھر انہیں سادہ پانی سے دھولیں، کپڑے جگمگا اٹھیں گے۔

برتن چٹخنے سے بچانا:

برتن یا خاص طور پر شیشے کے گلاس ایک دوسرے میں اٹکانے سے پھنس جاتے ہیں اور الگ کرتے ہوئے دونوں ہی گلاس ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس کیلئے نچلے گلاس کو گرم پانی میں رکھیں تو کچھ دیر بعد یہ برتن چٹخنے یا ٹوٹنے کی بجائے صحیح وسالم باہر نکل آئیں گے اور یوں نقصان نہیں ہوگا۔

موم بتی کو زیادہ دیر تک جلانے کیلئے:

موم بتیوں کو پلاسٹک کے لفافے میں ڈال کر فریج میں رکھ دیں۔ اس طرح موم بتی زیادہ دیر تک جلتی رہتی ہے۔

ادرک تازہ رکھنا:

ادرک کو کافی عرصہ تک تروتازہ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ادرک کے ٹکڑوں کو کسی گملے یا مٹی میں دبا دیجیے اور پانی چھڑکتے رہیے۔ ضرورت پڑے تو ٹکڑا نکال کر دھو کر استعمال کر لیجیے باقی ادرک پھر سے دبا دیجیے۔ ادرک کافی عرصے تازہ رہے گی۔

زیادہ گلے ہوئے آلو کیلئے:

آلو، شکرقند اور چنے ابالتے ہوئے اگر زیادہ گل جائیں تو انہیں ٹھنڈا کر کے کچھ دیر فریج میں رکھ دیں۔

کاجل، سیاہی کا داغ:

کپڑوں پر لگے کاجل یا سیاہی کے داغ پر نمک ملئے، داغ دھبے غائب ہو جائیں گے۔

مضبوط مسوڑھے:

سرکہ میں تھوڑا سا شہد ملا کر کلیاں کرنے سے مسوڑھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔

نمک کو نمی سے محفوظ رکھنے کیلئے:

نمک کو نمی سے محفوظ رکھنے کیلئے نمک کے برتن میں چند لونگیں ڈال کر نمک ڈال دیں۔ نمک میں نمی کا نام ونشان نہیں ہوگا۔

سادا پانی:

اگر کھیر پکانے سے پہلے دیگچی میں سادا پانی ڈال کر گرم کریں پھر پانی پھینک کر دودھ ڈال کر گرم کریں پھر پکائیں تو کھیر دیگچی کے پیندے میں نہیں لگے گی۔

☆☆☆

سنگھار

خوبصورتی دلکشی صرف میک اپ کی ہی مرہون منت نہیں، آپ ہلکی پھلکی ورزش سے بھی خود کو دلکش بنا سکتی ہیں، ذیل میں کچھ ایسی ہی طریقے درج ہیں۔

چہرے کی ورزش

چہرے پر تھکن، ٹینشن وغیرہ سے اکثر جلد ناہموار اور ڈھلکی سی محسوس ہوتی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ ریلیکس ہو کر بیٹھ جائیں اور اپنے ہاتھوں سے چہرے کا مساج نہایت نرمی سے کریں، انداز ایسا ہونا چاہئے جیسے آپ اپنے چہرے پر کوئی فیس کریم لگا رہی ہیں، ماتھے کو دونوں ہاتھوں سے آہستہ آہستہ درمیان سے کنپٹیوں تک سہلائیں کبھی اوپر بالوں کی جانب ایسا کریں گالوں کو نیچے سے اوپر کی جانب آہستہ آہستہ کھینچیں وغیرہ، آپ کا انداز ایسا ہونا چاہئے کہ آپ کو سکون ملے آپ کو خود اپنے چہرے پر تازگی اور جلد میں سرخی چھلکتی نظر آئے گی، اس کے علاوہ آپ سنگھار میز کے سامنے بیٹھ کر پہلے اپنی ایک ابرو کو اوپر کریں پھر دونوں بھنوؤں میں سے دوسری کو ایسا کرنا پہلے مشکل ہوگا لیکن تھوڑی پریکٹس سے آپ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

ہونٹوں کی ورزش

ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیں پھر ان میں سے ہوا کو ایسے گزاریں جیسے سیٹی بجاتے ہیں، ہونٹوں کو جس حد تک پھیلا سکتی ہیں پھیلائیے اور پھر منہ کھولیے زبان کو اوپر والے ہونٹ تک لائیں اور منہ بند کئے بغیر زبان کو ہونٹوں پر بائیں سے دائیں تیزی سے پھیریئے دس بار ایسا کریں اس سے بھاری ٹھوڑی درست ہو جاتی ہے۔

آنکھوں کی ورزش

دونوں آنکھوں کو ناک کی نوک پر مرکوز کر دیں اور پلکیں بالکل نہ جھپکائیں ایسا تین سیکنڈ تک کریں آپ کی آنکھوں کی جلد میں تناؤ اور آنکھوں میں چمک پیدا ہوگی۔

ناک کی ورزش

شہادت کی انگلیاں ناک کے نچلے حصے پر جما دیں پھر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے اپنی انگلیاں آہستہ آہستہ رخسار کی ہڈی کی طرف لائیے اس ورزش سے سانس یا دمے کی تکلیف والوں کو بہت سکون ملتا ہے کیونکہ پھیپھڑوں کی اینٹھن ختم ہو جاتی ہے ورزش کے دوران ناک سے سانس لیں منہ سے ہرگز نہیں لیں، دن کے کسی بھی حصے میں فرصت اور اطمینان سے یہ ورزشیں کریں آپ کو اپنے چہرے میں خود کم عمری اور دلکشی نظر آئے گی۔

پتلی کمر کی ورزش

فرش پر سیدھی لیٹ جائیں اور ٹانگوں کو باقی جسم سمیت اوپر کی طرف اٹھائیں کمر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے رہیں تاکہ ریڑھ کی ہڈی کو سہارا ملے پھر ٹانگیں آہستہ آہستہ فرش پر واپس لائیں اگر آپ کی کمر سخت یا

چوڑی ہے اس ورزش کو روز کرنے سے اس میں لچک پیدا ہوگی اور اس کی چربی بھی ختم ہوگی۔

پیٹ کم کرنا

پشت کے بل لیٹ جائیں ٹانگوں میں فاصلہ رکھیں مگر پاؤں قریب رکھیں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں ملائیں اور اپنی گردن کے پیچھے رکھیں اب آہستہ آہستہ گہری سانس لیں اس کے ساتھ ہی سر شانے اور ٹانگیں فرش سے اٹھائیں مگر گھٹنے سیدھے رکھیں اور جب تک مکمل طور پر سانس اندر نہیں بھر لیتیں خود کو اسی پوزیشن میں رکھیں سانس روکے ہوئے آہستہ آہستہ اصلی پوزیشن میں واپس آجائیں اور اب سانس خارج کردیں آپ کا پیٹ جلد اندر کی طرف ہوجائے گا اور آپ اسمارٹ نظر آئیں گی۔

رانوں کی ورزش

یہ ورزش رانوں کو مضبوط بناتی ہے جس سے ٹانگوں میں درد اور کھنچاؤ کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے اس ورزش میں سب سے پہلے اپنے بازو پھیلا کر کھڑی ہوجائیں۔ ایڑھیاں قریب رکھیں اور پاؤں کی انگلیوں یعنی پنجوں کے بل اونچی ہوں اپنی پشت کو بالکل سیدھا رکھیں اب گھٹنوں کو جھکایئے اور پنجوں کے بل بیٹھ جائیں ہاتھوں کو آگے کی طرف رکھیے چند منٹ بعد پنجوں کے بل آہستہ آہستہ کھڑی ہوجائیں اور پہلے والی پوزیشن میں آجایئے یعنی پیر زمین پر رکھتے ہوئے ہاتھ دائیں اور بائیں پھیلا لیں پھر آہستہ آہستہ انہیں نیچے لے آئیں اس ورزش کے دوران آپ کو کمر بالکل سیدھی رکھنی ہے۔

جسم کا اوپری حصہ مضبوط کریں

اس ورزش میں پہلے بالکل سیدھی کھڑی ہوجائیں پھر گھٹنے سیدھے رکھتے ہوئے جسم کو آگے کی طرف جھکائیں مگر بازوؤں کو سیدھا اوپر رکھیں اور ان میں ایک بوتل پکڑ کر اسی پوزیشن میں رہتے ہوئے دونوں بازوؤں کو پیچھے کی طرف لے جاتے ہوئے بالکل سیدھا رکھیں اور بوتل دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑی رہیں چند سیکنڈ بعد آہستہ آہستہ بازو واپس نیچے لے آئیں اور سیدھی کھڑی ہوجائیں اس سے سینہ، دل مضبوط ہوتے ہیں اور دوران خون تیز ہوتا ہے کمزوری دور ہوتی ہے۔

معدے کی ورزش

یہ ورزش آپ کے معدے کو مضبوط اور صحت مند بنانے کے لئے مجرب ہے سب سے پہلے پشت کے بل فریش پر بالکل سیدھی لیٹ جایئے دونوں ٹانگیں ملی ہوئی ہوں اور ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیں اب گھٹنے بالکل سیدھے رکھتے ہوئے دونوں ٹانگوں کو آپس میں ملائے رکھتے ہوئے سیدھا اوپر کی طرف اٹھائیں (پشت کو فرش پر ہی ٹکائے رکھیں صرف ٹانگیں اوپر اٹھائیں) چند سیکنڈ بعد ٹانگوں کو بالکل سیدھی حالت میں آہستہ آہستہ فرش پر واپس لے آئیں اگر آپ نے ورزش باقاعدگی سے کی تو آپ کو معدے کی کئی پرابلمز سے نجات مل جائے گی۔

گردن اور پشت کی ورزش

اس ورزش کے ذریعے آپ گردن اور پشت کے کھنچاؤ کو ختم کرسکتی ہیں یہ کولہے، کمر اور جسم کے درمیانی حصے کو بھی متوازن بناتی ہے سب سے پہلے دونوں بازو کو تھوڑے فاصلے پر رکھ کر کھڑی ہوجائیں اب اپنے دونوں ہاتھ گردن کی پشت پر رکھ لیں اسی پوزیشن میں رہتے ہوئے اپنی کمر کو پہلے دائیں طرف جھکائیں پھر بائیں جانب جھکائیں پھر اسی طرح پیچھے کی طرف جتنا ممکن ہو جھکیئے اس ورزش سے جسم بے حد اسمارٹ اور پرکشش ہوجاتا ہے۔

☆☆☆☆☆